میثم قادری

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون (الآیۃ)

علامہ ابن عابدین الشامی کی تصنیف

لطیف عقود رسم المفتی کا نادر ترجمہ و تحقیق

درس عقود رسم المفتی



ترجمہ و تحقیق

محمد امتیاز قادری عفی اللہ عنہ

فاضل دار العلوم نعیمیہ، نائب مفتی دار العلوم غوثیہ

پبلیشر ادارۂ فیضانِ رضا (رجسٹرڈ) نیو دھوراجی کالونی، گلشن اقبال کراچی

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (الآیۃ)

علامہ ابن عابدین الشامی کی تصنیف

لطیف عقود رسم المفتی کا نادر ترجمہ و تحقیق

درس عقود رسم المفتی

ترجمہ و تحقیق

محمد امتیاز قادری عفی اللہ

فاضل دار العلوم نعیمیہ، نائب مفتی دار العلوم غوثیہ

پبلیشر ادارۂ فیضانِ رضا (رجسٹرڈ) نیو دھوراجی کالونی، گلشن اقبال کراچی

نام کتاب : درس عقود رسم المفتی

مرتب : محمد امتیاز قادری

طبع اول : ۱۳ مئی ۲۰۱۱ء بمطابق ۹ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ

قیمت : [redacted]

تعداد : ۵۰۰

باہتمام : ادارہ فیضان رضا (رجسٹرڈ)، نیو دھوراجی کالونی گلشن اقبال بلاک ۴ کراچی ۔ ۲۲۴۱۰۵۱-۰۳۲۱

درج ذیل مقامات سے حاصل کیجئے

﴿کراچی﴾ (۱) مکتبہ برکات مدینہ، بہار شریعت مسجد ۳۵۳۱۹۲۲-۰۳۲۱ (۲) فیضان مدینہ باب المدینہ۔ (۳) مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی۔ (۴) جیلانی پبلی کیشنز اردو بازار۔

﴿لاہور﴾ (۱) نعیمی کتاب گھر اردو بازار لاہور ۷۲۴۸۹۲۷-۴۲-۹۲ (۲) مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ (۳) کرماوالا بک شاپ، دربار مارکیٹ (۴) مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ (۵) مکتبہ اعلی حضرت نزد دربار مارکیٹ (۶) نظامیہ کتاب گھر اردو بازار (۷) مکتبہ اسلامیہ اردو بازار ۸۶۶۱۷۶۳-۰۳۲۱ (۸) پروگریسو بکس اردو بازار۔ ﴿راولپنڈی﴾ (۱) احمد بک شاپ (۲) اسلامک بک شاپ (۳) مکتبہ قادریہ عطاریہ۔ ﴿فیصل آباد﴾ (۱) مکتبہ اہل سنت، فیضان مدینہ چوک، سوساں روڈ مدینہ ٹاؤن ۶۶۱۳۷۲۶-۰۳۲۱ (۲) مکتبہ اسلامیہ ۔ ﴿ملتان﴾ (۱) مکتبہ فیضان سنت، پیپلز مسجد اندرون بوہر گیٹ۔ (۲) مکتبہ کریمیہ (۳) ادارہ ضیاء السنۃ۔ (۴) مکتبہ حاجی مشتاق۔ ﴿حیدر آباد﴾ (۱) مکتبہ سخی سلطان۔

فہرست درس عقود رسم المفتی

الاھداء

میرے تو آپ ہی ہیں سب کچھ اے رحمت عالم
میں جی رہا ہوں زمانے میں آپ ہی کے لئے

تمام تعریفیں اس خالق کائنات کے لئے جس نے اس عالم رنگ وبو کو طرح طرح سے مزین کیا اور کروڑہا کروڑ درود ہوں اس رحمت والے آقا ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات پر جو ہم بے کسوں، غم کے ماروں، دکھ یاروں کا واحد سہارا ہیں۔ اللہ ﷻ کی دی ہوئی توفیق اور فخر کائنات، شاہِ موجودات ﷺ کی نظر کرم کا صدقہ ہے کہ **ادارہ فیضانِ رضا** نے اس خدمت کو سرانجام دیا۔ ہم اللہ رب العزت کی بارگاہِ بے کس پناہ میں دعا گو ہیں کہ اللہ ﷻ اس خدمت کو اپنی مقدس بارگاہ میں قبول فرما کر اس پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ ہم اس پر مرتب ہونیوالے اجر وثواب کو مکی مدنی آقا ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے وسیلے سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام، صحابۂ کرام علیہم الرضوان، تابعین، تبع تابعین، جمیع بزرگان دین، تمام سلاسل کے صوفیاء واولیاء بالخصوص شہنشاۂ بغداد، حضورِ **غوث پاک** کی بارگاہ مقدسہ، اعلیٰ حضرت **فاضل** بریلوی، اور شیخ طریقت امیر اہلسنت مولانا **محمد الیاس** قادری صاحب، اور اپنے تمام ہی اساتذہ کرام کو جن کی پرخلوص دعاؤں سے یہ کام دیگر علماء وعلم دوست حضرات تک پہنچا، اور اپنے والدین ودیگر اہل خانہ دوست واحباب، اعزو اقرباء اور جمیع مومنین ومومنات کو جو حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر تا قیام قیامت پیدا ہونگے ان سب کو، بالخصوص **ادارہ فیضانِ رضا** کے جملہ اراکین کو جو اس خدمت کو قارئین تک پہنچانے میں ادارے کے معاون ومددگار بنے **مولانا محمد عمران عطاری**، **مولانا فرحان عطاری**، **وسیم عبداللہ عطاری** کی نذر کرتے ہیں، اللہ جل جلالہ ان تمام ہی حضرات کو دارین کی خوشیاں نصیب فرمائے، اور ادارے کی جملہ خدمات **درس عقود رسم المفتی**، **جلالین** کی اردو شرح بنام **عطائین**، **حزب الاعظم والورد الافخم** بنام **مقبول دعائیں** (زیر طبع)، طلباء کی آسانی کے لیے تنظیم المدارس کے حل شدہ **پرچہ جات** کو قبول فرمائے۔

محمد امتیاز قادری عفی عنہ

ادارہ فیضان رضا (رجسٹرڈ)

تعارف ادارہ فیضان رضا

بسم الله الرحمن الرحيم نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

بلاشبہ علم وحکمت وہ نورانی معراج ہے جو انسان کو ذلت کی پستیوں سے نکال کر عزت وسربلندی کے مقام تک پہنچاتا ہے اور علم ہی حقیقۃً انسان کو انسان بناتا ہے۔ قابلِ مبارک باد اور لائق ستائش ہیں وہ لوگ جو علم کے حصول وفروغ کے لیے اپنے آپ کو شب وروز مصروف رکھتے ہیں اور اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لاکر عوام کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

فروغِ علم کے نصب العین کو لیکر یکم نومبر ۱۹۹۸ء کو کچھ قابلِ رشک افراد نے گلشنِ اقبال، نیو دھوراجی کالونی میں ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام "مدرسہ فیضانِ رضا" رکھا گیا، اللہ تعالی نے اس مدرسہ پر ایسا کرم فرمایا کہ بارہ سال کے قلیل عرصے میں وہ مدرسہ جو ناظرہ قرآنِ کریم کی تعلیم سے شروع ہوا تھا آج بحمدہ تعالی یہاں نہ صرف قرآنِ پاک ناظرہ کی تعلیم دی جارہی ہے بلکہ اسکے ساتھ ساتھ حفظِ قرآن مجید، قرأت، تجوید، اور درسِ نظامی کی تعلیم سے بھی طالبات کو مزین کیا جارہا ہے۔ ساتھ ہی پرائمری سطح تک اسکول اور انگریزی وعربی زبانوں کی تدریس کا بھی سلسلہ جاری ہے۔

تعلیم وتعلم کے سلسلے میں صاحبانِ قلم نمایاں اور بنیادی مقام رکھتے ہیں۔ اہلِ سنت کے علماء کی قلمی کاوشوں کو بروئے کار لانے اور طلباء کی مشکلات کو آسان کرنے کے لئے صاحبانِ علم ودانش کا ایک مربوط ومنظم ادارہ مجلسِ تحقیقاتِ درسی کتب وکتبِ اسلاف بھی مدرسہ فیضانِ رضا کے تحت خدمت میں مشغول ہے۔ اس ادارے کے تحت مختلف درسی کتب کے ترجمہ، شرح اور حواشی وغیرہ پر مستقل کام جاری وساری ہے۔

"درس عقود رسم المفتی کا اسلوب"

میں (محمد امتیاز قادری، منتظم ادارہ فیضان رضا اکیڈمی گلشن اقبال بلاک ۴، نیو دھوراجی کالونی) نے اس اردو شرح میں جن امور کا خصوصیت کے ساتھ اہتمام کیا ہے وہ یہ ہیں کہ عربی عبارت کو واضح پیراگراف اور کوماز کی شکل میں لکھ دیا گیا ہے تاکہ ایک فقیہ یا مجتہد کی عبارت ختم ہونے پر واضح نشاندہی ہو سکے۔ ساتھ ہی ہر عربی عبارت اور اس کے تحت اردو ترجمہ کے ساتھ

"ہیڈنگ" کا اہتمام کیا ہے تاکہ کسی نہ کسی مشہور قانون اور جزیئے کی جانب بھی نشاندہی ہو جائے
۔اس شرح میں اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ ضمنی فوائد یا ضمنی فائدہ کے عنوان کے تحت علماء کو تخریج اور مزید تحقیقی مواد فراہم کیا جائے ،وہ مقامات جہاں علامہ شامی نے مثالیں قائم نہیں کی تھیں وہاں ہم نے امثال ذکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں جتنے بھی قوانین اور جزئیات ذکر کئے گئے ہیں فہرست میں ان کا اندراج کرنے کی بھی سعی کی ہے۔ آخر میں ماخذ و مراجع ذکر کئے گئے ہیں۔ آخر میں گزارش ہے کہ اس کتاب کے ترجمہ و شرح میں ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ اغلاط باقی نہ رہیں، لیکن الانسان مرکب من الخطاء والنسیان کا اعتراف کرتے ہوئے اس کتاب کے غلطی سے مبرا ہونے کے دعویدار نہیں۔

آخر میں تمام معاونین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت اس کارِ خیر کے تمام معاونین کو فلاح دارین سے نوازے اور اس کاوش کو اپنی بارگاہِ بیکس پناہ میں شرفِ قبولیت عطا فرماتے ہوئے اسے اصل کتاب کی طرح افادہ عام کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

محمد امتیاز قادری عفی عنہ
ادارہ فیضانِ رضا (رجسٹرڈ)
نیو دھوراجی کالونی، گلشن اقبال، بلاک ۴ کراچی

حالات علامہ شامی قدس سرہ السامی

نام وسلسلۂ نسب:

آپ علیہ الرحمۃ کا نام محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن احمد بن عبدالرحیم بن نجم الدین بن محمد صلاح الدین المعروف ابن عابدین ہے۔

جائے ولادت اور تعلیم علم دین :

آپ علیہ الرحمۃ کی پیدائش ۱۱۹۸ھ میں شام کے مشہور شہر دمشق میں ہوئی ، آپ علیہ الرحمۃ کے والد محترم نے آپ کی دینی تعلیم کا اہتمام فرمایا جس کی برکت سے کم سنی ہی میں آپ نے قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کر لی، آپ علیہ الرحمۃ کے والد گرامی تاجر تھے۔ آپ علیہ الرحمۃ اپنے والد گرامی کی دکان پر ان کے تجارتی کاموں میں ہاتھ بٹا دیا کرتے تھے ،ایک مرتبہ آپ علیہ

الرحمۃ دکان پر بیٹھے بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت فرمارہے تھے کہ ایک شخص کا وہاں سے گزر ہوا تو اس نے آپ علیہ الرحمۃ کو سمجھایا "تم یہاں بیٹھ کر قرآن نہیں پڑھ سکتے کہ لوگ اپنے کام کاج میں مصروف ہیں اور قرآن نہیں سماعت کررہے جس کے سبب تم گناہ گار ہورہے ہو"۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ اپنی جگہ سے اٹھے اور اس شخص سے شہر کے بہترین قاری کے بارے میں دریافت کیا؟ اس شخص نے جواب دیا: قاری شیخ سعید الحموی علیہ الرحمۃ کا شمار بہترین قراء میں ہوتا ہے، آپ علیہ الرحمۃ ان کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے قرآن شریف پڑھنے کے احکام اور علمِ تجوید وغیرہ سیکھا۔ اس کے بعد تجوید کی مشہور کتب میدانیہ، جزریہ اور شاطبیہ کو حفظ کرلیا۔ بعد ازاں علمِ صرف، نحو اور فقہ شافعیہ کے حصول میں مصروف ہو گئے۔

علامہ شامی کے شیوخ:

شیخ محمد سالمی العامری العقاد علیہ الرحمۃ ان سے علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے علم حدیث، تفسیر اور منطق حاصل کیا، یہ بڑے پائے کہ شیوخ میں سے تھے انہوں نے علامہ شامی علیہ الرحمۃ کو مذہب حنفیہ کی فقاہت کی دعوت دی اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے انہی کے پاس فقہ واصول فقہ میں احناف کی کتابوں کا مطالعہ فرمایا۔ آپ مصر کی جانب روانہ ہوئے اور شیخ الامیر المصری علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ طے کیا جن کی اجازت شام کے محدث شیخ محمد الکوبری علیہ الرحمۃ نے دی تھی، اور انہی مصری شیخ کی بارگاہ میں اور انہی کی اجازت سے درس وتدریس اور تصنیف کا سلسلہ کیا، یہاں تک کہ بڑے بڑے اکابر علماء شیخ عبدالغنی المیدانی علیہ الرحمۃ، شیخ حسن البطار علیہ الرحمۃ، احمد آفندی الاسلامبولی علیہ الرحمۃ وغیرہ شامل ہیں۔

تصانیف:

آپ علیہ الرحمۃ کی مشہور کتابوں میں درمختار کی شرح "ردالمحتار" ہے جو کہ حاشیہ ابن عابدین کے نام سے بھی مشہور ہے، فقہ حنفی کی ممتاز کتب میں شمار ہوتی ہے۔ دیگر کتب میں رفع الانظار علی درمختار، العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة، نسمات الاسحار علی شرح المنار، حاشیة علی المطول فی البلاغه، الرحیق المختوم فی الفرائض، حواشی علی تفسیر البیضاوی، مجموعة رسائل (۳۲ مختلف فنون پر رسائل)، عقود الآلی فی اسانید العوالی۔

وفات:

دین متین کی خدمت کرتے ہوئے **دمشق** میں ۱۲۵۲ھ میں وصال ہوا اور باب الصغیر......[1]...... میں دفن ہوئے۔

[1] باب الصغیر کے بارے میں **روض البشر، عقود الآلی** وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

(ردالمحتار علی درمختار ،مقدمۃ الکتاب ،ج ۱، ص ۵۵)

تعارف مترجم وبانی ادارہ هذا

یقیناً قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جو اس نفسا نفسی کے مادی دور میں بھی مال کی طلب کی دوڑ سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے دینی خدمات کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں۔اور اپنی تمام تر تحریری ،تقریری اور جسمانی صلاحیتوں کو دین کی خدمت اور فروغ کے لیے صرف کر دیتے ہیں اور ان میں سے بھی وہ لوگ خاص طور پر قابل ستائش ہیں جو دین کے شعبے میں درس وتدریس یا تصنیف وتالیف کے شعبے سے وابستہ ہیں کہ یہ بلاشبہ وہ لوگ ہیں جو ہمہ تن جہاد بلکہ افضل جہاد میں مصروف ہیں کہ انہوں نے اپنی عمر کا قیمتی ترین حصہ حصول علم میں مشغول رہ کر گزارا دیا ہوتا ہے اور پھر اس عظیم ومقدس امانت کو اگلی نسل تک پہنچانے میں انتہائی جانفشانی اور اعلی ہمت کو بروئے کار لاتے ہوئے خدمات انجام دیتے ہیں۔ایسی ہی ایک پیاری شخصیت فاضل نوجوان **مولانا محمد امتیاز قادری** ہیں۔اللہ جل جلالہ نے انہیں حسن صورت وحسن سیرت دونوں سے خوب نوازا ہے۔حصول علم کے بعد فروغ علم میں اپنے آپ کو فنا کئے ہوئے ہیں اور ان کے قلم کی جولانیاں اپنے عروج پر ہیں اور فیضان علمی کو عام کرنا اپنا نصب العین اور اولین ترجیح قرار دے چکے ہیں۔

فاضل موصوف دینی شعور کے حامل ایک **میمن** گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔دنیاوی تعلیم کے شعبے میں کامرس سے انٹر کا امتحان پاس کیا ہے۔جب کہ **درس نظامی** کراچی کے ایک عظیم دینی تعلیمی ادارے **دارالعلوم نعیمیہ** فیڈرل بی ایریا سے حاصل کیا اور حصول علم سے فراغت کے فوراً بعد سن ۲۰۰۶ء سے ہی تصنیف وتالیف سے وابستہ ہو گئے اور **تفسیر جلالین** کی اردو شرح بنام **عطائین** لکھنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ان کی شبانہ روز کوششوں کے نتیجہ میں **عطائین شرح جلالین** کی پہلی

جلد منظر عام پر آچکی ہے جو کہ ابتدائی چھ پاروں پر مشتمل ہے۔ جب کہ بقیہ مجلدات پر تیزی سے کام جاری وساری ہے۔ اس کے علاوہ درس نظامی کی دیگر کتب پر ترجمہ وشرح کرنے کے لیے بلند حوصلے کے مالک ہیں اور **درس عقود رسم المفتی** آپ کے ہاتھوں میں اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جو کہ مفتیان کرام کے لیے ایک قیمتی تحفہ ہے۔

تنظیم المدارس کے مختلف درجات عامہ، خاصہ، عالیہ، عالمیہ سال اول ودوم کے حل پرچہ جات میں مولانا موصوف نے خاصی محنت کی ہے اور اسے مزید بہتر بنانے کے لیے ہمہ وقت متوجہ اور مشغول ہیں۔ اس سلسلے میں اہل علم وطلبہ کی مشاورت کو کھلے دل سے قبول کرتے ہیں۔

علم کا شوق انہیں مختلف شعبوں کی جانب راہ دکھاتا رہتا ہے اور وہ ہر شعبے میں اپنی نگارشات کی یادگار قائم کررہے ہیں چنانچہ **افتاء** (فتوی نویسی) کی طرف بھی ان کی توجہ ہے اور "**دارالعلوم غوثیہ**" فرقان آباد پرانی سبزی منڈی میں استاد العلماء قبلہ مفتی عبدالحلیم ہزاروی دامت برکاتہم العالیہ کی زیرنگرانی علمی وتحقیقی فتاوی رقم کرتے ہیں۔

فاضل موصوف **مولانا امیتاز قادری** زیدمجدہ دعوت اسلامی سے وابستہ ہیں اور تربیتی ماحول کا ان پر گہرا اثر ہے اور غالبا اسی تربیتی ماحول کے زیراثر وہ دینی تعلیم کے حصول اور افتاء وترجمہ اور تصنیف وتالیف جیسے مقدس اور قابل قدر امور کی طرف متوجہ ہوئے۔

دعا ہے کہ اللہ ﷻ ان کی جملہ دینی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے ان کی توفیقات خیر میں روز افزوں خیر وبرکت عطا فرمائے اور بالخصوص اس کتاب کے قارئین اور اس کی طباعت میں کسی بھی طرح معاونت کرنے والوں کو دین ودنیا کی نعمتیں وبرکتیں کثرت سے عطا فرمائے، آمین۔

فقط خیر اندیش:

مولانا محمد آصف حسین انصاری غفرلہ

مدرس جامعہ انوار القرآن مدنی مسجد گلشن اقبال بلاک ۵،

۱۴ نومبر ۲۰۱۰ء، ۷ ذی الحج ۱۴۳۱ھ بروز اتوار

تقریظ: اول

نحمده ونصلی علی اشرف الانبیاء والمرسلین واله وصحبه اجمعین.

مولانا محمد امتیاز قادری ''افتاء'' کے حوالے سے دار العلوم غوثیہ میں خدمت انجام دیتے ہیں اور میرے پاس وقتاً فوقتاً دینی رہنمائی کے لیے آتے رہتے ہیں۔ زیر نظر کتاب ''درس عقود رسم المفتی'' طلباء کے لیے اشد ضروری ہے۔ مولانا موصوف نے اس مشکل کو آسان کر دیا کہ ادق عربی کتاب کا آسان ترجمہ کر دیا، ساتھ ہی ضمنی افادہ کا بھی اضافہ کر دیا کہ تخریج وحواشی اور مشکل الفاظ کی وضاحت خوب کی ہے۔ مولانا موصوف تصنیف کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی فرمائے اور اغوائے شیطان سے محفوظ فرمائے۔ میں نے جہاں جہاں سے مطالعہ کیا خوب پایا ہے۔ اہل علم کسی خامی کی جانب توجہ دلائیں گے تو فاضل نوجوان کو ضرور اپنی اصلاح کے لیے کوشش کرتا ہوا پائیں گے۔

از قلم:

حضرت علامہ مفتی محمد اسماعیل ضیائی

شیخ الحدیث ورئیس دار الافتاء دار العوم امجدیہ

تقریظ: ثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد فاضل موصوف مولانا محمد امتیاز قادری کی تصنیف لطیف درباب ''درس عقود رسم المفتی'' ایک قیمتی اور گراں قدر علمی کارنامہ ہے۔ طلباء کے لیے آسانی کا موقع فراہم کیا ہے۔ فاضل موصوف ''افتاء'' کے میدان میں بلند حوصلے اور عالی ہمت سے کام کر رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بڑی محنت وجانفشانی سے کام کیا گیا ہے۔ میں اللہ کی بارگاہ میں فاضل موصوف کے لیے دعا گو ہوں کہ انہیں مزید ہمت، جذبہ، خلوص اور جہد مسلسل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ زمانے میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو محنت کرنا جانتے ہیں اور فاضل نوجوان کے بارے میں میری یہی رائے ہے کہ میں اپنے ادارے میں انہیں ''افتاء'' کے منصب پر اور ان کے ادارے بنام ''فیضان رضاء'' میں محنت کرتے پاتا ہوں۔ اللہ مزید ترقی وعروج نصیب فرمائے

اورانہیں تمام نیک مقاصد میں کامیابی سے ہم کنار فرمائے۔آمین۔

از قلم:

حضرت علامہ مفتی عبدالحلیم ہزاروی

رئیس دارالافتاء وشیخ الحدیث دارالعلوم غوثیہ فرقان آباد

تقریظ:ثالث

الحمد لله وحده لاشريك له والصلوة والسلام على حبيبه الذى لا نبى بعده وعلى اله وصحبه وسلم .

امابعد حضرت علامہ مولانا **محمد امتیاز** قادری زید مجدہ ایک نیک بخت اور مصلح نوجوان ہیں ۔تصنیف وتالیف کا کام مؤثر انداز میں کرر ہے ہیں ۔ان کی کوششیں قابل تعریف ہیں ۔حضرت موصوف کی کتاب ''**درس عقود رسم المفتی**'' کومختلف جگہوں سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی ،دیکھ کر اندازہ ہوا کہ موصوف نے خوب عرق ریزی کی ہے۔ کتاب دلائل و حوالاجات سے مزین ہے۔عربی متن کا اردوترجمہ بہت آسان اور سلیس ہے۔متن **رسم المفتی** کی وضاحت کے لیے مثالیں بھی قائم کی ہیں اور مناسب حد تک تخریج کا کام بھی کیا ہے۔اہل علم کے لیے عموماً اور تخصص فی الفقہ کے طلباء کے لیے خصوصاً ایک عظیم تحفہ ہے۔اللہ عزوجل حضرت کی کاوش کوقبول فرمائے اوراس کتاب کومقبول عام وخواص فرمائے ،آمین۔

راقم الحروف نے مصروفیات کی بناء پر مکمل کتاب کا مطالعہ تونہیں کیا تاہم جتنا بھی پڑھا اس سے موصوف کی محنت نظر آتی ہے۔الصواب من الله والخطاء من الشيطان کی طرف توجہ کرتے ہوئے تقریظ لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

از قلم:

حضرت علامہ مفتی مولانا محمد آصف عبداللہ قادری

خادم جامعہ امام احمد رضا،ادارہ نورالقرآن انٹرنیشنل،

حمزیہ غوثیہ ٹرسٹ، بہارشریعت مسجد،کراچی

مقدمہ

درمختار میں ہے''کل انسان غیر الانبیاء لا یعلم مااراد اللہ تعالی لہ وبہ لان ارادتہ تعالی بالغیب الا الفقہاء فانہم علموا ارادتہ تعالی بہم بحدیث الصادق المصدوق من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین''۔

'' حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے سوا کوئی آدمی نہیں جانتا کہ اللہ جل جلالہ کا اس کے لئے اور اس کے ساتھ کیا ارادہ ہے؟، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارادہ غیب ہے مگر فقہاء کرام جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ اللہ عزوجل کا کیا ارادہ ہے ؟اس لئے کہ صادق ومصدوق ذات جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''جس شخص کے ساتھ اللہ عزوجل بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ دے دیتا ہے''۔علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہاں فقہاء سے مراد وہ علماء ہیں جو کہ اللہ عزوجل کے احکام کا علم رکھنے کے ساتھ ساتھ ان احکام پر عمل بھی کرتے ہیں، بدکردار اور بداعتقاد علماء سوء مراد نہیں ہیں۔علامہ سید عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں کہ علامہ شامی کے اس قول کی تائید امام حسن بصری کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ فقیہ صرف وہی ہے جو دنیا سے اعراض کرتا ہے اور آخرت میں رغبت کرتا ہے''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ،مقدمۃ الکتاب ،ج ۱ ، ص ۱۳۸)

علماء فرماتے ہیں:الفقہ زرعہ عبد اللہ بن مسعود ،وسقاہ علقمہ، وحصدہ ابراہیم نخعی، وداسہ حماد ،وطحنہ ابو حنیفۃ، وعجنہ ابو یوسف ، وخبزہ محمد رحمہم اللہ ،فسائر الناس یأکلون من خبزہ ،وقد نظم بعضہم فقال:الفقہ زرع ابن مسعود، وعلقمۃ حصادہ ثم ابراہیم دواس ،نعمان طاحنہ ،یعقوب عاجنہ محمد خابز ،والآکل الناس . ''فقہ کو حضرت عبداللہ بن مسعود نے کاشت کیا،حضرت علقمہ نے اس کو پانی سے سیراب کیا،حضرت ابراہیم نخعی نے اس کی فصل کاٹی،حضرت حماد نے بھوسی سے دانے نکالے،امام ابوحنیفہ نے چکی میں دانوں کا آٹا بنایا،امام ابو یوسف نے آٹا گوندھا،امام محمد رحمہ اللہ نے روٹیاں پکائیں اور سب لوگوں نے روٹیاں کھائیں''۔

(ردالمحتار علی درمختار ،مقدمۃ الکتاب ،ج ۱، ص ۱۴۱)

☆...... ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے کہ علم حصول فضیلت کا ذریعہ ہے،علم مملوک کو ملوک کی مجالس میں بلند مراتب پر فائز کرتا ہے،اور علماء نہ ہوں تو امراء ہلاک ہوجائیں(المرجع السابق،ص ۱۲۵)

☆...... اللہ ﷻ اپنی پیاری کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل: ۴۳)

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام ﷺ سے لے کر آج تک صاحبان علم کا ایک گروہ موجود رہا ہے جو کہ عوام الناس کے دینی مسائل کو قرآن وحدیث وادلہ اربعہ اور تمام ہی شرائط وضوابط کی روشنی میں تحریری وتقریری فتوی کے ذریعے خدمت سرانجام دے رہا ہے۔

صحابہ کرام کے دور میں مشہور مفتیان کرام:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضی، حضرت بی بی صدیقہ طیبہ طاہرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت معاذ بن جبل ﷺ، اس کے علاوہ اور بھی مفتی صحابہ کرام موجود تھے جن سے اکتساب فیض کیا جاتا تھا۔

تابعین کے دور میں مشہور مفتیان کرام:

حضرت سعید بن مسیب، حضرت حسن بن بصری، عطاء بن ابی رباح، علقمہ بن قیس نخعی، شریح بن حارث قاضی، ابراہیم نخعی، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ علیہم اجمعین اور ان کے علاوہ دیگر تابعین سے یہ خدمت ثابت ہے۔

تبع تابعین میں مشہور مفتیان کرام:

حضرت امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد، ابن ابی لیلیٰ، امام مالک، حماد بن ابوحنیفہ اور دیگر امام اعظم کے اصحاب علیہم الرحمۃ۔

تبع تابعین کے مابعد مشہور مفتیان کرام:

حضرت امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابوجعفر طحاوی، امام شمس الآئمہ ابوبکر بن سہل سرخسی علیہم الرحمۃ وغیرہ۔

شرح عقود رسم المفتی

الحمد اللہ الذی من علینا فی البدایۃ بالھدایۃ و انقذنا من الضلالۃ بمحض

الفیض والعنایة،والصلاة والسلام علی سیدنامحمد الذی ھوالوقایة من الغوایة،وعلی آلہ واصحابہ ذوی الروایةوالدرایة،صلاةوسلامالاغایة لھما ولانھایة،امابعد:فیقول افقرالوری،المستمسک من رحمة مولاہ باوثق العری،محمد امین بن عمرعابدین الماتریدی الحنفی،عاملہ مولاہ بلطفہ الخفی،ھذاشرح لطیف وضعتہ علی منظومتی التی نظمتھافی رسم المفتی، اوضح بہ مقاصدھا،واقیدبہ اوابدھاوشواردھا.اسألہ سبحانہ ان یجعلہ خالصالوجھہ الکریم،موجباللفوزالعظیم، فاقول: وبہ استعین فی کل حین.

تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لیے ہیں جس نے ابتدامیں ہدایت دے کرہم پراحسان فرمایا اورمحض اس نے اپنے **فضل وعنایت** سے ہمیں گمراہی سے بچایااوردرودوسلام ہوں ہمارے سردارمحمد صلی اللہ علیہ وسلم پرجوگمراہی سے بچانے والے ہیں اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل واصحاب پرجو**صاحبانِ روایات ودرایات** ہیں،ایسادرودوسلام ہوجس کی نہ توکوئی غایت اورنہ انتہاء،حمدوصلوۃ کے بعدمخلوق میں سب سے بڑھ کرمحتاج اپنے مولی کی رحمت کے دستے کومضبوطی سے پکڑنے والا**محمدامین بن عمر عابدین الماتریدی حنفی**،مولی تعالیٰ اس کے ساتھ اپنے لطف خفی کا سامعاملہ فرمائے۔یہ ایک عمدہ شرح ہےجس میں ''رسم المفتی'' کےموضوع پراپنی لکھی ہوئی نظم کےمقاصدکوواضح کردیاہےاوراس نظم کے **غیرمانوس اوربد**کے ہوئے مسائل کومیں نے مقید کردیا۔میں اللہ تعالیٰ سے دعاگوہوں کہ وہ اس شرح کوخالص اپنی رحمت کااورعظیم کامیابی وکامرانی کاسبب بنائے،پس میں کہتاہوں اس حال میں کہ میں ہرگھڑی اسی سے مددکاطالب ہوں۔

☆......باسم الالہ شارع الأحکام مع حمدہ ابدأفی نظامی

معبودحقیقی کے نام سےشروع کرتاہوں جواحکام شرعیہ مقررفرمانے والاہےاس کی حمدکرتے ہوئے میں اپنی نظم کی ابتداکرتاہوں۔

☆......ثم الصلاة والسلام سرمدا علی نبی قدأتانا بالھدی

پھردائمی درودوسلام اس عظیم الشان نبی صلی اللہ علیہ وسلم پرجوہمارے پاس ہدایت لےکرتشریف لائے۔

☆......وآلہ واصحابہ الکرام علی ممر الدھر والأعوام

اوران کی آل اوراصحاب ﷺ پر جو بزرگی والے ہیں زمانے اور سالوں کے گزرنے تک۔

☆......(وبعد)فالعبد الفقير المذنب محمد بن عابدين يطلب

اورحمد وصلوۃ کے بعد محتاج و گناہگار بندہ محمد بن عابدین طلب کرتا ہے۔

☆......توفيق ربه الكريم الواحد والفوز بالقبول فی المقاصد

اپنے رب کریم واحد سے توفیقِ (خیر) اور مقاصد مقبول ہوجانے کی کامیابی۔

☆...... وفی نظام جوهر نضيد وعقددر باهر فريد

مرتب جواہرات کو پرونے میں اور منفرد چمکدار موتیوں کا ہار بنانے کی کامیابی میں۔

☆......سميته عقود رسم المفتی يحتاجه العامل اومن يفتی

میں نے اس کا نام شرح عقود رسم المفتی رکھا ہے عامل اور مفتی دونوں کو اس کی حاجت ہوگی

☆......وها أنااشرع فی المقصود مستمنحا من فيض بحر الجود

اللہ عزوجل کے جودوکرم کے سمندر کے فیضان سے انعامات حاصل کرنے کی امید لیے اب میں مقصود کو شروع کرتا ہوں۔

☆......اعلم بان الواجب اتباع ما ترجيحه عن اهله قد علما

جان لیجئے کہ اس قول کی پیروی کرنا واجب ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اسے اہل ترجیح نے راجح قرار دیا ہے۔

☆......او كان ظاهر الرواية ولم يرجحوا خلاف ذاک فاعلم

یا وہ قول ظاہر الروایت کا ہو اور اس کے برخلاف کسی قول کی مشائخ نے ترجیح بیان نہ کی ہو پس اس بات کو جان لیجئے۔

ضمنی فوائد

﴿☆﴾ ظاہر الروایۃ کی شان بیان کرتے ہوئے علامہ شامی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ماخالف ظاهر الرواية ليس مذهبا لاصحابنا یعنی جو ظاہر الروایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہے۔ (رد المحتار علی درمختار، کتاب احیاء الموات ، ج ۱۰،ص ٤)

اسی حوالے سے امامِ اہلسنت نے ارشاد فرمایا: کون نہیں جانتا کہ ھنگام اختلاف میں ظاہر الروایت ہی مرجح ہے، اگرچہ دونوں مذیل بفتوی ہوں۔ بحر الرائق میں ہے کہ

اذااختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاهر الروایة والمرجوح الیها یعنی جب تصحیح اقوال میں اختلاف ہوتو ظاہر الروایت کی تلاش اوراسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

(فتاوی رضویه مخرجه، ج ۱۰، ص ۱۰۳)

حرمة الفتیا بالقول المرجوح

ای ان الواجب علی من اراد ان یعمل لنفسه او یفتی غیره ان یتبع القول الذی رجحه علماء مذهبه فلایجوز له العمل او الافتاء بالمرجوح الافی بعض المواضع ، کما سیأتی فی النظم .

(وقد) نقلوا الاجماع علی ذلک، ففی الفتاوی الکبری للمحقق ابن حجر المکی: " قال فی زوائد الروضة: انه لایجوز للمفتی والعامل ان یفتی او یعمل بماشاء من القولین اوالوجهین من غیر نظر وهذا لاخلاف فیه وسبقه الی حکایة الاجماع فیهما ابن الصلاح والباجی من المالکیة فی المفتی...... وکلام القرافی دال علی ان المجتهد والمقلد لایحل لهما الحکم والافتاء بغیر الراجح ،لانه اتباع للهوی وهوحرام اجماعا، وان محله فی المجتهد مالم تتعارض الادلة عنده ویعجز عن الترجیح وان لمقلده حینئذ الحکم باحد القولین اجماعا"......ا...... انتهی.

مرجوح قول پر فتوی دینا حرام ہے

جو شخص خود عمل کرنا چاہے یادوسرے کوفتوی دینے کاارادہ رکھتاہواس پر اس قول کی پیروی کرناواجب ہے جسے اس کے مذہب کے علماء نے راجح قراردیاہے،سوائے بعض مقامات کے(جس کی وضاحت شارح نے شعرنمبر ۷۰،۷۱میں کی ہے)،مرجوح قول (۱) پرعمل کرنایافتوی دیناجائزنہیں ہے مگربعض مواقع پر، جیساکہ عنقریب نظم میں آئے گا۔اور تحقیق علماء نے اس پر (یعنی مرجوح قول پرعمل کرنے یافتوی دینے کےعدم جواز پر) اجماع نقل کیاہے محقق ابن حجرمکی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے فتاوی کبری میں ہے کہ صاحبِ زوائد الروضہ نے فرمایا'' مفتی یاعامل کے لئے دوقول یادووجہوں (۲) میں بغیرنظروفکر کئے جس پرچاہےفتوی دینایاعمل کرلیناجائزنہیں ہے۔

اوراس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور مفتی اور عامل کے بارے میں اجماع نقل کرنے کی طرف ابن صلاح علیہ الرحمۃ نے اور مفتی کے بارے میں علامہ باجی مالکی علیہ الرحمۃ نے اجماع نقل کرنے کی طرف سبقت کی ہے۔ علامہ قرافی علیہ الرحمۃ کا کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مجتہد (۳) اور مقلد (۴) کے لئے مرجوح قول کے ساتھ فیصلہ کرنا یا فتوی دینا حرام ہے کیونکہ مرجوح قول پر عمل نفسانی خواہش کی پیروی ہے اور (خلافِ شرع) نفسانی خواہش کی پیروی بالاجماع حرام ہے

ضمنی فوائد

ا......الفتاوی الکبری الفقهیة لابن حجر المکی ،کتاب النکاح ،باب القضاء ،بحواله شامله۔

(۱) جیسے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا قول ہونے کے باوجود امام محمد کے قول پر فتوی دینا جبکہ اس کی تصحیح نہ کی گئی. یونہی ظاہر الروایۃ کے برخلاف روایتِ نادرہ پر فتوی دینا جبکہ اس کی تصحیح بھی نہ کی گئی ہو.

(مسودہ ص:۱۸ (طحطاوی علی الدر المختار،ج:۱،ص:۵۰)

(۲) احناف لفظ ''روایت'' امام اعظم اور صاحبین کے لیے بالعموم اور امام اعظم کے لیے بالخصوص استعمال کرتے ہیں جبکہ دیگر فقہائے احناف کے لیے لفظ ''قول'' استعمال کرتے ہیں جبکہ شوافع کی اصطلاح یہ ہے کہ امام شافعی سے منقول مسئلہ کو ''روایت'' اور دیگر فقہائے شوافع سے منقول مسائل کو ''وجوہ'' سے تعبیر کرتے ہیں پس شرح عقود کی جس عبارت میں لفظ ''وجوہ'' آئے گا تو یہ اس طرف اشارہ ہوگا کہ یہ عبارت شوافع کی ہے۔

(۳) ''اجتہاد'' کا لغوی معنی کوشش کرنا ہے جب کہ اصطلاحی معنی کسی ظنی حکم شرعی کو حاصل کرنے کے لیے فقیہ کا اپنی قوت خرچ کرنا۔ (التعریفات ،ص ۱٤ ،فواتح الرحموت:ج۲،ص ٤٠٤)

مجتہد کی تعریف: مجتہد وہ شخص ہوتا ہے جو کتاب وسنت کی عبارت النص ،اشارۃ النص ،دلالۃ النص اور اقتضاء النص کا اور کتاب وسنت کے ناسخ ومنسوخ کا مکمل علم رکھتا ہو نیز شرائطِ قیاس ،اجماعی مسائل اور اقوالِ صحابہ کا بھی علم رکھتا ہو۔ (فتح القدیر:ج۵ ،ص۳٦۲)

(۴) تقلید کا لغوی معنی: تقلید گردن میں ہار ڈالنے کو، کسی پر کسی منصب کی ذمہ داری ڈالنے کو، نیز کسی شے کا احاطہ کر لینے کو کہتے ہیں۔ (المفردات القرآن للراغب ملخصًا،ص ٤۱۱)

تقلید کا اصطلاحی معنی خود علامہ شامی نے بیان فرمایا ہے۔

☆ آج حالات بڑے ناگفتہ بہ ہیں، صاحب زوائد الروضۃ نے کہا ہے کہ مفتی یا عامل کے لئے دو وجہوں میں غور وفکر کئے بغیر فتوی دینا یا عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں لوگ مختلف علماء ومفتیان کرام سے مسئلے پوچھتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ فلاں مفتی صاحب کے جواب میں کچھ آسانی ہے اس لئے ہم تو ان کے جواب پر عمل کریں گے یا اس لئے کہ ان کی غرض کے موافق فتوی مل جائے اور اس پر عمل کریں۔ یہ درحقیقت شریعت پر عمل کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے نفس کی پیروی ہے اور بالاجماع ناجائز ہے۔ (آداب فتوی، ص ٤٥)

(وقال) الامام المحقق العلامة قاسم بن قطلوبغافی اول کتابه تصحیح القدوری: " انی رأیت من عمل فی مذهب ائمتنا رضی الله عنهم بالتشهی حتی سمعت من لفظ بعض القضاة هل ثم حرج فقلت نعم اتباع الهوی حرام والمرجوح فی مقابلة الراجح بمنزلة العدم، والترجیح بغیر مرجح فی المتقابلات ممنوع" ۔وقال فی کتاب الاصول للیعمری: من لم یطلع علی المشهور من الروایتین او القولین فلیس له التشهی والحکم بماشاء منهما من غیر نظر فی الترجیح .

امام محقق علامہ قاسم بن قطلو بغا نے اپنی کتاب "تصحیح القدوری" کی ابتداء میں فرمایا: (۱) "بلاشبہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا جو ہمارے آئمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے مذہب پر نفسانی خواہش کے ساتھ عمل کرتے، حتی کہ میں نے خود بعض قاضیوں کی زبانی سنا کہ مرجوح قول پر فتوی دینے میں کیا حرج ہے؟ پس میں نے جواب دیا ہاں (حرج ہے) نفسانی خواہش کی پیروی کرنا حرام ہے (۲) اور راجح قول کے مقابلے میں مرجوح قول کالعدم ہے اور متقابلات (یکساں قوت کے حامل مختلف اقوال) میں بغیر کسی مرجح کے ترجیح دینا ممنوع ہے۔

اور یعمری نے "کتاب الاصول" میں لکھا ہے: "جو دو مشہور روایتوں اور اقوال میں ترجیح پر مطلع نہ ہو تو اس کے لئے ترجیح میں نظر کئے بغیر دونوں میں سے جس قول کو چاہے اپنی خواہش سے اختیار کر لینے اور اس کے مطابق حکم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ضمنی فوائد:

(ا) علامہ قاسم ہی نے اپنی فتاوی میں فرمایا: ''مقلد قاضی کے لیے ضعیف قول کے مطابق فیصلہ کرنا ناجائز ہے کیونکہ وہ اہلِ ترجیح میں سے نہیں ہے پس اس کا صحیح قول سے عدول کرنا کسی برے مقصد کے پیشِ نظر ہی ہوگا اور رہی یہ بات کہ ضعیف قول قضاء کے سبب سے قوی ہو جاتا ہے تو یہاں قضاء سے مراد مجتہد کی قضاء ہے۔ ابنِ غرس نے فرمایا: اور رہا مقلد محض تو وہ اسی قول کے مطابق فیصلہ دے گا جس پر عمل اور فتوی ہو.

صاحبِ البحر نے اپنے ایک رسالہ میں فرمایا: رہا مقلد قاضی تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مذہب کے صحیح مفتی بہ قول کے مطابق فیصلہ کرے اور قولِ ضعیف پر فیصلہ کرنے کی صورت میں اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ (فتاوی رضویه مخرجه، ج:۲۳، ص:۹۹، ۹۸)

(۲) صاحبُ البحر نے فرمایا: فتوی نویسی میں تساہل سے کام لینا اور اغراضِ فاسدہ کے پیشِ نظر حیلوں کی پیروی کرنا حرام ہے۔ (البحر الرائق، کتاب القضاء، فصل فی المفتی، ج٦، ص ٣٨٥)

(وقال) الامام ابو عمرو فی آداب المفتی: "اعلم ان من یکتفی بان یکون فتواه او عمله موافقا لقول او وجه فی المسئلة ویعمل بماشاء من الاقوال والوجوه من غیر نظر فی الترجیح فقد جهل وخرق الاجماع"۔ **(وحکی)** الباجی انه وقعت له واقعة فافتوا فیها بما یضره فلما سألهم قالوا: ماعلمنا انها لک وافتوه بالروایة الاخری التی توافق قصده، قال الباجی: وهذا لاخلاف بین المسلمین ممن یعتد به فی الاجماع انه لایجوز.

اور امام **ابوعمرو** علیہ الرحمۃ نے آداب المفتی میں فرمایا: ''جان لیجئے جو حضرت اسی پر اکتفاء کرتے ہیں کہ ان کا فتوی یا ان کا عمل مسئلہ کے بارے میں کسی بھی قول یا وجہ کے موافق ہو جائے اور ترجیح میں نظر کئے بغیر جس قول یا وجہ پر چاہتے ہیں عمل کر لیتے ہیں وہ جاہل ہیں اور اجماع کو توڑنے والے ہیں۔ علامہ باجی نے نقل کیا: ''انہیں ایک مسئلہ در پیش آیا مفتیوں نے اس قول کے مطابق فتوی دیا جو آپ کے لئے مضر تھا پھر جب آپ علیہ الرحمۃ نے خود وہ مسئلہ ان حضرات سے دریافت کیا تو وہ بولے ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ مسئلہ آپ کو لاحق تھا اور پھر انہوں نے دوسری

روایت پر فتوی دیا جو کہ علامہ باجی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے موافق تھا۔ باجی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جن مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے ان میں سے کسی کو اس حرکت کے ناجائز ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔(ا)

ضمنی فوائد:

(ا) صاحبِ البحر نے فرمایا: مفتی کے لیے حصولِ منفعت یا مالِ دنیا کی آس پر قولِ متروک پر فتوی دینا جائز نہیں۔(البحر الرائق، کتاب القضاء، فصل فی المفتی والمستفتی، ج٦، ص٣٨٧)

﴿الفرق بين المفتى و القاضى﴾

قال فی اصول الاقضیۃ :"ولافرق بین المفتی والحاکم الا ان المفتی مخبر بالحکم والقاضی ملزم به انتهی. ثم نقل بعده: واما الحکم والفتیا بما هو مرجوح فخلاف الاجماع، وسیأتی ما اذا لم یوجد ترجیح لاحد القولین.......[۱]۔

مفتی اور قاضی میں فرق :

اصولِ الاقضیۃ میں مؤلف نے فرمایا" حاکم اور مفتی کے درمیان کچھ فرق نہیں اگر ہے تو اتنا کہ مفتی حکم شرعی سے آگاہ کرتا ہے اور قاضی (ا) اس فیصلہ کو نافذ کرتا ہے (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ پھر اس کے بعد نقل کیا کہ مرجوح قول کے مطابق فیصلہ سنانا، فتوی دینا اجماع کے خلاف ہے اور اس صورت کا بیان عنقریب آئے گا جب کہ دو اقوال میں سے کسی ایک کو راجح قرار نہ دیا گیا ہو۔

ضمنی فوائد

[۱]...... درر الحکام شرح غرر الاحکام، کتاب القضاء، باب ماتقضی فیه المراة، ج۲، ص ٤٠٩

(ا) قضاء کا لغوی معنی: حکم کرنا، ہے جب کہ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ موجودات کے حوالے سے وہ احکام الٰہیہ جو ازل سے ابد تک جاری ہوتے ہیں جب کہ فقہاء کی اصطلاح میں کسی سبب سے واجب کی مثل تسلیم کرنا قضاء کہلاتا ہے۔ (التعریفات، ص ١٧٧)

امامِ اہلسنت فرماتے ہیں: یہی وجہ ہے مفتی اصل صحت (یعنی حقیقتِ حکمِ شرع) پر عمل کرے اور شرائط صحت کا احتمال مان کر فتوی دے تو قاضی جس کی نظر صرف ظاہر پر مقتصر ہے اور

احتمالات بعیدہ کا لحاظ اس کے منصب سے جدا بات ہے تو وہاں اصل پر نظر رکھنا اولی واحق ہے۔

(فتاوی رضویہ مخرجہ، ج۱۷، ص۲۵۹)

طبقات الفقهاء الحنفية

وقولي :عن اهله ای اهل الترجيح اشارة الى انه لايكتفى بترجيح اى عالم كان". (فقد)قال العلامة شمس الدين محمد بن سليما ن الشهير بابن كمال باشا فى بعض رسائله: لا بد للمفتى المقلد ان يعلم حال من يفتى بقوله ولا نعنى بذلك معرفته باسمه ونسبه ونسبته الى بلد من البلاد، اذ لا يسمن ذلك ولا يغنى بل معرفته فى الرواية ودرجته فى الدراية وطبقته من طبقات الفقهاء ليكون على بصيرة وافية فى التمييز بين القائلين المتخالفين وقدرة كافية فى الترجيح بين القولين المتعارضين. فنقول ان الفقهاء على سبع طبقات :

فقہائے احناف کے (سات) طبقات

میں نے شعر میں کہا تھا "عن اهله" اس سے مراد اہل ترجیح ہیں اس قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ ہر عالم کی ترجیح کفایت نہیں کرے گی بلکہ عالم کا اہل ترجیح سے ہونا ضروری ہے۔ علامہ شمس الدین محمد بن سلیمان جو ابنِ کمال پاشا کے لقب سے مشہور ہیں انہوں نے اپنے بعض رسائل میں لکھا "مقلد مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس فقیہ کے قول پر فتوی دے رہا ہے اس کے احوال جانتا ہو، احوال جاننے سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ اس فقیہ کا نام، نسب، اور اس کے شہر کا نام جانتا ہو کیونکہ ان امور کی معرفت مفید نہیں اور نہ ہی کچھ کارآمد ہے بلکہ مقلد مفتی جانتا ہو کہ روایت کرنے میں اس کی معرفت کیسی ہے اور درایت میں اس کا درجہ کیا ہے؟ اور طبقات فقہاء میں سے وہ جس درجہ میں ہے مفتی اس کے طبقہ کو جانتا ہو، تاکہ اسے مختلف اقوال کے قائلین کے درمیان تمیز کرنے پر خوب بصیرت ہو جائے (۱) اور دو متعارض اقوال کے درمیان ترجیح دینے کی بقدرِ کفایت قدرت حاصل ہو جائے پس ہم کہتے ہیں کہ فقہاء کے سات طبقات ہیں......

ضمنی فوائد

(۱) علامہ یوسف بن ابی سعد بن احمد سجستانی حنفی نے فرمایا: کسی شخص کو اس وقت تک فتوی نہیں دینا

چاہیے جب تک وہ علماء کے اقوال اور ان اقوال کے ماخذ، عرف، نیز لوگوں کے معاملات کی معرفت حاصل نہ کرلے۔ (منیۃ المفتی، ص:۳۹۲)

اسی بات کو امام اہلسنت نے یوں تعبیر فرمایا ہے: تفقہ فقط کتاب سے عبارت دیکھ لینے اور لفظی ترجمہ سمجھ لینے کا نام نہیں بلکہ مقصد شرع کا ادراک اور احوالِ بلاد و عباد پر نظر رکن اعظم تفقہ ہے۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ، ج۱۱، ص۲۶۳)

(الاولی) طبقة المجتهدين فی الشرع كالائمة الاربعة ومن سلك مسلكهم فی تأسيس قواعد الاصول واستنباط أحكام الفروع عن الأدلة الاربعة من غير تقليد لأحد لا فی الفروع ولا فی الأصول .

پہلا طبقہ مجتہدین فی الشرع کا ہے جیسا کہ ائمہ اربعہ(۱) اور وہ حضرات جو اصولِ فقہ کے قواعد اور فروع و اصول میں بغیر کسی کی تقلید کئے دلائل اربعہ سے فروعی احکامات کے استنباط کی بنیاد قائم کرنے میں ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے راستے پر چلے۔

ضمنی فوائد

(۱) ~~ادلہ اربعہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کو کہتے ہیں۔~~ یہاں دوسرے ائمہ مراد ہیں

امام اوزاعی، امام طبری، امام لیث بن سعد وغیرہ کا شمار بھی اس طبقہ میں ہوتا ہے۔

(تتارخانیہ، ج۱، ص۲۱)

(الثانية) طبقة المجتهدين فی المذهب كابی يوسف، محمد وسائر اصحاب ابی حنيفة القادرين علی استخراج الاحكام عن الادلة المذكورة علی حسب القواعد التی قررها استاذهم، فانهم وان خالفوه فی بعض احكام الفروع لكنهم يقلدونه فی قواعد الاصول .

دوسرا طبقہ مجتہد (۱) فی المذہب کا ہے جیسا کہ امام ابو یوسف، امام محمد، اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دیگر وہ شاگرد جو اپنے استاد مکرم کے مقرر کردہ قواعد کے مطابق ادلہ اربعہ سے احکامات کے استخراج کی قدرت رکھتے ہیں۔ ان حضرات نے اگرچہ بعض فروعی احکامات میں امام اعظم علیہ الرحمۃ سے

اختلاف کیا ہے لیکن اصول فقہ کے قواعد میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کے مقلد ہیں۔

ضمنی فائدہ

(ا) علامہ ابنِ نجیم مصری حنفی علیہ الرحمۃ اللہ القوی نے فرمایا: امام اعظم (یعنی مجتہد مطلق خواہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ ہوں یا امام مالک وشافعی واحمد بن حنبل علیہم الرحمۃ) کی طرف منسوب حضرات کے دوطبقات ہیں۔(ا) عوام (۲) مجتہد۔ یہ یادرہے کہ مجتہد غیر کی تقلید نہیں کرتے اگران کا اجتہاد امام صاحب کے اجتہاد کے مطابق ہوفبہا ورنہ اجتہاد میں اختلاف رونما ہونے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور رہا وہ شخص جو منصبِ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو لیکن اپنے امام کے اصول سے واقف ہو غیر منصوص مسائل کو مسائل منصوصہ پر قیاس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو ایسا شخص فی نفسہ مقلد (محض) نہیں بلکہ یہ واسطہ ہے اگر صاحبِ مذہب کسی حکم اور علت کے مطابق مسئلہ کی تصریح کریں تو اس حکم اور علت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے یہ شخص غیر منصوص مسئلہ کو اس منصوص مسئلہ کے ساتھ ملحق کرسکتا ہے اور اگر امام صاحبِ مذہب نے فقط حکم پر نص کی ہو تو اس شخص کے لیے مسئلہ کی علت کو مستنبط کرنا اور قیاس کرنا جائز ہوگا اور اس صورت میں وہ یوں کہے گا: یہ مسئلہ ہمارے امام کے مذہب کے قیاس کے مطابق ہے اور اگر دو مشتبہ امور کے بارے میں امام کی نص میں اختلاف ہو تو اس کے لیے دونوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینا جائز ہوگا۔

(البحر الرائق ، کتاب القضاء ،فصل فی المفتی والمستفی ج٦،ص٣٨٤)

(الثالثة) طبقة المجتهدين فی المسائل التی لارواية فيها عن صاحب المذهب كالخصاف وابی جعفر الطحاوی وابی الحسن الكرخی وشمس الائمة الحلوانی وشمس الائمة السرخسی وفخر الاسلام البزدوی وفخر الدين قاضی خان وغيرهم، فانهم لايقدرون علی مخالفة الامام لافی الاصول ولا فی الفروع لكنهم يستنبطونه الاحكام من المسائل التی لانص فيها عنه علی حسب اصول قررها ومقتضی قواعد بسطها.

تیسرا طبقہ **مجتهدين فی المسائل** کا ہے یہ حضرات ان مسائل میں جس میں امامِ مذہب سے روایت منقول نہ ہو اجتہاد کرتے ہیں جیسا کہ **امام خصاف، ابوجعفر طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ**

حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خان رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ۔ یہ حضرات نہ تو اصول میں اور نہ ہی فروع میں امام اعظم علیہ الرحمۃ سے اختلاف کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، لیکن یہ حضرات امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کے مقرر کردہ اصول اور ان کے تفصیلی قواعد کے تقاضے کے مطابق ان مسائل کے احکامات مستنبط کرتے ہیں جن کے بارے میں امام اعظم علیہ الرحمۃ سے کوئی نص منقول نہ ہو۔

(الرابعة) طبقة اصحاب التخريج من المقلدين كالرازى واضرابه، فانهم لايقدرون على الاجتهاد اصلا لكنهم لاحاطتهم بالاصول وضبطهم للمأخذ، يقدرون على تفصيل قول مجمل ذى وجهين وحكم محتمل لا مرين منقول عن صاحب المذهب، او عن احد من اصحابه المجتهدين برأيهم ونظرهم فى الاصول والمقايسة على امثاله ونظائره من الفروع، وما وقع فى بعض المواضع من الهداية من قوله كذا فى تخريج الكرخى وتخريج الرازى من هذا القبيل .

چوتھا طبقہ مقلدین اصحاب تخریج کا ہے جیسے امام رازی اور ان کی مثل علماء رحمہم اللہ۔ یہ حضرات اصلاً اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے لیکن چونکہ مذہب کے اصول وقواعد کو ان کا علم محیط ہوتا ہے اور مسائل کا ماخذ ان کی یادداشت میں ہوتا ہے۔ اس بناء پر وہ کسی مجمل قول جو دو صورتیں رکھتا ہو یا ایسا حکم جو دو امور کا احتمال رکھتا ہو صاحبِ مذہب یا ان کے کسی مجتہد شاگرد سے منقول ہو تو ایسی صورت میں وہ اصول مذہب میں نظر کرکے دیگر فروعی امثال اور نظائر پر اس کو قیاس کرکے تفصیل بیان کردیتے ہیں جیسا کہ ھدایۃ کے بعض مقامات پر یہ معاملہ پیش آتا ہے تو صاحبِ ہدایۃ کہتے ہیں کذافی تخریج الکرخی و تخریج الرازی یہ اسی قبیل سے ہوتا ہے۔

ضمنی فائدہ

صاحب تتارخانیہ نے چوتھا طبقہ اصحاب ترجیح کا مانا ہے اور اس طبقے کے بارے میں باقی تفصیلات وہی ہیں جو کہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے تحریر کی ہیں۔

(الخامسة) طبقة اصحاب الترجيح من المقلدين كابى حسن القدورى

وصاحب الهداية وامثالهما، وشانهم تفضيل بعض الروايات على بعض آخر بقولهم هذا اولى، وهذااصح رواية ،وهذااوضح، وهذا اوفق للقياس، وهذا ارفق للناس .

پانچواں طبقہ مقلدین اصحاب ترجیح (۱) کا ہے جیسا کہ ابوالحسن قدوری اورصاحبِ ھدایہ وغیرہ،ان حضرات کا کام بعض روایتوں کودیگر بعض پر اپنے اِن اقوال کے ذریعے ترجیح دینا ہے (مثلا) یہ اولی ہے، یہ صحیح ترین روایت ہے، یہ واضح ترین روایت ہے، یہ روایت قیاس کے زیادہ موافق ہے ،اس روایت میں لوگوں کے لئے زیادہ آسانی ہے۔

ضمنی فائدہ

(۱) کیونکہ ان حضرات کا کام متون کووضع کرنا ہوتا ہے اورشانِ متون یہ ہے امام اہلسنت نے فرمایا:متون کہ خاص نقلِ مذہب صحیح ومعتمد کے لیے وضع کئے جاتے ہیں۔

(فتاوی رضویه مخرجه،ج:۱۲،ص:۱۰۶)

صاحب تتارخانیہ فرماتے ہیں کہ اس طبقے اورسابقہ طبقے میں بہت دقیق فرق ہے جوکہ بیان نہیں ہوسکتا۔

(السادسة) طبقه المقلدين القادرين على التمييز بين الاقوى والقوى والضعيف وظاهر الروايةو ظاهر المذهب والرواية النادرة كاصحاب المتون المعتبرة كصاحب الكنز وصاحب المختار وصاحب الوقاية وصاحب المجمع وشانهم ان لاينقلوا فى كتبهم الاقوال المردودة والروايات الضعيفة .

(السابعة) طبقة المقلدين الذين لايقدرون على ماذكر ولا يفرقون بين الغث والسمين ولا يميزون الشمال من اليمين بل يجمعون ما يجدون كحاطب ليل، فالويل لمن قلدهم كل الويل انتهى، مع حذف شى يسيروستأتى بقية الكلام فى ذلک.

چھٹاطبقہ: ان مقلدین علماء کاہے جو اقوی،قوی اورضعیف اقوال کے درمیان اور ظاہرالروایت ،ظاہرالمذہب ،اورنوادرالروایت کے درمیان فرق کرنے کی قدرت رکھتے ہیں جیسا کہ صاحب

الکنز، صاحب المختار، صاحبِ وقایہ، صاحبِ مجمع ان حضرات کا کام یہ ہے کہ اپنی کتب میں اقوالِ مردودہ اور روایتِ ضعیفہ کو نقل نہ کریں۔

ساتواں طبقہ ان مقلدین کا ہے جو مذکورہ امور میں سے کسی کام کی قدرت نہیں رکھتے، کھوٹے اور کھرے کے درمیان فرق نہیں کر سکتے، دائیں اور بائیں میں تمیز نہیں کر سکتے بلکہ انہیں جو مل جاتا ہے اسے جمع کر لیتے ہیں۔ ان کی مثال رات میں ایندھن جمع کرنے والے کی ہے تو جو لوگ ایسوں کی پیروی کریں گے ان کے لئے مکمل ہلاکت و بربادی ہے (کچھ باتوں کے حذف کے ساتھ ان کا کلام مکمل ہوا) اس حوالے سے بقیہ کلام عنقریب آئے گا۔

لا بد من التحقيق والتنقيح قبل الافتاء

وفی آخر الفتاوى الخيرية :"ولاشک ان معرفة راجح المختلف فيه من مرجوحه ومراتبه قوة وضعفاهو نهاية آمال المشمرين فی تحصيل العلم فالمفروض علی المفتی والقاضی التثبت فی الجواب وعدم المجازفة فيهما خوفا من الافتراء علی الله تعالی بتحريم حلال وضده ،ويحرم اتباع الهوی والتشهی والميل الی المال الذی هو الداهية الكبری والمصيبة العظمی، فان ذلک امر عظيم لايتجاسر عليه الا كل جاهل شقی"......ا ه...... انتهی .

افتاء سے پہلے تحقیق اور تنقیح ضروری ھے

فتاوی خیریہ کے آخر میں ہے: "کوئی شک نہیں کہ مختلف فیہ کی معرفت کے حوالے سے راجح مرجوح کو پہچاننا، ضعیف وقوی اقوال کو جاننا، علم فقہ کو حاصل کرنے کے لئے اپنے پائینچے چڑھانے والوں کی امیدوں کی انتہاء ہے۔ مفتی اور قاضی پر مسئلہ کے جواب میں تحقیق کرنا لازم ہے اور حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھرا کر اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھنے سے ڈرتے ہوئے فتوی کے حوالے سے بے تکی باتیں نہ کرے، اپنی دلی خواہش کی پیروی اور نفسانی آرزو کی پیروی کرنا اور مال کی طرف مائل ہونا (کہ مالدار کی خواہش کے مطابق فتوی دے) حرام ہے کیونکہ مال بہت بڑی آفت اور زبردست مصیبت ہے۔ پس بلاشبہ فتوی نویسی ایک امر عظیم ہے (بغیر علم کے) فتوی نویسی کی جرأت ہر جاہل و بدبخت ہی کرے گا(۱)۔

ضمنی فوائد

......۱......الفتاوی الخیریه علی هامش الفتاوی تنقیح الحامدیه ، مسائل شتی ،ج۲،ص ۲۵۸۔

(۱) بغیر علم کے فتوی دینے کی احادیث مبارکہ میں بڑی مذمت آئی ہے چنانچہ،

/☆/ سید عالم ﷺ کا فرمان دلنشین ہے کہ ''**اجرأکم علی الفتیا اجرأکم علی النار**'' یعنی جو فتوی دینے میں زیادہ جری ہے وہ آتش دوزخ پر زیادہ دلیر ہے۔

(کنزا لعمال، ج۱۰،ص۱۸٤،رقم ۲۸۹٦۱)

/☆/ ''**من قال فی القرآن برأیه فاصاب فقد اخطاء**'' یعنی جس نے قرآن کے معاملے میں اپنی رائے داخل کی اگر اس نے ٹھیک کہا تو بھی غلط کہا۔ (کنزا لعمال، ج۲،ص۱٦،رقم۲۹۵۷)

/☆/ ''**من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوّأ مقعده من النار**''، یعنی جس نے بغیر علم کے قرآن کے معنی کہے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ بنالے۔ (کنزا لعمال، ج۲،ص۱٦،رقم ۲۲۵۸)

﴿عدم جواز الافتاء بمراجعة كتاب او كتب مختصرة﴾

(قلتُ)فحيث علمت وجوب اتباع الراجح من الاقوال وحال المرجح له تعلم انه لاثقة بمايفتى به اكثر اهل زماننا بمجرد مراجعة كتاب من الكتب المتأخرة خصوصاغير المحررة كشرح النقاية للقهستانى والدر المختاروالاشباه والنظائر ونحوها فانها لشدة الاختصارو الايجاز كادت تلحق بالألغاز مع مااشتملت عليه من السقط فى النقل فى مواضع كثيرة وترجيح ماهو خلاف الراجح بل ترجيح ماهو مذهب الغير ممالم يقل به احد من اهل المذهب .

کسی ایک کتاب کو دیکھ کریا، کتبِ مختصرہ سے دیکھ کرفتوی نہ دیا جائے !

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں کہ جب آپ نے جان لیا کہ مختلف اقوال میں سے راجح قول کی پیروی واجب ہے اور ترجیح دینے والے کا حال بھی آپ جان چکے، تو جان لیجئے کہ ہمارے اکثر اہل زمانہ متاخرین علماء کی غیر مستند کتابوں سے رجوع کر کے فتوی دیتے ہیں جیسا کہ قھستانی کی شرح نقایہ ،درمختار اور الاشباہ و النظائر وغیرہ تو ان کے فتوی کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ یہ کتابیں انتہائی مختصر

ہونے کی وجہ سے پہلیوں کے ساتھ ملحق کی جاسکتی ہیں،اس کے ساتھ ساتھ ان کتب میں بہت سے مقامات پر نقل میں کئی الفاظ چھوٹ گئے ہیں۔ان کتب میں مرجوح قول کو راجح قرار دیا گیا ہے (ا) بلکہ مذہب غیر کو بھی راجح قرار دیا گیا ہے جس کا کوئی بھی اہل مذہب قائل نہیں ہے۔

ضمنی فوائد

(ا) ایسی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ جن میں مرجوح قول کو راجح قرار دیا گیا ہے یا عبارات مغلق ہیں جن کی وجہ سے مسئلہ کو سمجھنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔اب بے غُسلے کے حق میں تفاسیر کو چھونے کا مسئلہ لے لیجئے،تنویر الابصار اور درمختار کی عبارات میں اتنا اختصار ہے کہ علامہ شامی قدس سرہ السامی کا وضاحتی حاشیہ ہٹادیا جائے تو بات واضح نہیں ہو پاتی،

(والتفسير كمصحف لا الكتب الشرعية) فانه رخص مسها باليد لا التفسير كما فى الدرر عن مجمع الفتاوى .

علامہ شامی قدس سرہ السامی کی عبارت یہ ہے:" ظاهره حرمة المس كما هو مقتضى التشبيه ،وفيه نظر، اذلا نص فيه بخلاف المصحف ،فالمناسب التعبير بالكراهة كما عبر غيره ". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة ،مطلب يطلق الدعاء ،ج١، ص ٣١٩)

﴿كتب الغريبة والضعيفة﴾

"ورأيت فى اوائل شرح الاشباه للعلامة محمد هبة الله قال:" ومن الكتب الغريبة منلامسكين شرح الكنز والقهستانى لعدم الاطلاع على حال مؤلفيهما، او لنقل الاقوال الضعيفة كصاحب القنية ،او لاختصار كالدرالمختار للحصكفى والنهر والعينى شرح الكنز" .قال شيخنا صالح الجينينى: "انه لايجوز الافتاء من هذه الكتب الااذا علم المنقول عنه والاطلاع على مأخذها هكذا سمعته منه وهو علامة فى الفقه مشهور والعهدة عليه انتهى.

کتب غریبه اور ضعیفه کا بیان

میں (علامہ شامی) نے علامہ محمد ہبۃ اللہ کی شرح الاشباہ کی ابتداء میں لکھا دیکھا آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا:"غیر مانوس کتب میں منلامسکین شرح کنز الدقائق اور قہستانی ہیں

کہ ان دونوں کتابوں کے مؤلف کا حال معلوم نہیں۔ صاحب قنیۃ (۱) کی تمام ہی کتب کہ وہ اقوال ضعیفہ کو نقل کرتے ہیں، یوں ہی علامہ حصکفی کی در مختار، اسی طرح نہر الفائق اور علامہ عینی کی رمز الحقائق جو کہ شروحات کنز الدقائق میں سے ہیں، اپنے اختصار کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ہیں۔ (۲) ہمارے شیخ صالح جینینی نے ارشاد فرمایا: ''ان کتب سے فتوی دینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک ان کے منقول عنہ کا علم نہ ہو جائے اور اس کے اصل ماخذ تک رسائی نہ ہو جائے، میں نے یہ بات ان سے سنی اور شیخ جینینی کا علامۃ الفقہ ہونا مشہور ہے اور ان کے اس قول کی ذمہ داری انہی پر ہے (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فوائد

(۱) صاحبِ قنیہ سے مراد زاہدی معتزلی ہے، امام اہلسنت فاضل بریلوی نے فرمایا: زاہدی معتزلی ہے ثقہ اور غیرِ ثقہ ہر قسم کی روایات نقل کرنے میں بھی مشہور ہے اور روایت اور درایت کے لحاظ سے غیر معتمد علیہ باتوں کو نقل کر دیتا ہے جیسا کہ اربابِ درایت نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

(فتاوی رضویہ مخرجہ، ج ۱۳، ص ۶۴۲)

امام اہلسنت فاضل بریلوی نے نقل فرمایا: ''العقود الدریۃ'' میں ہے: ابنِ وھبان نے ذکر کیا ہے کہ صاحبِ قنیہ یعنی زاہدی خلافِ قواعد جو نقل کرے اس کی جانب التفات نہ ہوگا جب تک کسی اور شے سے کوئی نقل اس کی تائید میں نہ ملے۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ، ج:۹، ص:۲۵۴)

(۲) علامہ سیّد احمد حموی ''غمزۃ العیون و البصائر شرح الاشباہ والنظائر'' میں محقق بحر صاحبِ بحر الرائق سے ناقل: ''غیر مشہور کتبِ غریبہ سے نقل (نقلِ فتوی) جائز نہیں ہے. فتح القدیر و بحر الرائق و نہر الفائق و منح الغفار وغیرہا میں ہے: اگر ہمارے زمانے میں نوادر کا کوئی نسخہ پایا جائے تو اس میں جو کچھ ہے اسے امام ابو یوسف یا امام محمد کی طرف نسبت کرنا حرام ہے اس لیے کہ وہ کتاب ہمارے زمانے میں یہاں مشہور و متداول نہیں، ہاں! نوادر سے اگر مثلاً ھدایہ یا مبسوط جیسی مشہور و معروف کتاب میں نقل ہو تو اس نقل کا ماننا اس مشہور کتاب کے اعتماد پر ہوگا۔

(فتاوی رضویہ مخرجہ، ج ۲۲، ص ۴۹۱)

﴿لابد من المراجعة الى المأخذ الاصلی﴾

(قلت) وقد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابامن کتب المتأخرین ویکون القول خطأ،اخطأبه اول واضع له فیأتی من بعده وینقله عنه وھکذا ینقل بعضھم عن بعض ،کما وقع ذلک فی بعض مسائل مایصح تعلیقه ومالایصح کما نبه علی ذلک العلامة ابن نجیم فی البحر الرائق ......[1]۔

اصل ماخذ کی جانب رجوع ضروری ھے

میں (علامہ شامی) کہتاہوں بسا اوقات ایک قول کی نقل پر متاخرین کی بیس کتب متفق ہوتی ہیں حالانکہ وہ قول مبنی بر خطا ہوتا ہے پہلے ناقل سے خطا ہوجاتی ہے،اس کے بعد آنے والے حضرات اس قول کو انہی کے حوالے سے نقل کردیتے ہیں اور اس طرح یہ قول ایک سے دوسرے کی طرف نقل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ بعض ان مسائل میں یہ معاملہ پیش آیا جن کی تعلیق شرعا درست ہے اور جن کو شرط پر معلق کرنا(ا) جائز نہیں ہے جیسا کہ اس پر ابن نجیم نے بحرالرائق میں تنبیہ فرمائی ہے۔

ضمنی فوائد

......[1]......البحر الرائق ،کتاب البیع ،باب المتفرقات ،ج٦،ص٢٧٠۔

(ا) کن چیزوں پر شرط کو معلق کرنا چاہئے اور کن چیزوں پر معلق نہ کرنا چاہئے اس مسئلہ میں علامہ ابن نجیم نے متقدمین علماء سے نقل در نقل چلی آرہی ایک غلطی کی جانب اشارہ کیا ہے کہ آیا اعتکاف ان امور میں سے ہے کہ جس پر حلف لیا جاتا ہو یا نہیں؟ پس اسے شرط پر معلق کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ کنز الدقائق میں اسے جائز رکھا گیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے،اس مقام پر علامہ ابن نجیم نے مسائل میں ہونے والی غلطیوں کا بیان کرتے ہوئے فرمایا:''وقد یقع کثیرا ان مؤلفا یذکر شیئا خطا فی کتابه فیأتی من بعده من المشائخ فینقلون تلک العبارة من غیر تغیر ولا تنبیه فیکثر الناقلون لھا واصلھا الواحد مخطی کما وقع فی ھذا الموضع ۔یعنی بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک مصنف غلطی سے کوئی مسئلہ اپنی کتاب میں ذکر کردیتا ہے۔پھر بعد کے مشائخ بغیر کسی تغیر وتبدل اور تنبیہ کئے اس مسئلے کو یوں ہی ذکر کردیتے ہیں

اور پھر دوسرے بہت سے افراد اس کو ذکر کرتے ہیں حالانکہ پہلے ناقل سے غلطی ہوئی ہوتی ہے جیسا کہ زیر بحث (اعتکاف سے متعلق نذر کے) مسئلہ میں ایسا ہی ہوا ہے۔(المرجع السابق)۔

﴿مسئلة الاستئجار على الطاعات﴾

(ومن) ذلک مسئلة الاستئجار على تلاوة القرآن المجردة فقد وقع لصاحب السراج الوهاج والجوهرة شرح القدوری انه قال: ان المفتی به صحة الاستئجار وقد انقلب عليه الامر فان المفتی به صحة الاستئجار على تعليم القرآن لاعلى تلاوته، ثم ان اكثر المصنفين الذين جاؤا بعده تابعوه على ذلک ونقلوه، وهو خطأصريح بل كثيرمنهم قالوا:ان الفتوى على صحة الاستئجار على الطاعات ويطلقون العبارة ويقولون :انه مذهب المتأخرين .

وبعضهم يفرع على ذلک صحة الاستئجار على الحج وهذا كله خطااصرح من الخطاالاول. فقد اتفقت النقول عن ائمتناالثلاثة ابی حنيفة وابی يوسف ومحمد ان الاستئجارعلى الطاعات باطل، لكن جاء من بعدهم من المجتهدين هم اهل التخريج والترجيح ،فافتوا بصحته على تعليم القرآن للضرورة فانه كان للمعلمين عطايا من بيت المال وانقطعت فلولم يصح الاستئجار واخذ الاجرة لضاع القرآن، وفيه ضياع الدين لاحتياج المعلمين الى الاكتساب .

وافتى من بعدهم ايضامن امثالهم بصحته على الاذان والامامة لانها من شعائر الدين فصححوا الاستئجار عليهما للضرورة ايضا، فهذا مافتى به المتأخرون عن ابی حنيفة واصحابه لعلمهم بان اباحنيفة واصحابه لو كانوا فی عصرهم لقالوابذلک ورجعوا عن قولهم الاول.

وقد اطبقت المتون والشروح والفتاوى على نقلهم بطلان الاستئجار على الطاعات الافيما ذكر وعللوا ذلک بالضرورة وهی خوف ضياع الدين وصرحوا بذلک التعليل، فكيف يصح ان يقال ان مذهب المتأخرين صحة الاستئجار على التلاوة المجردة مع عدم الضرورة المذكورة فانه لو مضى

الدهر ولم يستأجر احد احدا على ذلک لم يحصل به ضرر بل الضرر صار فى الاستئجار عليه حيث صار القرآن مكسبا وحرفة يتجربها وصار القارى منهم لايقرأ شيألوجه الله تعالى خالصا بل لايقرأ الا للاجرة وهو الرياء المحض الذى هو ارادة العمل لغير الله تعالى، فمن اين يحصل له الثواب الذى طلب المستأجر ان يهديه لميته.

وقد قال الامام قاضى خان: "ان اخذ الاجر فى مقابلة الذكر يمنع استحقاق الثواب "ومثله فى فتح القدير فى اخذ المؤذن الاجر ولو علم انه لاثواب له لم يدفع له فلساً واحداً فصاروا يتوصلون الى جمع الحطام الحرام بوسيلة الذكر والقرآن وصار الناس يعتقدون ذلک من اعظم القرب وهو من اعظم القبائح المترتبة على القول بصحة الاستئجار مع غير ذلک مما يترتب عليه من اكل اموال الايتام والجلوس فى بيوتهم على فرشهم واقلاق النائمين بالصراخ ودق الطبول والغناء واجتماع النساء والمردان وغير ذلک من المنكرات الفظيعة كما اوضحت ذلک كله مع بسط النقول عن اهل المذهب فى رسالتى المسمادة "شفاء العليل وبل الغليل فى بطلان الوصية بالختمات والتهاليل" وعليها تقاريظ فقهاء اهل العصر من اجلهم خاتمة الفقهاء والعباد الناسكين مفتى مصر القاهرة سيدى المرحوم السيد احمد الطحطاوى صاحب الحاشية الفائقة على الدرر المختار رحمه الله تعالى .

طاعات پر اجرت لینے کا مسئلہ

ان میں سے ایک مسئلہ تلاوت قرآن مجید پر اجرت کا ہے السراج الوهاج، شرح قدوری الجوهرة النيرة (ا) کے مؤلفین سے یہ غلطی صادر ہوئی ان حضرات نے لکھا کہ مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید پر بھی اجارہ درست ہے حالانکہ معاملہ ان پر ملتبس ہو گیا کہ مفتیٰ بہ قول تو یہ ہے کہ تعلیم قرآن پر اجارہ درست ہے نہ کہ تلاوت پر، پھر ان کے بعد آنے والے کثیر مصنفین نے اس قول کو نقل کرنے میں ان کی پیروی کی اور اسے نقل کر دیا حالانکہ یہ زبردست خطاہے بلکہ ان میں بعض حضرات نے تو اس پر بھی فتوی دے دیا کہ تمام ہی عبادات پر اجارہ

درست ہے اور وہ اس عبارت کو مطلق ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہی متاخرین (۲) کا مذہب ہے ۔اور بعض حضرات نے اس پر یہ مسئلہ متفرع کیا کہ حج بدل کروانے والے کیلئے بھی اجارہ کرنا درست ہے اور یہ تمام ہی مسائل خطا پر مبنی ہیں اور ان کا مبنی بر خطا ہونا پہلے مسئلہ سے بھی زیادہ واضح ہے ۔ ہمارے ائمہ ثلاثہ **امام اعظم** ،**امام ابو یوسف**،**امام محمد** رحمہم اللہ اجمعین سے یہی منقول ہے کہ عبادات پر اجارہ باطل ہے لیکن ان کے بعد آنے والے مجتہدین جو کہ **اہل تخریج** اور **اہل ترجیح** تھے انہوں نے ضرورت کی بناء پر تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز کہا، اس لئے کہ ابتداً معلمینِ قرآن کو تعلیم قرآن پر **بیت المال** سے ہدایہ دیئے جاتے تھے جو کہ اب منقطع ہو چکے ہیں، اگر تعلیم قرآن پر اجارہ کو درست قرار نہ دیا جائے اور اس پر اجرت لینے کو جائز قرار نہ دیا جائے تو تعلم قرآن کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہے ۔پھر اس میں دین کے ضائع ہوجانے کا بھی اندیشہ ہے کیونکہ معلمین کو بھی اکتساب کی حاجت ہوتی ہے ، پھر ان کے بعد آنے والے علماء نے جو کہ خود بھی **اہل ترجیح** و**تخریج** ہیں انہوں نے **اذان وامامت** پر اجارہ درست ہونے کا فتوی دیا کیونکہ یہ دونوں امور بھی شعائر دین سے ہیں تو ضرورتاً ان دونوں کاموں پر اجارہ کرنا بھی ان حضرات نے درست قرار دیا۔ یہ ہے وہ امر جس کے بارے میں متاخرین علماء نے **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اور آپ کے اصحاب کے حوالے سے فتوی دیا کیونکہ یہ حضرات جانتے تھے کہ خود **امام اعظم** اور ان کے تلامذہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس زمانے میں ہوتے تو یہی فتوی دیتے اور اپنے پہلے قول سے **رجوع** کر لیتے ۔تمام متون ،شروحات اور فتاوی طاعت پر اجرت کے باطل ہونے پر منقول ہیں سوائے چند ایک مسائل کے جن کا ذکر ما قبل ہوا اور انہوں نے یہی علت یعنی ضرورت (۳) بیان کی ہے اور ضرورت سے مراد یہاں دین کے ضائع ہوجانے کا خوف ہے ۔علماء نے اس علت کو صراحۃً بیان کیا ہے تو یہ کیونکر درست ہوسکتا ہے کہ یوں کہا جائے کہ متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ تلاوت قرآن عظیم پر بھی اجارہ کرنا درست ہے ؟ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ایک زمانہ گزر جائے اور کوئی شخص دوسرے سے اس کام پر اجارہ نہ کرے جب بھی اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ نقصان تو قرآن مجید کی تلاوت پر اجارہ کرنے میں ہے کیونکہ اس صورت میں گویا کہ قرآن عظیم مال کمانے کا ذریعہ ہو جائے گا اور ایک پیشہ ہو جائے جس کے ذریعے لوگ مال کمائیں گے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا خالصًا اللہ ﷻ کی خوشنودی کیلئے نہیں بلکہ اجرت حاصل کرنے کیلئے تلاوت کرے گا

اور اسی کا نام تو خالص ریا ہے کہ غیر اللہ کیلئے کوئی نیک عمل کرنے کا ارادہ کیا جائے، تو اس صورت میں خود اس قاری کو ثواب کہاں سے حاصل ہوگا؟ جس کا متاجر طالب ہے کہ وہ اس حاصل ہونے والے ثواب کو اپنے مرحوم کو ایصال کر سکے۔امام **قاضی خان** علیہ رحمۃ اللہ الحنان نے ارشاد فرمایا:''ذکرواذکار کے بدلے میں اجرت حاصل کر لینا یہ استحقاقِ ثواب کا مانع ہے،اسی کی مثل فتح القدیر میں مؤذن کی اجرت لینے کے بارے میں منقول ہے اور اگر متاجر کو اس بات کا علم ہوجائے کہ میں جس شخص سے تلاوت قرآن کرنے کا اجارہ کر رہا ہوں خود اس کو کوئی ثواب نہیں حاصل ہوتا تو وہ ایک دمڑی بھی اسے دینا گوارہ نہ کرے،تو وہ حضرات جو قرآن عظیم کی تلاوت کرنے پر اجارہ کرتے ہیں یہ لوگ حرام ایندھن جمع کرنے کا وسیلہ ذکر اللہ اور قرآن عظیم کو بنا رہے ہیں۔لوگ اسے عظیم نیکی خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ بدترین گناہ ہے جو کہ تلاوتِ قرآن پر اجارہ کرنے کے قول پر مترتب ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ایصالِ ثواب کیلئے پیسے دیکر تلاوت قرآن کروانے میں جو دیگر برائیاں مرتب ہوتی ہیں وہ یہ ہیں یتیموں کے اموال کھانا،ان کے گھروں کا فرش استعمال کرنا،رونے دھونے کا ڈھونگ کرنا،سوتے لوگوں کی نیند برباد کرنا،ڈھول پیٹنا، عورتوں اور مردوں کا اکٹھا ہونا،اور ایسی دیگر بڑی برائیاں جیسا کہ میں نے ان برائیوں کی وضاحت اہل مذہب کے تفصیلی حوالوں کے ساتھ اپنے رسالے **شفاء العلیل وبل الغلیل فی بطلان الوصیة بالختمات والتھالیل** میں کی ہے۔اس رسالہ پر علماء عصر کے تقاریظ موجود ہیں اور ان میں سب سے زبردست عالم **خاتمہ الفقھاء والعباد الناسکین مفتی مصر قاھرة سیدی سید احمد طحطاوی** جنھوں نے **در مختار** پر زبردست حاشیہ تحریر فرمایا ہے ان کی بھی تقریظ موجود ہے۔

ضمنی فوائد

(۱) امام اہلسنت فاضل بریلوی نے فرمایا:''کشف الظنون''میں ہے کہ''السراج الوھاج''کو مولی المعروف برکلی نے کتبِ متداولہ ضعیفہ غیر معتبرہ میں شمار کیا ہے اور چلپی نے فرمایا: پھر اس کتاب کو مختصر کیا گیا اور اس کا نام''الجوھرة النیرة''ہوا۔امام اہلسنت فرماتے ہیں،میں کہتا ہوں: بلکہ جوہرہ نیرہ ہے اور وہ کتبِ معتبرہ میں سے ہے جیسا کہ اس کی صراحت ''ردالمحتار''میں موجود ہے۔اور اس کی نظیر یہ ہے کہ''نسائی''کی''مجتبی''جو ان کی

''سننِ کبریٰ'' سے مختصر ہے'' صحاح ''میں شمار ہوتی ہے جبکہ کبریٰ، صحاح میں شمار نہیں ہوتی۔

(فتاوی رضویه مخرجه ،ج:۲،ص:٤٧٠.٤٧١)

(۲) متاخرین سے مراد شمس الائمہ حلوانی کے بعد سے لے کر محمد بن نصر، ابوالفضل حافظ الدین الکبیر تک کے فقہائے احناف مراد ہوتے ہیں۔ (المصباح فی قواعد الافتاء،ص:٢١٤)

(۳) الضرورات تبیح المحظورات : ہمارے فقہ کا قانون ہے کہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔اس کی چند مثالیں اختصاراً پیش خدمت ہیں، حالت اضطرار میں پہنچا ہوا شخص جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت مردار کھا سکتا ہے، شہید کا خون اس کے اپنے حق میں طاہر ہے جب کہ غیر کے حق میں ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے نجس ہے، طبیب کے لئے بقدر حاجت شرم کے مقام کو دیکھنا جائز ہے۔ (الاشباه والنظائر ،ص ۸۷ ملتقطاً)

ہدایۃ میں ہے کہ'' ولا الاستئجار علی الاذان والحج وکذاالامامة و تعلیم القرآن والفقه'' خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور پر اجارہ جائز نہیں ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحبِ ہدایہ نے فرمایا: یہ تمام امور عبادات ہیں اور عبادات پر اجرت لینا ہمارے یعنی احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ہاں امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی فرماتے ہیں کہ ہر عبادت پر اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ اجرت کو متعین نہ کیا گیا ہو، کیوں کہ عمل معلوم پر غیر معین اجرت لینا جائز ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے: سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''اقرؤا القرآن ولا تاکلوا به'' یعنی قرآن پڑھو اور اس کے ذریعے نہ کھاؤ''۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی مبارک کے آخر میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا''وان اتخذت مؤذنا فلا تأخذ علی الاذان اجرا یعنی اور اگر تجھے مؤذن بنایا جائے تو تو اذان دینے پر اجرت نہ لینا'' اور اس لیے کہ قربت جب حاصل ہوگی عامل کی طرف سے واقع ہوگی اور اس وجہ سے عامل ہی کی اہلیت کا اعتبار کیا گیا ہے، پس اس کے لیے غیر سے اجرت لینا جائز نہیں ہوگا۔اسی کے تحت فتح القدیر میں ہے: مصنف کی ذکر کردہ یہ بات آپ کے کتاب الحج میں بیان کردہ عبارت سے ٹوٹ جاتی ہے۔آپ نے کتاب الحج میں فرمایا: ظاہر مذہب یہ ہے کہ حج بدل میں حج محجوج عنہ کی جانب سے واقع ہوتا ہے اور اس کی شاہد اس باب میں وارد احادیث ہیں جیسا کہ حدیث خثعمیہ کہ حضور نے ان سے فرمایا:''حجی عن ابیک

واعتمری '' یہ حدیث اس بات پر صریح دلیل ہے کہ غیر عامل کی جانب سے قربت واقع ہوتی ہے۔ صاحب کافی نے اس دلیل کی تقریر میں فرمایا: قربت جب واقع ہوگی اس کا ثواب فاعل کو ملے گا اس کے غیر کو نہیں۔ میں (ابن ہمام) کہتا ہوں کہ یہ تقریر خود اس بات کے بھی مخالف ہے جس کی تصریح صاحب ھدایۃ اور صاحب کافی نے کتاب الحج باب الحج عن الغیر میں کی ہے وہ تصریح یہ ہے: ''اس باب میں اصل یہ ہے کہ انسان مختار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کے واسطے کردے خواہ نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ یا اس کے علاوہ، یہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک ہے کیونکہ سید عالم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے دو مینڈھے ذبح کئے ان کی سیاہی میں کچھ سفیدی ملی تھی۔ جن میں سے ایک آپ ﷺ کی اپنی طرف سے اور دوسرا آپ کی امت کے ایسے افراد کی طرف سے جنہوں نے اللہ عزوجل کی وحدانیت کا اقرار کیا۔

(فتح القدیر ، کتاب الاجارات ،باب الاجارۃ الفاسدۃ، ج۹،ص۹۹)

صدر الشریعۃ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ القوی اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''طاعت وعبادت کے کاموں پر اجرت کرنا جائز نہیں مثلاً اذان کہنے کے لئے، امامت کرنے کے لئے، قرآن وفقہ کی تعلیم کے لئے، حج کے لئے یعنی اس لئے اجیر کیا کہ کسی کی طرف سے حج کرے متقدمین فقہاء کا یہی مذہب تھا مگر متاخرین نے دیکھا کہ دین کے کاموں میں سستی پیدا ہوگئی ہے اگر اس اجارہ کی سب صورتوں کو ناجائز کہا جائے تو دین کے بہت سے کاموں میں خلل پیدا ہوگا۔ انہوں نے اس کلیہ سے بعض امور کا استثناء فرمادیا اور یہ فتوی دیا کہ تعلیم قرآن وفقہ اور اذان وامامت پر اجارہ جائز ہے کیونکہ ایسا نہ کیا جائے تو قرآن وفقہ کے پڑھانے والے طلب معیشت میں مشغول ہوکر اس کام کو چھوڑ دیں گے اور لوگ دین کی باتوں سے ناواقف ہوجائیں گے۔ اسی طرح موذن وامام کو نوکر نہ رکھا جائے تو بہت سی مساجد میں اذان وجماعت کا سلسلہ بند ہوجائے گا اور اس شعار اسلامی میں زبردست کمی واقع ہوجائے گی۔ اسی طرح بعض علماء نے وعظ پر اجارہ کو بھی جائز کہا ہے۔ اس زمانے میں اکثر مقامات ایسے ہیں جہاں اہل علم نہیں ہیں، ادھر ادھر سے کبھی کبھار کوئی عالم پہنچ جاتا ہے جو وعظ وتقریر کے ذریعہ انہیں دین کی تعلیم دیتا ہے اگر اس اجارہ کو ناجائز کردیا جائے تو عوام کو جو اس ذریعہ سے کچھ علم کی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں اس کا انسداد ہوجائے گا یہ بتادینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب اصل مذہب یہی ہے کہ یہ

اجارہ ناجائز ہے ایک دینی ضرورت کی بناء پراس کے جواز کا فتوی دیا جاتا ہے جس بندۂ خدا سے ہوسکے کہ ان امور کو محض خالصاً لوجہ اللہ انجام دے اوراجر اخروی کا مستحق بنے تو اس کی کیا بات ہے؟ پھر اگر لوگ اس کی خدمت کریں بلکہ یہ تصور کر کے کہ دین کی خدمت یہ کرتے ہیں ہم ان کی خدمت کر کے ثواب حاصل کریں تو دینے والا مستحق ثواب ہوگا اس کو لینا جائز ہوگا کہ یہ اجرت نہیں بلکہ اعانت وامداد ہے۔ (بہار شریعت ، ج۲،حصہ ۱۴، ص۸۲)

قدوری کی شرح الجوہر النیرۃ میں وہ بات نہیں جو کہ علامہ شامی نے بیان فرمائی ہے، بلکہ الجوھرۃ، کتاب الاجارۃ میں صراحت ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ تعلیم قرآن پراجارہ جائز ہے، محض تلاوت پر اجارہ کے جواز کا فتوی ہمیں الجوھرۃ النیرۃ میں نظر نہیں آیا۔صاحب الجوھرۃ النیرۃ علامہ شیخ الاسلام ابی بکر علی بن محمد حدادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی نے اس بارے میں اپنی جانب سے کچھ کہنے کی بجائے صاحب ھدایۃ کی عبارت نقل کر دی ہے جسے ہم ماقبل بیان کرآئے ہیں اور بحث کے اختتام پر یہ لکھا ہے کہ واختلفوا فی الاستئجار علی قرأۃ القرآن علی القبر مدۃ معلومۃ ،قال بعضھم لایجوز وھو المختار ،فاعتبروا یا معشر العلماء۔

(الجوھرۃ النیرۃ ،ج ۱،ص ۳۲۷)

مسئلۃ عدم قبول توبۃ الساب لہ صلی اللہ علیہ وسلم

(ومن) ذلک مسئلۃ عدم قبول توبۃ الساب للجناب الرفیع صلی اللہ علیہ وسلم فقد نقل صاحب الفتاوی البزازیۃ: "انہ یجب قتلہ عندنا ولا تقبل توبتہ وان اسلم وعزا ذلک الی الشفاء للقاضی عیاض المالکی والصارم المسلول لابن تیمیۃ الحنبلی......۱......" ثم جاء عامۃ من بعدہ وتابعوہ علی ذلک وذکروہ فی کتبھم حتی خاتمۃ المحققین ابن الھمام ......۲...... وصاحب الدرر والغرر ......۳...... مع ان الذی فی الشفاء والصارم المسلول ان ذلک مذھب الشافعیۃ والحنابلۃ واحدی الروایتین عن الامام مالک مع الجزم بنقل قبول التوبۃ عندنا وھو المنقول فی کتب المذھب المتقدمۃ ککتاب الخراج لابی یوسف وشرح مختصر الامام الطحاوی والنتف ......۴...... وغیرھما من کتب المذھب کما

اوضحت ذلک غایة الایضاح بما لم اسبق الیه، ولله الحمد والمنة فی کتاب سمیتہ" تنبیه الولاة والحکام علی احکام شاتم خیر الانام او احد اصحابه الکرام علیه وعلیهم الصلاة والسلام ".

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخ کی توبہ قبول نہ ہونے کا مسئلہ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کرنے والے شخص کی توبہ مقبول ہے یا نہیں؟ اس بارے میں صاحب فتاوی بزازیہ نے نقل کیا: ہمارے نزدیک گستاخِ رسول کو قتل کرنا واجب ہے اور ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہے اگرچہ وہ اسلام لے آئے (۱)، آپ علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ کی نسبت **قاضی عیاض مالکی** علیہ رحمۃ اللہ القوی کی کتاب الشفاء اور **ابن تیمیہ حنبلی** کی کتاب الصارم المسلول کی طرف کی ہے پھر بعد میں آنے والے علماء نے انہی کی پیروی کی اور اس مسئلہ کو اپنی کتاب میں بعینہ اسی طرح ذکر کردیا حتی کہ خاتمة المحققین **ابن ہمام** اور صاحب الدرر والغرر نے بھی اسے یونہی ذکر کیا حالانکہ شفاء شریف اور الصارم المسلول میں مذکور مسئلہ **شوافع** اور **حنابلہ** کا مذہب ہے، **امام مالک** علیہ الرحمۃ سے ایک روایت مع الجزم یہ ہے کہ ایسے شخص کی توبہ ہمارے نزدیک مقبول ہے۔ ہمارے مذہب کی کتب متقدمہ میں یہی منقول ہے جیسا کہ **امام ابو یوسف** علیہ الرحمۃ کی کتاب الخراج میں اور **امام طحاوی** کی شرح مختصر اور المنتف وغیرہ کتب مذہب میں ہے اور تمام تعریفیں اور احسان مندیاں اللہ عزوجل کے لئے ہیں جیسا کہ میں (علامہ شامی) نے اس مسئلہ کو اپنی ایک کتاب میں خوب واضح کردیا ہے۔ اس قدر تفصیل سے یہ مسئلہ مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کیا۔ اس کتاب کا نام میں نے تنبیه الولاة والحکام علی احکام شاتم خیر الانام او احد اصحابه الکرام علیهم الصلوة والسلام۔

ضمنی فوائد

......۱......الفتاوی بزازیه علی هامش الفتاوی الهندیه، کتاب الفاظ تکون اسلاما او کفرا او خطا، الفصل الثانی فیما یکون کفرا من المسلم ومالایکون، ج٦، ص٣٢٢۔

......۲......فتح القدیر، شرح هدایة للامام ابن الهمام، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ص٩١۔

۳......درر الحکام شرح غرر الاحکام، کتاب الجهاد، ماتسقط به الجزیه ، باب المرتد، ج۱، ص ۲۹۹و۳۰۰۔

۴...... النتف فی الفتاوی ،السابع من سب رسول الله ﷺ فانه مرتد ،ص ٤٢٤و٤٢٧ ملخصاً۔

(۱) دربارہ اسلام ورفع دیگر احکام انکی (یعنی گستاخانِ رسول کی) توبہ اگر سچے دل سے ہو ضرور مقبول ہے. ہاں!اس میں اختلاف ہے کہ سلطانِ اسلام انہیں بعدِ توبہ واسلام صرف تعزیر دے، یا اب بھی سزائے موت دے وہ جو ''بزازیة'' اوراس کے بعد کی بہت کتبِ معتمدہ میں ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں اس کے یہی معنی ہیں۔ (فتاوی رضویه مخرجه، ج ١٤، ص ٣٠٤)

مسئلة ضمان الرهن

(ومن ذلک) مسئلة ضمان الرهن بدعوی الهلاک فقد ذکر فی الدررو شرح المجمع لابن ملک: انه یضمن بدعوی الهلاک بلابرهان وتبعهما فی متن التنویر ......۱......، ومقتضاه انه یضمن قیمته بالغة مابلغت وبه افتی العلامة الشیخ خیر الدین ......۲......وانه لایضمن شیا اذا برهن مع ان ذلک مذهب الامام مالک ومذهبنا ضمانه بالاقل من قیمته ومن الدین بلا فرق بین ثبوت الهلاک ببرهان وبدونه کما اوضحه فی الشرنبلالیة عن الحقائق ونبهت علیه فی حاشیتی" رد المحتار علی درمختار" مع بیان من افتی بما هو المذهب ومن رد خلافه .

شے مرهونه کے ضمان کامسئله

اسی طرح ایک مسئلہ مرہون کے **ضمان** کا ہے کہ مرتہن اگر مرہون کے ہلاک ہوجانے کا دعوی کرے تو ضمان کی کیا صورت ہوگی؟ درر اور **ابن ملک** کی شرح المجمع میں مذکور ہے کہ اگر مرتہن بغیر گواہ پیش کئے مرہون شے کے ہلاک ہوجانے کا دعوی کرے تو اس صورت میں اسے ضمان دینا ہوگا۔ **صاحبِ تنویر الابصار** علیہ رحمۃ اللہ الغفار نے اپنے **متن** میں ان دونوں حضرات کی پیروی کی ہے۔اس مسئلہ کا **مقتضی** یہ ہے کہ مرتہن مرہون شے کی قیمت بطور **ضمان** دے گا اگرچہ اس کی قیمت کتنی ہی زیادہ ہو۔ علامہ **خیر الدین رملی** علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے اسی قول پر فتوی دیا ہے کہ مرتہن جب

مرہون شے کے ہلاک ہوجانے پر گواہ پیش کردے تو اس صورت میں اس کے ذمے کچھ ضمان لازم نہیں آئے گا حالانکہ یہ تو **امام مالک** علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے۔ ہمارا مذہب اس بارے میں یہ ہے کہ مرہون اور دین میں سے جس کی مالیت کم ہوگی ضمان میں وہی رقم دی جائے گی (ا)۔ اس مسئلہ میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے کہ مرہون کے ہلاک ہونے کا ثبوت ہو یا ثبوت موجود نہ ہو جیسا کہ شرنبلالی نے حقائق کے حوالے سے واضح کیا ہے۔ اور میں (علامہ شامی) نے اپنے حاشیہ رد المحتار علی الدر مختار میں اسی پر تنبیہ کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کو بھی بیان کیا ہے کہ کس نے مذہب کے مطابق فتوی دیا ہے اور کس نے مذہب کے برخلاف فتوی دیا ہے۔

ضمنی فوائد

ا......درر الحکام شرح غرر الاحکام، کتاب الرهن، ج۲، ص ۲۴۹۔

۲......فتاوی خیریة علی هامش تنقیح الحامدیة، کتاب الرهن ومطالبه، القول للمرتهن فی قیمة الرهن، ج۲، ص ۳۰۱۔

(ا) ماقبل کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مرہون شے ضائع ہوجائے تو ہمارا مذہب اس بارے میں یہ ہے کہ اگر ہلاک شدہ چیز کی قیمت دین کے مقابلے میں کم تھی تو وہی کم قیمت بطور ضمان لازم ہوگی اور اگر دین کی مقدار ہلاک شدہ چیز کے مقابلے میں کم ہو تو دین کی مقرر شدہ رقم بطور ضمان لازم ہوگی۔ اور امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے نزدیک مرہون شے امانت کی طرح ہے، لہذا دین میں سے کچھ کمی نہ ہوگی بلکہ مکمل دین لازم آئے گا (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الرهن، ج۱۰، ص۸۰)

(ولهذا) الذی ذکر ناه نظائر کثیرة اتفق فیها صاحب البحر والنهر والمنح والدر المختار وغیرهم وهی سهو منشأها الخطأ فی النقل او سبق النظر، نبهت علیها فی حاشیتی "ردالمحتار" لالتزامی فیها مراجعة الکتب المتقدمة التی یعزون المسئلة الیها فاذکر اصل العبارة التی وقع السهو فی النقل عنها واضم الیها نصوص الکتب الموافقة لها فلذا کانت تلک الحاشیة عدیمة النظیر فی بابها لایستغنی احد عن تطلابها، اسأله سبحانه ان یعیننی علی اتمامها.

اس طرح کے **تسامحات** جن کا ہم نے ماقبل ذکر کیا اس کی بہت سی مثالیں ہیں جن میں

صاحب البحر، صاحب النہر، صاحب المنح اور صاحب درمختار سب کے سب متفق ہوتے ہیں حالانکہ وہ مسئلہ مبنی بر سہو ہوتا ہے، جس کا سبب یا تو نقل میں خطاء ہوتی ہے یا پھر سبقت نظر، میں (علامہ شامی) نے اپنے حاشیہ رد المحتار میں ان تسامحات پر تنبیہ کی ہے کیونکہ میں نے اپنے اس حاشیہ میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ میں اسلاف کی ان کتب کی طرف رجوع کرنے کے بعد مسئلہ لکھوں جس کی طرف وہ مسئلہ منسوب ہے۔ اور میں اصل عبارت کو نقل کرتا ہوں جس میں سہو واقع ہوا ہے، پھر اس کے ساتھ ساتھ دیگر کتابوں سے اس مسئلہ کے موافق نصوص کو بیان کرتا ہوں۔ اس بناء پر میرا یہ حاشیہ بے نظیر ہے کوئی بھی طالب علم اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ میں (علامہ شامی) اللہ عزوجل سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس حاشیے کو مکمل کرنے میں میری مدد فرمائے۔

الاقدام علی الفتیا بدون المراجعة

فاذا نظر قلیل الاطلاع ورأی المسئلة مسطورة فی کتاب او اکثر، یظن ان هذا هو المذهب ویفتی به ویقول ان هذه الکتب للمتأخرین الذین اطلعوا علی کتب من قبلهم وحرروا فیها ماعلیه العمل ولم یدر ان ذلک اغلبی وانه یقع منهم خلافه کماسطرنا ه لک.

بغیر مراجعت کے فتوی دے ڈالنا

الغرض جب کوتاہ نظر شخص کسی مسئلہ کو ایک یا اس سے زائد کتب میں دیکھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہی مذہب ہے اور اسی قول کے مطابق فتوی دے ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ان متاخرین علماء کی کتب ہیں جو اپنے ماقبل علماء کی کتب سے باخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں اسی مسئلہ کو ذکر کیا جو **معمول بہ** ہے۔ یہ شخص اس بات کو نہیں سمجھ پایا کہ یہ **اغلبی** قاعدہ ہے متاخرین سے اس کے برخلاف بھی ظہور میں آیا ہے جیسا کہ ہم نے آپ کے سامنے ماقبل بیان کیا۔

(وقد) کنت مرة افتیت بمسألة فی الوقف موافقالما هو المسطور فی عامة الکتب وقد اشتبه فیها الامر علی الشیخ علاء الدین الحصکفی عمدة المتأخرین فذکر ها فی الدرا لمختار علی خلاف الصواب فوقع جوابی الذی

افتيت به بيد جماعة من مفتى البلاد كتبوا فى ظهره بخلاف ماافتيت به موافقين لما وقع فى الدر المختار وزاد بعض هؤلاء المفتين ان هذا الذى فى العلائى هو الذى عليه العمل لانه عمدة التأخرين وانه ان كان عندكم خلافه لانقبله منكم فانظر الى هذاالجهل العظيم والتهور فى الاحكام الشرعية والاقدام على الفتيا بدون علم وبدون مراجعة وليت هذا القائل راجع حاشية العلامة الشيخ ابراهيم الحلبى على الدر المختار فانها اقرب مايكون اليه فقد نبه فيها على ان ماوقع للعلائى خطأفى التعبير.

ایک بار میں (علامہ شامی) نے وقف کے مسئلہ سے متعلق فتوی دیا جو عامۃ الکتب کے موافق تھا، اس مسئلہ کے بارے میں ایک بات علامہ حصکفی پر مشتبہ ہوگئی جو کہ عمدۃ المتأخرین ہیں۔انہوں نے اس مسئلہ کو درمختار میں خلاف صواب ذکر کردیا۔جب میرا یہ جواب شہر کے مفتیان کرام علیہ رحمۃ اللہ العظام کے پاس پہنچا تو انہوں نے میرے فتوی کے پیچھے میرے فتوی کا رد لکھا اوران کا جواب درمختار کے موافق تھا بلکہ بعض مفتیوں نے یہ اضافہ بھی کردیا کہ درمختار میں مذکورمسئلہ ہی پر عمل ہے کیونکہ صاحب درمختار عمدۃ المتأخرین ہیں، اگرچہ تمہارے پاس ان کے قول کے خلاف کوئی ثبوت موجود ہوتب بھی ہم اس کو نہیں مانیں گے۔آپ اس جھل عظیم کودیکھئے اوراحکام شرعیہ بیان کرنے میں ان کی لاپرواہی اور بغیرعلم اور بلاکسی کتاب کی طرف رجوع کئے مسئلہ بتادینے کی جرأت کودیکھئے ،کاش! یہ حضرات علامہ شیخ ابراہیم حلبی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے حاشیہ درمختار کودیکھ لیتے کہ یہ انہیں باآسانی دستیاب ہوجاتا،خودعلامہ حلبی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے بھی اس کتاب میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اس مقام پرعلامہ حصکفی علیہ رحمۃ اللہ القوی سے مسئلہ بیان کرنے میں خطاءواقع ہوئی ہے۔

عدم جواز الافتاء بمجرد المطالعة بلاتدريبه

(وقد) رأيت فى فتاوى العلامةابن حجر:" سئل فى شخص يقرأ ويطالع فى الكتب الفقهية بنفسه ولم يكن له شيخ يفتى ويعتمد على مطالعته فى الكتب فهل يجوز له ذلک ام لا؟فاجاب بقوله: لايجوز له الافتاء بوجه من الوجوه لانه

عامی جاهل لایدری مایقول، بل الذی یأخذالعلم عن المشایخ المعتبرین لایجوز له ان یفتی من کتاب ولا من کتابین، بل قال النووی رحمه الله تعالی ولا من عشرة فان العشرة والعشرین قد یعتمدون کلهم علی مقالة ضعیفة فی المذهب فلایجوز تقلیدهم فیها بخلاف الماهر الذی اخذ العلم عن اهله وصارت له فیه ملکة نفسانیة فانه یمیزا لصحیح من غیره ویعلم المسائل وما یتعلق بها علی الوجه المعتد به فهذا هوالذی یفتی الناس ویصلح ان یکون واسطة بینهم وبین الله تعالی واما غیره فیلزمه اذا تسور هذا المنصب الشریف العزیر البلیغ والزجرا لشدید الزاجر ذلک لامثاله عن هذا الامر القبیح الذی یؤدی الی مفاسد لاتحصی ......لـ......والله تعالی اعلم انتهی .

بغیر تدریب کے محض مطالعہ سے فتوی دینا جائز نہیں ہے

میں (علامہ شامی) نے علامہ ابن حجر کے فتاوی میں دیکھا ''ان سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو خود سے کتب فقہ کا مطالعہ کرتا ہے اس کا کوئی (ماہر) استاد نہیں(ا) اور وہ لوگوں کو فتوی دیتا ہے اور اس معاملے میں اپنی کتابوں کے مطالعہ پر اعتماد کرتا ہے تو کیا ایسے شخص کا فتوی دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ایسے شخص کیلئے کسی بھی طرح فتوی دینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایک عام جاھل شخص ہے خود اپنی بات کو سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں رکھتا بلکہ اگر جس شخص نے معتبر علماء سے علم فقہ حاصل کیا ہو اس کے لیے بھی ایک یادو کتابیں دیکھ کر فتوی دینا جائز نہیں ہے، بلکہ **امام نووی** علیہ رحمۃ اللہ القوی نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ ''دس بلکہ بیس کتب کو دیکھ کر بھی فتوی دینا جائز نہیں ہے(۲) کیونکہ بسااوقات تمام ہی مصنفین مذہب سے متعلق ایک ضعیف قول پر اعتماد کر بیٹھتے ہیں تو اس مسئلہ کے بارے میں ان کی پیروی کرنا جائز نہیں ہوتا بخلاف ماہر فن کے، جس نے اہل علم سے یہ علم سیکھا ہو اور اس کے نفس میں ایسا ملکہ پیدا ہو چکا کہ وہ **صحیح** اور **غیر صحیح** مسائل میں امتیاز کر سکے اسے مسائل اور ان کے متعلقات کا اچھی طرح علم ہو اور ایسا ہی شخص لوگوں کو فتوی دینے کی اہلیت رکھتا ہے اور ایسے ہی شخص کا لوگوں اور اللہ جل جلالہ کے مابین واسطہ ہونا درست ہے۔ بہر حال نا اہل شخص جب اس عظیم منصب

پر فائز ہونے کی کوشش کرے تو اسے ایسی زبردست سزا دی جائے جو اس طرح کے دیگر لوگوں کو اس بُرے کام کے ارتکاب سے روک رکھے، جو کہ بے شمار مفاسد کا پیش خیمہ ہے۔(۳) اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی خوب جانتا ہے یہ بات یہاں ختم ہوئی۔

ضمنی فوائد

......۱...... الفتاوی الکبری الفقهية للهيثمي ، كتاب النكاح ،باب القضاء ،ج ١٠ ۔

(۱)اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علم الفتاوی کے تعلم میں استاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:علم الفتاویٰ پڑھنے سے نہیں آتا جب تک کسی طبیبِ حاذق کا مطب نہ کیا ہو مفتیانِ کامل کے بعض صحبت یافتہ کہ ظاہری درست وتدریس میں پورے نہ تھے مگر خدمتِ علماء کرام میں اکثر حاضر رہتے اور تحقیقِ مسائل کا شغل ان کا وظیفہ تھا فقیر نے دیکھا ہے کہ وہ مسائل میں آج کل کے صدہا فارغ التحصیلوں بلکہ مدرسوں بلکہ نام کے مفتیوں سے بدر جہازائد تھے۔

(فتاوی رضویه مخرجه، ج ٢٣،ص ٦٨٤)

(۲) جس نے رسمِ افتاء کے تعلّم کے لیے کسی حاذق مفتی کے پاس زانوئے تلمّذ طے کر کے فنی اصول اور باریکیوں کو نہ سیکھا ہو وہ فتویٰ دینے کا اہل نہیں اگر چہ کتبِ مذہب کا حافظ ہو،علامہ یوسف بن ابی سعد بن احمد سجستانی حنفی علیہ الرحمۃ الغنی فرماتے ہیں بعض علماء نے فرمایا:اگر کوئی شخص ہمارے اصحاب کی تمام کتب حفظ کر لے تب بھی فتوی دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ علمِ فتوی سیکھے تا کہ وہ راہ یاب ہو سکے کیونکہ کئی ایسی صورتیں ہیں جو خلافِ شرع نہ ہوں تو ان میں لوگوں کے عرف وعادت کے مطابق مسائل کا جواب دیا جاتا ہے۔ (منية المفتی،ص:٣٩٢)

(۳) فتاوی حدیثیہ کے حوالے سے مذکور اس عبارت سے تین امور معلوم ہوئے:

/☆/فتوی دینے والے نے کتبِ فقہیہ باقاعدہ کسی عالم سے پڑھی ہوں۔

/☆/ فقط ایک کتاب دیکھ کر حکم مسئلہ بیان نہ کرے بلکہ متعدد کتب کو دیکھے جن میں مذکور اقوال مختلف ائمہ سے لیے گئے ہوں تا کہ نقل میں خطاء کا احتمال منقطع ہو جائے۔/☆/فتوی دینے والے کو ملکہ نفسانیہ حاصل ہو کہ مسئلہ کو دیکھ کر ہی اس کا جواب سمجھ جائے اور پھر کتب میں وہی جواب مذکور ہو ایسے مفتی کو فقیہ النفس کہتے ہیں جیسا کہ قاضی خان علامہ شامی رحمہما اللہ وغیرہ۔

فی زمانہ مجتھدین نہیں پائے جاتے بلکہ مفتیانِ ناقلین منصب افتاء پر فائز ہیں کہ معتبر کتب سے حوالے نقل کرکے فتوی دیتے ہیں۔اعلی حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان اپنے فتاوی میں مفتیانِ ناقلین میں کتنی لیاقت ہونی چاہئے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:" حدیث، تفسیر، اصول وادب وقدرِ حاجت ہیئت وہندسہ، توقیت اور ان میں مہارت کافی وذہن صافی ہو اور نظر وافی ہو اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغال دنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرطِ اعظم توفیق من اللہ جو ان شروط کا جامع ہو وہ اس بحر ذخار میں شناوری کرسکتا ہے۔مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ ،ج۱۸، ص۵۹۰)

ما المراد بالافتاء بظاهر الرواية ؟

(وقولي)او كان ظاهر الرواية الخ معناه ان ما كان من المسائل في الكتب التي رويت عن محمد بن الحسن رواية ظاهرة يفتى به وان لم يصرحوا بتصحيحه ،نعم لو صححوا رواية اخرى من غير كتب ظاهر الرواية يتبع ماصححوه، قال العلامة الطرطوسي في انفع الوسائل في مسئلة الكفالة الى شهر :"ان القاضي المقلد لايجوز له ان يحكم الا بماهو ظاهر الرواية لا بالرواية الشاذة الا ان ينصوا على ان الفتوى عليها" انتهى .

ظاہر الروایۃ سے فتوی دینے سے کیا مراد ہے؟

میں (علامہ شامی) نے دسویں شعر (او کان ظاهر الرواية ولم ...... يرجعوا خلاف ذاک فاعلم) میں کہا تھا اس کا معنی یہ ہے کہ جو مسائل محمد بن حسن سے منقول ہیں وہ روایات ظاہرہ ہیں اور ان کے مطابق فتوی دیا جائے گا۔اگرچہ فقہاء نے ان کی تصحیح کی صراحت نہ کی ہو، ہاں اگر فقہاء نے ظاہر الروایۃ کے ماسوا کسی دوسری کتاب میں مذکور روایت کی تصحیح کی ہو تو ان کی تصحیح شدہ روایت کی پیروی کی جائے گی ۔علامہ طرطوسی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے ایک ماہ کی کفالت کے مسئلہ کے ضمن میں انفع الوسائل میں فرمایا:"مقلد قاضی کے لیے لازم ہے کہ وہ ظاہر الروایت کے مطابق فیصلہ کرے(۱) اور روایات شاذہ کے موافق فیصلہ نہ دے، ہاں اگر فقہاء

تصریح کریں کہ اس روایت شاذہ پر فتوی ہے تو اس کے موافق حکم کرے'' (کلام مکمل ہوا)

ضمنی فوائد

(ا) کبھی خود کتبِ ظاہر الروایۃ کی روایات کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے تو اس وقت ان باہم مختلف روایات میں سے کون سی کتاب میں موجود روایت کو لیا جائیگا یہ ایک قابلِ غور بات ہے اس صورتحال میں اس کتاب کی روایت کو لیا جائیگا جو باعتبارِ تالیف مؤخر ہے پس اس مؤخر تالیف کی مخالف روایت مرجوح قرار پائے گی ۔ایک مفتی کے لیے ظاہر الروایۃ کی کتب کی تاریخ تالیف معلوم ہونا بھی ضروری ہے امام محمد کی پہلی تالیف المبسوط پھر جامع صغیر، پھر جامع کبیر، پھر زیادات ،پھر سیر صغیر ، پھر سیرِ کبیر ہیں،اب اگر مبسوط اور زیادات کی روایات میں اختلاف ہوتو زیادات کی ورایت راجح ہوگی کہ اس کی تالیف مبسوط کے بعد ہوئی ہے۔ (المصباح فی قواعد الافتاء،ص ۳۲۳)

☆...... وکتب ظاہر الرویات اتت ستاوبالاصول ایضاسمیت

کتبِ ظاہر الروایت چھ ہیں انہیں اصول بھی کہتے ہیں۔

☆...... صنفها محمد الشیبانی حرر فیها المذهب النعمانی

ان کے مصنف محمد شیبانی ہیں ان کتب میں انہوں نے نعمان بن ثابت کا مذہب تحریر کیا ہے۔

☆...... الجامع الصغیر والکبیر والسیر الکبیر والصغیر

جامع صغیر اور جامع کبیر اور سیر کبیر اور سیر صغیر۔

☆......ثم الزیادات مع المبسوط تواترت بالسند المضبوط

پھر مبسوط کے ساتھ زیادات ہیں یہ کتب قوی اسناد کے ساتھ بطریق متواتر منقول ہیں۔

☆...... کذا له مسائل النوادر اسنادها فی الکتب غیر ظاهر

یونہی امام محمد کی کتب میں مسائل النوادر ہیں ان کتابوں کی اسناد ظاہر نہیں ہیں۔

☆...... وبعدها مسائل النوازل خرجها الاشیاخ بالدلائل

اور نوادر کے بعد مسائل النوازل کا مرتبہ ہے،مشائخ کرام نے دلائل کے ساتھ ان کی تخریج کی ہے۔

﴿طبقات مسائل الاحناف﴾

(**اعلم**) ان مسائل اصحابنا الحنفية على ثلاث طبقات :

ائمہ احناف کے بیان کردہ مسائل کے درجات

جان لیجئے کہ ہمارے ائمہ احناف کے بیان کردہ مسائل تین درجات پر مشتمل ہیں۔

(**الاولى**) مسائل الاصول وتسمى ظاهر الرواية ايضا، وهى مسائل رويت عن اصحاب المذهب وهم ابو حنيفة وابو يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى ويقال لهم العلماء الثلاثة ،وقد يلحق بهم زفر والحسن وغيرهما ممن اخذ الفقه عن ابى حنيفة، لكن الغالب الشائع فى ظاهر الرواية ان يكون قول الثلاثة او قول بعضهم. **ثم** هذه المسائل التى تسمى بظاهر الرواية والاصول هى ماوجد فى كتب محمد التى هى المبسوط والزيادات والجامع صغير والسير الصغير والجامع الكبير والسير الكبير وانما سميت بظاهر الرواية لانها رويت عن محمد برواية الثقات فهى ثابتة عنه اما متواترة او مشهورة عنه.

پہلا درجہ: مسائل الاصول کا ہے انہیں ظاهر الروایۃ بھی کہاجاتا ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جوائمہ مذہب یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اجمعین سے منقول ہیں۔ ان حضرات کوائمہ ثلاثہ بھی کہاجاتا ہے۔ بسااوقات ان کے ساتھ امام زفر، امام حسن رحمہا اللہ اجمعین وغیرہ کوجنہوں نے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے علم فقہ حاصل کیا ہے ملا دیا جاتا ہے، لیکن ظاہر الروایت کے بارے میں غالب یہی ہے کہ یاتو وہ تینوں ائمہ کرام علیہم الرضوان کا قول ہوتا ہے یاان میں سے بعض کا، پھر یہ کہ ان مسائل جنہیں ظاهر الروایۃ یا مسائل الاصول کہاجاتا ہے وہ ہیں جوامام محمد علیہ الرحمۃ کی ان کتب المبسوط ،الزیادات ،الجامع الصغیر ،السیر الصغیر ،الجامع الکبیر ،السیر الکبیر میں مذکور ہیں۔ ان کتب کوظاهر الروایۃ اس لیے کہاجاتا ہے کیونکہ یہ کتب امام محمد علیہ الرحمۃ سے قابل اعتماد لوگوں کی روایت سے منقول ہیں۔ ان کتب کا آپ علیہ الرحمۃ سے منقول ہونایاتو بطریق تواتر ثابت ہے یابطریق مشہور۔

(**الثانية**) مسائل النوادر ،وهى مسائل مروية عن اصحاب المذكورين لكن لافى

الکتب المذکورۃ بل اما فی کتب اخر لمحمد غیرھا کالکیسانیات ،والھارونیات ، والجرجانیات ،والرقیات وانما قیل لھا غیر ظاھر الروایۃ لانھا لم ترو عن محمد بروایات ظاھر ثابتۃ صحیحۃ کالکتب الاولی و اما فی کتب غیر محمد ککتاب المجرد للحسن بن زیاد وغیرھا .ومنھا: کتب الامالی لابی یوسف والامالی جمع املاء وھو ان یقعد العالم وحولہ تلامذتہ بالمحابر والقراطیس فیتکلم العالم بما فتحہ اللہ تعالی علیہ من ظھر قلبہ فی العلم، وتکتبہ التلامذۃ ثم یجمعون ما یکتبونہ فیصیر کتابا فیسمونہ الاملاء والامالی. وکان ذلک عادۃ السلف من الفقہاء والمحدثین واھل العربیۃ وغیرھا فی علومھم فاندرست لذھاب العلم والعلماء والی اللہ المصیر، وعلماء الشافعیۃ یسمون مثلہ تعلیقۃ ،واما بروایات مفردۃ مثل روایۃ ابن سماعۃ ومعلی بن منصور وغیرھما فی مسائل معینۃ.

دوسرا درجہ: مسائل النوادر کا ہے اور یہ وہ مسائل ہیں جو مذکورہ ائمہ مذہب سے منقول ہیں۔ لیکن یہ مسائل کتب مذکورہ میں تحریر نہیں ہیں بلکہ امام **محمد** علیہ الرحمۃ کی دیگر کتب میں مذکور ہیں جیسے کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات ان کتب کو غیر ظاہر الروایت اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ کتب امام **محمد** علیہ الرحمۃ سے بطریق ظاہر صحیح اور ثابت نہیں جیسا کہ پہلے والی کتب منقول ہیں۔ اور رہی امام **محمد** علیہ الرحمۃ کے علاوہ دیگر حضرات کی کتب جیسے امام حسن بن زیاد علیہ الرحمۃ کی کتاب المجرد وغیرہ، یونہی امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کی امالی تو وہ بھی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ امالی املاء کی جمع ہے املاء اسے کہتے ہیں کہ ایک عالم مجلس میں بیٹھ جائے اور اس کے اردگرد اس کے شاگرد کاغذ اور دوات سنبھالے بیٹھ جائیں۔ پس اللہ عزوجل نے علوم کے جو باب اس عالم پر کھولے اس کے تلامذہ ان باتوں کو لکھ لیں، پھر جب وہ ان لکھی ہوئی باتوں کو جمع کریں تو وہ مستقل ایک کتاب ہو جاتی ہے جسے املاء یا امالی کہتے ہیں۔ اپنے موافق علوم میں طریقہ املاء اختیار کرنا ہمارے اسلاف فقہاء، محدثین اور عربی ادب کے ماہرین کا عمل تھا۔ علم اور علماء کے جانے سے اب یہ طریقہ کار گویا کہ عنقاء (ناپید) ہو چکا ہے۔ اللہ عزوجل ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ شوافع علماء اس طرح کی تحریر کو تعلیق کہتے ہیں یا وہ مسائل ایک ہی راوی کے ذریعے منقول ہوں جیسا کہ ابن سماعہ اور معلی

بن منصور وغیرہ(۱) کی مخصوص مسائل سے متعلق روایات۔

ضمنی فوائد

(۱) ابن سماعہ اور منصور بن معلّٰی کی کتابوں کو نوادر کہا جاتا ہے نہ کہ مسائل الاصول یعنی ان کی کتابوں کا شمار مسائل النوادر میں ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ غیر ظاهر الروایۃ کتابوں کا درجہ ظاهر الروایۃ کے مقابلے میں ادنی ہے۔اسی وجہ سے جب احکام مسائل میں اختلاف ہوجائے توظاهر الروایۃ کو لیا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ کتب مذہب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کی سند بھی قوی ترین ہے۔ ہاں جہاں تک مسائل الواقعات اور فتاوی کا تعلق ہے توان کا مرتبہ ماقبل ذکر کردہ کتب کے بعد کا ہے ،کیونکہ ان دونوں کتابوں کے مسائل اصحاب مذہب کے اقوال پر مشتمل ہیں۔بہر حال مسائل الفتاوی اور الواقعات مخرجین کے اقوال کی تخریجات ہیں۔اس طرح مذہب حنفی کی بنیاد مجموعی طور پر تین قسم کی کتابوں پر مشتمل ہے۔ (تتارخانیہ ،المقدمۃ،ج ۱،ص ۲۲)۔

(الثالثۃ) الفتاوی والواقعات وھی مسائل استنبطھا المجتھدون المتأخرون لماسئلوا عن ذلک ولم یجدوا فیھا روایۃ عن اھل المذھب المتقدمین وھم اصحاب ابی یوسف ومحمد واصحاب اصحابھما وھلم جرا ،وھم کثیرون ،موضع معرفتھم کتب الطبقات لاصحابنا وکتب التواریخ.

فمن اصحاب ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالی مثل عصام بن یوسف وابن رستم ومحمد بن سماعۃوابی سلیمان الجوزجانی وابی حفص البخاری ومن بعدھم مثل محمد بن سلمۃ ومحمد بن مقاتل ونصیر بن یحیی وابی النصر القاسم بن سلام وقد یتفق لھم ان یخالفوہ اصحاب المذھب لدلائل واسباب ظھرت لھم.

تیسرا درجہ فتاوی اور واقعات کا ہے۔یہ وہ مسائل ہیں جنہیں متاخرین مجتہدین نے اس وقت مستنبط کیا جب کہ ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا اور انہوں نے اس بارے میں متقدمین اہل مذہب کی کوئی روایت نہیں پائی ۔یہ متاخرین مجتہدین صاحبین کے بلاواسطہ اور

بالواسطہ شاگرد ہیں۔اوران کی تعداد کثیر ہے۔ان کے حالات جاننے کے لئے احناف کی کتب طبقات اور تاریخ کی کتب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔صاحبین کے بعض شاگردوں کے نام یہ ہیں عصام بن یوسف، ابن رستم محمد بن سماعہ، اور ابوسلیمان جوزجانی، ابوالحفص بخاری اوران کے بعدوالے حضرات کے اسماء یہ ہیں محمد بن سلمۃ محمد بن مقاتل، نصیر بن یحیی اور ابونصر قاسم بن سلام کبھی متاخرین مجتہدین ان دلائل اوراسباب کی وجہ سے جوان پر ظاہر ہوتے ہیں ائمہ مذہب سے اختلاف پر متفق ہوتے ہیں۔

کتب النوازل والواقعات

واول كتاب جمع في فتواهم فيما بلغنا كتاب النوازل للفقيه ابى الليث السمرقندى ثم جمع المشائخ بعده كتبا اخر، كمجموع النوازل والواقعات للناطفي، والواقعات للصدر الشهيد. ثم ذكر المتأخرون هذه المسائل مختلطة غير مميزة كما في فتاوى قاضي خان والخلاصة وغيرهما ،وميز بعضهم كما في كتاب المحيط لرضي الدين السرخسي، فانه ذكر اولاًمسائل الاصول ثم النوادر ثم الفتاوى، ونعم مافعل.

کتب نوازل اور واقعات

ہماری معلومات کے مطابق وہ پہلی کتاب جس میں ان متاخرین مجتہدین کے فتاوی کو جمع کیا گیا ہے فقیہ ابواللیث سمرقندی کی کتاب النوازل ہے۔پھر مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام(۱) نے اس کے بعد دیگر کتب کو جمع کیا جن میں امام ناطفی علیہ الرحمۃ کی مجموع النوازل اور واقعات اور صدر شہید کی واقعات ہے۔پھر متاخرین علماء نے ان مسائل کو باہم ملاکر لکھا ہے جیسا کہ فتاوی قاضی خان ،خلاصۃ الفتاوی وغیرہ کا طرز ہے اور بعض حضرات نے ان مسائل کو الگ الگ کر کے بیان کیا ہے جیسا کہ رضی الدین سرخسی کی کتاب المحیط میں ہے ۔انہوں نے اپنی کتاب میں اولاً مسائل الاصول کو ذکر کیا ہے پھر نوادر کو اوراس کے بعد فتاوی کو ذکر کیا ہے اوران کا یہ کام زبردست ہے۔

ضمنی فائدہ

(ا) معروف یہ ہے کہ لفظِ مشائخ کا اطلاق ان حضرات پر ہوتا ہے جو آئمہ کرام کے بعد آئے ہیں
(فتاوی رضویہ مخرجہ ،ج:۳،ص:۴۴۳)

نسخ المبسوط وشروحه

(واعلم) ان نسخ المبسوط المروی عن محمد متعددة واظهرها مبسوط ابی سليمان الجوزجانی وشرح المبسوط جماعة من المتأخرين مثل شيخ الاسلام بكر المعروف بخواهر زاده ويسمى المبسوط الكبير، وشمس الائمة الحلوانی وغيرهماومبسوطاتهم شروح فی الحقيقة ،ذكروهامختلطة بمبسوط محمد كما فعل شراح الجامع الصغير مثل فخر الاسلام وقاضی خان وغير هما ،فيقال ذكره قاضی خان فی الجامع الصغير والمراد شرحه وكذا فی غيره. انتهی ملخصا من شرح البيری على الاشباه وشرح الشيخ اسماعيل النابلسی على شرح الدرر.

المبسوط کے نسخے اور اس کی شروحات

جان لیجئے! کہ امام محمد علیہ الرحمۃ سے مروی المبسوط کے متعدد نسخے ہیں ان میں سب سے مشہور نسخہ ابو سلیمان جوز جانی کا ہے۔ متاخرین علماء مثلاً شیخ الاسلام بکر جو کہ خواہر زادہ کے لقب سے مشہور ہیں وغیرہ نے مبسوط کی شرح کی ہے، ان کی شرح کا نام المبسوط الکبیر ہے۔ یونہی شمس الائمہ حلوانی نے بھی اس کی شرح کی ہے یہ تمام مبسوطات دراصل المبسوط کی شروحات ہیں جنہیں ان حضرات نے امام محمد علیہ الرحمۃ کی المبسوط کی عبارت کے ساتھ ملا کر لکھا ہے جیسا کہ الجامع الصغیر کے شارحین مثلاً فخر الاسلام اور قاضی وغیرہ نے اس طرز پر شرح لکھی ہے، پس کہا جاتا ہے کہ قاضی خان نے اس مسئلہ کو الجامع الصغیر میں ذکر کیا ہے اور اس سے مراد الجامع الصغیر کی شرح ہوتی ہے اور یونہی دیگر کے بارے میں۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ یہ تمام بحث امام بیری کی شرح الاشباہ اور شیخ اسماعیل نابلسی کی شرح درر سے تلخیصاً ذکر کی گئی ہے۔

عدم الفرق بين ظاهر الرواية ورواية الاصول

(هذا) وقدفرق العلامة ابن كمال باشا بين رواية الاصول وظاهر الرواية حيث قال فی شرحه علی الهداية فی مسئلة حج المرأة ماحاصله:" انه ذكر فی مبسوط السرخسی ان ظاهر الرواية انه يشترط ان تملك قدر نفقة محرمها وانه ذكر فی المحيط والذخيرة انه روی الحسن عن ابی حنيفة انها اذاقدرت علی نفقة نفسهاو نفقة محرمها لزمها الحج، واضطربت الروايات عن محمد "اھ.

ثم قال:" ومن هنا ظهر ان مراد الامام السرخسی من ظاهر الرواية رواية الحسن عن ابی حنيفة واتضح الفرق بين ظاهر الرواية ورواية الاصول اذا المراد من الاصول المبسوط والجامع الصغيروالجامع الكبير والزيادات والسير الكبير، وليس فيها رواية الحسن بل كلها رواية محمد ،وعلم ان رواية النوادر قد تكون ظاهر الرواية، والمراد من رواية النوادر رواية غير الاصول المذكورة، فاحفظ هذا فان شراح هذا الكتاب قد غفلوا عنه وقد صرح بعضهم بعدم الفرق بين ظاهر الرواية ورواية الاصول، وزعم ان رواية النوادر لاتكون ظاهر الرواية" اھ.

ظاہر الروایۃ اور روایۃ الاصول میں فرق کا ناپایا جانا

علامہ ابن کمال پاشانے روایۃ الاصول اور ظاہر الروایۃ کے درمیان اس طرح فرق کیا ہے،انہوں نے شرح ھدایۃ میں عورت کے حج کا مسئلہ بیان کیا،جس کا خلاصہ یہ ہے:" مبسوط سرخسی میں ہے کہ ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ عورت پر حج فرض ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ عورت اپنے محرم کے نفقہ کے مقدار مال کی بھی مالک ہو،اور محیط اور ذخیرہ میں مذکور ہے کہ امام حسن نے امام اعظم علیہ الرحمۃ سے نقل کیا کہ عورت جب کہ اپنے اور اپنے محرم کے نفقہ پر قادر ہوتو اس پر حج فرض ہے(۱)،اس بارے میں امام محمد علیہ الرحمۃ سے منقول روایات مضطرب ہیں،اس کے بعد علامہ ابن پاشانے فرمایا کہ یہیں سے ظاہر ہوا کہ یہاں ظاہر الروایت سے امام سرخسی کی مراد وہ روایت ہے جسے امام حسن نے امام اعظم سے نقل کیا ہے۔اس تفصیل سے ظاہر الروایۃ اور روایۃ الاصول کے مابین فرق ظاہر ہوگیا کیونکہ اصول سے مراد مبسوط،اور الجامع الصغیر ،الجامع الکبیر ،الزیادات اور السیر الکبیر ہیں۔اوران کتب میں امام حسن کی روایت موجود

نہیں ہے بلکہ اس میں مذکور تمام ہی روایات امام محمد کی ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ نوادر کی روایات بسا اوقات ظاهر الرواية ہوتی ہیں اور نوادر کی روایت سے مراد اصول کے علاوہ بقیہ کتب کی روایات ہیں۔ اس نکتہ کو ذہن نشین کر لیجئے کیونکہ هداية کے شارحین بھی اس نکتہ سے غافل رہے بلکہ بعض شارحین نے تو ظاهر الرواية اور رواية الاصول کے درمیان فرق نہ ہونے کی صراحت کی ہے اور بعض نے یہ گمان کیا ہے کہ نوادر الرواية، ظاهر الرواية نہیں ہو سکتی۔

ضمنی فوائد

(۱) مذکورہ مسئلہ کی تفصیل کیلئے بنایہ شرح الهداية اور ردالمحتار کی عبارات پیش خدمت ہیں:

(**حتى لايسافر بها من غير محرم ،ونفقة المحرم عليها**)،اى على المرأة (**لانها تتوسل به**) اى المحرم (**الى اداء الحج**)وبه قال احمد ،وقال صاحب التحفة :اذا لم يخرج المحرم الا بنفقة منها هل تجب عليها نفقته، ذكر فى شرح القدورى رحمه الله انما تجب عليها نفقته ،لانها لا تتمكن من الحج الا بالمحرم ،كما لا تتمكن الا بالزاد والراحلة ،وذكر فى شرح الطحاوى رحمه الله انما تجب عليها نفقته ،ولا يجب عليها الحج .وفى التجريد :قال ابوحفص رحمه الله لا يجب عليها الحج حين يخرج المحرم بمال نفسه ،فى القدورى :تنفق على محرمها للحج بها ،في المرغيناني:لا تجب نفقة المحرم ،او الزوج عليها ،وفى المبسوط :عن محمد رحمه الله لاتجب نفقة المحرم عليها ،وفى القنية :كل من قال :المحرم يمنع الوجوب ،هو الصحيح لقوله :لاتجب نفقة المحرم عليها ،وعند الشافعى رضى الله عنه :لايجب الحج عليها حتى تجد رفيقاً محرماًاونسوة ثقات ،ولو بأجرة على الاظهر.

(البناية شرح هداية، كتاب الحج ،فصل المواقيت الذى لا يجوز،ج٤،ص١٥٤)

(**مع وجوب النفقة الخ**) اى فيشترط ان تكون قادرة على نفقتها ونفقتة .قوله :(**لمحرمها**) قيد به لانه لو خرج معها زوجها فلا نفقة له عليها بل هى لها عليه النفقة ،وان لم يخرج معها فكذلك عند ابى يوسف ،وقال محمد :لا نفقة لها لانها مانعة نفسها بفعلها سراج .قوله (**لانه محبوس عليها**) اى حبس نفسه

لاجلها، ومن حبس نفسه لغيره فنفقته عليه ۔

(ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبد، ج۳، ص٤٦٤)

(اقول) لايخفى عليك ان قول المحيط والذخيرة ان هذه رواية الحسن عن ابى حنيفة لايلزم منه ان تكون مخالفة لرواية الاصول فقد يكون رواها الحسن فى كتب النوادر ورواهامحمد فى كتب الاصول وانما ذكر رواية الحسن لعدم الاضطراب عنه بدليل قوله واضطربت الروايات عن محمد وحينئذفقول السرخسى انهاظاهر الرواية معناه ان محمدا ذكرها فى كتب الاصول فهى احدى الروايات عنه.

وحينئذ فلم يلزم منه ان رواية النوادر قد تكون ظاهر الرواية نعم تكون ظاهر الرواية اذا ذكرت فى كتب الاصول ايضا كهذه المسئلة فان ذكرها فى كتب النوادر لايلزم منه ان لايكون لها فى كتب الاصول وانما يصح ماقاله ان لوثبت ان هذه المسئلة لاذكرلها فى كتب ظاهر الرواية وعبارة المحيط والذخيرة لاتدل على ذلك وحينئذ فلاوجه لجزمه بالغفلة على شراح الهداية الموافق كلامهم لما قدمناه والله تعالى اعلم .

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں کہ آپ پر مخفی نہیں ہے کہ محیط و ذخیرہ کا یہ قول کہ حسن نے امام اعظم علیہ الرحمۃ سے یہ روایت نقل کی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اصول کی روایت کے مخالف ہے کہ بسا اوقات امام حسن علیہ الرحمۃ ایک روایت کو نوادر میں ذکر کرتے ہیں خود امام محمد علیہ الرحمۃ نے اسے کتاب الاصول میں ذکر کیا ہوتا ہے اور یہاں امام حسن کی روایت ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ روایت مضطرب نہیں ہے۔ دلیل ان کا یہ قول ہے کہ امام محمد علیہ الرحمۃ سے منقول روایات مضطرب ہیں اور اس وقت امام سرخسی علیہ الرحمۃ اللہ القوی کا قول کہ ظاہر الروایۃ کے معنی یہ ہیں کہ اس روایت کو امام محمد علیہ الرحمۃ نے بھی کتب اصول میں ذکر کیا اور آپ علیہ الرحمۃ سے منقول ایک روایت یہ بھی ہے، تو اس وقت اس سے یہ لازم نہیں کہ روایۃ النوادر کبھی ظاہر الروایۃ ہوتی ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ظاہر الروایۃ جب کہ کتب اصول میں بھی منقول ہو

جیسا کہ یہ مسئلہ اگر کتب نوادر میں بھی ذکر کیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ وہ کتب اصول میں مذکور نہ ہو۔علامہ ابن پاشا علیہ الرحمۃ کی بات اس وقت درست ہوگی جب کہ یہ ثابت ہو کہ یہ روایت کتب ظاہر الروایۃ میں موجود نہیں ہے اور رہی محیط اور ذخیرہ کی عبارات، تو یہ مذکورہ بات کی دلیل نہیں پس اسی صورت میں شارحین ھدایۃ کے اس نکتہ سے غافل ہونے کا جزم کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ان شارحین کا کلام اس توجیہ کے مطابق ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)۔

تحقیق لفظ السیر

السیر جمع سیرۃ وھی الطریقۃ فی الامور،وفی الشرع تختص بسیرۃ النبی ﷺ فی مغازیہ کذا فی الھدایۃ ......[1] قال فی المغرب :"وقالوا السیر الکبیر فوصفوھا بصفۃ المذکر لقیامھا مقام المضاف الذی ھو کتاب، کقولھم صلاۃ الظھر وسیر الکبیر خطأ کجامع الصغیر وجامع الکبیر......[2]" انتھی وحینئذ فالسیر الکبیر بکسر السین وفتح الیاء علی لفظ الجمع لابفتح السین وسکون الیاء علی لفظ المفرد کما ینطق بہ بعض من لامعرفۃ لہ .

لفظِ السیر کی تحقیق

السیر، سیرۃ کی جمع ہے "مختلف کاموں کو انجام دینے میں جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اسے سیرت کہتے ہیں۔اصطلاح میں نبی پاک ﷺ کے جنگ کے دوران اختیار کئے گئے طریقے کو سیر کہتے ہیں اسی طرح ھدایۃ میں ہے"۔مغرب میں فرمایا"اہل عرب کہتے ہیں السیر الکبیر ،السیر کی صفت مذکر ذکر کرتے ہیں کہ یہ صفت مضاف جو کہ کتاب ہے اس کے قائم مقام ہے۔جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں صلاۃ الظھر اور السیر الکبیر کو سیر الکبیر پڑھنا درست نہیں جیسا کہ الجامع الصغیر کو جامع الصغیر کہنا درست نہیں ہے"(ان کا کلام مکمل ہوا)۔پس اس صورت میں السیر الکبیر سین کے کسرہ اور یاء کے فتح کے ساتھ جمع کا صیغہ ہے،سین کے فتح اور یاء کے سکون کے ساتھ مفرد لفظ نہیں جیسا کہ بعض نادان اس کا یوں تلفظ کرتے ہیں۔

ضمنی فوائد

۱۔۔۔۔۔۔هداية ، كتاب السير ، ج ٤ ، ص ١٩١ ۔

۲۔۔۔۔۔۔المغرب في ترتيب المعرب ، باب السين المهملة ، السين مع الياء التحتانية ۔

☆۔۔۔۔۔۔ واشتهر المبسوط بالاصل وذا لسبقه الستة تصنيفا كذا

مبسوط اصل کے نام سے مشہور ہے اور یہ اس کی دیگر تصانیف پر سبقت رکھنے کی وجہ سے ہے۔

☆۔۔۔۔۔۔ الجامع الصغير بعده فما فيه على الاصل لذا تقدما

مبسوط کے بعد الجامع الصغير باقی کتابوں سے مقدم ہے لہذا جوابات الجامع الصغير میں ہے وہ اسی وجہ سے مبسوط سے مقدم ہے۔

☆۔۔۔۔۔۔ وآخر الستة تصنيفا ورد السير الكبير فهو المعتمد

چھ میں سب سے آخری منقول تصنیف السير الكبير ہے، پس یہی معتمد ہے۔

روايات الاصول وغيرها

قدمنا ان كتب ظاهر الرواية تسمى بالاصول ومنه قول الهداية في باب التيمم ۱۔۔۔۔۔۔ "وعن ابى حنيفة وابى يوسف فى غير رواية الاصول ۔۔۔۔۔۔الخ" قال الشراح۔۔۔۔۔۔ ۲۔۔۔۔۔۔ "هناك رواية الاصول رواية الجامعين والزيادات والمبسوط ورواية غير الاصول رواية النوادر والامالى والرقيات والكيسانيات والهارونيات "انتهى. وكثيرا مايقولون:" ذكره محمد فى الاصل، ويفسره الشراح بالمبسوط، فعلم ان الاصل مفردا هو المبسوط، اشتهر به من بين باقى كتب الاصول".

(وقال) فى البحر فى باب صلاة العيد عن غاية البيان:" سمى الاصل اصلا لانه صنف اولاثم الجامع الصغير ثم الكبير ثم الزيادات۔۔۔۔۔۔ ۳۔۔۔۔۔۔" انتهى. وقال: "ان الجامع الصغير صنفه محمد بعد الاصل فمافيه هوالمعول عليه "انتهى۔۔۔۔۔۔ ۴۔۔۔۔۔۔ .

اصول وغیرہ کی روایات

یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کتب ظاھر الروایۃ ہی کو مسائل الاصول بھی کہتے ہیں اس کی ایک دلیل صاحبِ ھدایۃ کا یہ قول ہے جو کہ باب التیمم میں ہے ﴿وعن ابی حنیفۃ و ابی یوسف فی غیر روایۃ الاصول﴾ امام اعظم اور امام ابو یوسف سے روایۃ الاصول کے علاوہ ایک روایت منقولہ یہ بھی ہے۔ شارحین نے یہاں ارشاد فرمایا کہ'' روایۃ الاصول سے مراد الجامع الصغیر ،الجامع الکبیر ،زیادات اور مبسوط کی روایات ہیں اور روایات غیر الاصول سے مراد نوادر، امالی، رقیات، کیسانیات، ہارونیات کی روایات ہیں'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ متعدد بار علماء فرماتے ہیں کہ اسے امام محمد علیہ الرحمۃ نے اصل میں بیان کیا ہے اور شارحین اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ اصل سے مراد مبسوط ہے تو معلوم ہو گیا لفظ اصل جب مفرد استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد مبسوط ہوتا ہے۔ اصول کی تمام ہی کتب میں مبسوط اس نام کے ساتھ مشہور ہے۔

بحر الرائق باب صلوۃ العید میں علامہ ابن نجیم نے غایۃ البیان کے حوالے سے فرمایا: ''اصل کو اصل اس لیے کہتے ہیں کیونکہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے سب سے پہلے اس کتاب کو تحریر کیا، پھر الجامع الصغیر، پھر الجامع الکبیر، پھر زیادات تحریر فرمائیں'' (یہ کلام مکمل ہوا)۔

نیز بحر الرائق میں یہ بھی ہے کہ: ''الجامع الصغیر کو امام محمد علیہ الرحمۃ نے اصل کے بعد تحریر کیا ہے اسی لیے جو مسئلہ الجامع الصغیر میں ہوگا اسی پر عمل کیا جائے گا'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فوائد

۱...... ھدایۃ مع بدایۃ المبتدی، کتاب التیمم، ج ۱، ص ۹۴۔

۲...... العنایۃ علی ھامش فتح القدیر، کتاب الطھارۃ، باب التیمم، ج ۱، ص ۱۳۹۔

۳...... البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب تحب صلوۃ العید علی من تحب علیہ الجمعۃ، ج ۲، ص ۲۴۷۔

۴...... المرجع السابق۔

سبب التألیف للجامع الصغیر

وسبب تالیفه انه طلب منه ابو یوسف ان یجمع له کمایرویه عنه ابی حنیفة، فجمعه له ثم عرضه علیه فاعجبه وهو کتاب مبارک یشتمل علی الف وخمسمائة واثنین وثلاثین مسئلة کماقال البزدوی، وذکر بعضهم ان ابایوسف مع جلالة قدره لایفارقه فی سفر ولا حضر، وکان علی الرازی یقول: "من فهم هذالکتاب فهو افهم اصحابنا ،وکانوا لایقلدون احدا القضاء حتی یمتحنوه به"

جامع صغیر کی تالیف کا سبب

الجامع الصغیر کی تالیف کا سبب یہ بنا کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے امام محمد علیہ الرحمۃ سے یہ مطالبہ کیا وہ ایک ایسی کتاب مرتب کریں جس میں ان کی سند کے ساتھ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے اقوال کو ذکر کیا گیا ہو۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے حسبِ حکم کتاب لکھ کر امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں پیش کی۔ آپ علیہ الرحمۃ اس کتاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ یہ انتہائی بابرکت کتاب ہے۔ امام بزدوی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے قول کے مطابق یہ کتاب "۱۵۳۲" مسائل پر مشتمل ہے۔ بعض حضرات نے ذکر کیا کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ جلیل القدر عالم ہونے کے باوجود سفر وحضر میں اس کتاب کو اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ امام علی رازی فرمایا کرتے جو اس کتاب کو سمجھ لے وہ ہمارے اصحاب میں سب سے ذہین شمار کیا جاتا تھا۔ احناف کسی کو عہدۂ قضاء پر اس وقت تک مقرر نہ کرتے جب تک الجامع الصغیر سے اس کا امتحان نہ لے لیتے۔

(وفی) غایة البیان عن فخر الاسلام: "ان الجامع الصغیر لما عرض علی ابی یوسف استحسنه وقال: حفظ ابو عبدالله الا مسائل خطا فی روایتها عنه فلما بلغ ذلک محمدا، قال محمد: انا حفظتها ولکنه نسی وهی ست مسائل ذکرها فی البحر فی باب الوتر والنوافل......"

غایة البیان میں امام فخر الاسلام علیہ رحمۃ اللہ السلام سے منقول ہے کہ الجامع الصغیر جب امام ابو یوسف کی بارگاہ میں پیش کی گئی تو آپ علیہ الرحمۃ نے اس کی تعریف وتوصیف بیان کی اور فرمایا "ابو عبداللہ محمد علیہ الرحمۃ نے مسائل اچھی طرح یاد کئے ہیں، ہاں امام اعظم سے مسائل نقل کرنے

میں ان سے کچھ مسائل میں خطا ہوئی ہے۔ جب یہ خبر امام **محمد** علیہ الرحمۃ کو ہوئی تو آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا میں نے وہ مسائل بھی اچھی طرح یاد کئے ہیں لیکن خود امام **ابو یوسف** علیہ الرحمۃ ان مسائل کو بھول گئے ۔وہ چھ مسائل ہیں (۱) جنہیں **بحر الرائق باب الوتر والنوافل** میں ذکر کیا گیا ہے۔

ضمنی فوائد

۱......البحر الرائق ، کتاب الصلاۃ، باب الوتر ،ج ۲، ص ۱۰۸۔

(۱) یہاں ہم ان چھ مسائل کو بالترتیب ذکر کئے دیتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱: نماز میں ترک قرائت کا مسئلہ۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے چار رکعت نفل نماز پڑھی اور اس میں پہلی اور تیسری رکعت میں قرأت کی تو اس کے متعلق امام **محمد** علیہ الرحمۃ نے **الجامع الصغیر** میں لکھا ہے کہ اس شخص کو چار رکعت نماز قضاء کرنی ہوگی ،اور امام **یوسف** علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ''میں نے مذکورہ بالا مسئلہ کے متعلق صرف دو رکعت قضاء کرنے کا قول نقل کیا ہے''۔

مسئلہ نمبر۲: مستحاضہ عورت کا وضو خروجِ وقت سے ٹوٹے گا یا دخولِ وقت سے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مستحاضہ عورت یا معذور شخص کا وضو، امام **محمد** علیہ الرحمۃ کے جامع صغیر میں ذکر کردہ قول کے مطابق خروج وقت سے ٹوٹے گا اور امام **ابو یوسف** علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے اس معاملے میں دخولِ وقت کا اعتبار کیا ہے۔

مسئلہ نمبر۳: غصب شدہ غلام کو غاصب نے فروخت کر دیا پھر مشتری نے اس غلام کو آزاد کر دیا پس اگر اصل مالک اس بیع کو جائز کر دے تو آزادی بھی ثابت ہو جائیگی اور امام **محمد** علیہ الرحمۃ کے نزدیک غلام آزاد ہو جائے گا جب کہ امام **ابو یوسف** کہتے ہیں اس صورت میں آزادی ثابت نہیں ہوگی۔

بحر الرائق کی عبارت ملاحظہ فرمائیں ''**وان باع المغصوب فضمنه المالك نفذ بيعه وان حرره ثم ضمنه لا اى لو باع الغاصب المغصوب او اعتقه ثم ضمنه المالك قيمته نفذ بيعه ولا ينفذ عتقه :والفرق بينهما ان ملك الغاصب ناقص ،لانه يثبت مستندا ،او ضرورة ،الخ**'' (بحر الرائق ، کتاب الغصب ،ج۸،ص ۲۳۸)

مسئلہ نمبر۴: عورت دار الحرب سے دار الاسلام کی جانب ہجرت کر کے آئی اور اسلام قبول کر لیا تو اس پر عدت نہیں ہے اس سے فی الفور نکاح جائز ہے بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو یہ امام **محمد** علیہ الرحمۃ کا قول ہے

جب کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: نومسلمہ مہاجرہ حاملہ ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اس سے نکاح جائز ہے ہاں حاملہ ہونے کی صورت میں اس سے قربت نہیں کی جائے گی۔

بحر الرائق میں ہے: فان منها ماإذا خرجت المراة مسلمة او ذمية وتركت زوجها فى دار الحرب فا فادانها اذا بانت فلا عدة عليها ان لم تكن حاملا فتزوج للحال عند الامام وقالا صاحباه عليها العدة وقيد بالحامل لان الحامل لايصح العقد عليها حتى تضع حملها.

تتارخانیہ میں بھی ہے کہ ''فان كان الخارج هو المرأة فلا عدة عليها عند ابى حنيفة خلافالهما ...... وان كانت حاملا لم تتزوج حتى تضع حملها وعن ابى حنيفة انه يصح النكاح ولا يقربها زوجها حتى تضع.

(تتارخانيه، كتاب الطلاق، نوع منه فى نكاح اهل الحرب، ج٣، ص١٢٩)

فتح القدیر میں ہے: اذا خرج احد الزوجين مهاجرا وقعت الفرقة وهذا اذا كان الخارج منهما المراة ووقعت الفرقة اتفاقا هل عليها العدة؟ فيها الخلاف، عندابى حنيفة لا فتزوج للحال الا ان تكون حاملا فتكون تربص وقال ابويوسف: لا يقع عليها وقال محمد :يقع.

(فتح القدير، كتاب النكاح، باب نكاح اهل الشرك، ج٣ ص ٤٠٥)

مسئلہ نمبر ۵: دو بھائیوں کے مشترکہ غلام نے اپنے آقاؤں کے باپ کو قتل کردیا، اور ان دونوں بھائیوں میں سے ایک نے قاتل کو معاف کر دیا تو اس قاتل پر قصاص یا دیت وغیرہ لازم ہوگی ہے یا نہیں؟ خلاصہ یہ ہے کہ اگر دو بھائیوں کا ایک مشترکہ غلام ہو اور وہ غلام اپنے آقاؤں کے والد کو قتل کردے اور ان دونوں میں سے ایک بھائی اس غلام کو معاف کردے تو، امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس غلام پر دیت اور قصاص نہیں ہے، جبکہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: جس بھائی نے معاف کیا ہے وہ دوسرے بھائی کو چوتھائی دیت، یا غلام کی نصف قیمت ادا کرے گا۔

(البحر الرائق، كتاب الديات، باب جناية المملوك، ج ٩، ص ٢٢٥)

مسئلہ نمبر ۶: ایک شخص مرضِ موت میں ہے، اور اس کا ایک غلام اور ایک بیٹا ہے، آقا کے مرنے کے بعد غلام نے دعوی کیا کہ حالت صحت میں آقا نے مجھے آزاد کر دیا تھا اور ایک آدمی نے دعوی کیا کہ

آپ کے والد پر میرا ۵۰۰ روپے کا قرض تھا، اس بیٹے نے غلام اور قرض خواہ دونوں کی تصدیق کردی، تو اس صورت میں کیا ہوگا؟؟ امام **محمد** علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ وہ غلام آزاد ہو جائیگا اور وہ کام کاج کر کے بمقدارِ قرض رقم جمع کرے گا اور قرض خواہ کو ادا کرے گا۔ **امام ابو یوسف** علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے **امام اعظم** علیہ الرحمۃ سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ فوری طور پر آزاد نہ ہوگا بلکہ وہ کام کاج کر کے بمقدارِ قرض رقم جمع کرے گا پھر وہ رقم ادائیگی قرض کی مد میں قرض خواہ کو دی جائیگی اس کے بعد غلام آزاد ہوگا اس سعی کے عرصہ میں وہ بدستور غلام ہی رہے گا۔

بحر الرائق میں ہے: **رجل مات، وترک ابنا له وعبدا، لا غیر. فادعی العبد: ان المیت کان اعتقه فی صحته. وادعی رجل علی المیت الف دینار. وقیمة العبد الف. فقال الابن: صدقتما. یسعی العبد فی قیمته وهو حر ویاخذه الغریم بدینه وقال ابو یوسف: انما رویت لک: مادام یسعی فی قیمته انه عبد.**

(البحرالرائق، کتاب الصلوۃ، باب الوتر، ج۲، ص۱۰۸)۔

الفرق بین الصغیر والکبیر

(وقال) **فی البحر فی بحث التشهد: "کل تالیف لمحمد بن الحسن موصوف بالصغیر فهو باتفاق الشیخین ابی یوسف ومحمد بخلاف الکبیر فانه لم یعرض علی ابی یوسف"** ......[1]......**انتهی.**

صغیر وکبیر میں فرق

بحر الرائق ،تشہد کی بحث کے ضمن میں ہے کہ "امام **محمد** کی ہر وہ تالیف جو صغیر کے ساتھ موصوف ہے وہ صاحبین کی متفق علیہ کتب ہیں، بخلاف ان کتب کے جو لفظ کبیر کے ساتھ موصوف ہیں کیونکہ ان کتب کو امام **ابو یوسف** علیہ الرحمۃ کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔

ضمنی فائدہ

[1]......البحرالرائق ،کتاب الصلوۃ،باب التشھد ،ج۱، ص۶۳۰۔

(وقال) المحقق ابن امیر الحاج الحلبی فی شرحه علی المنیة فی بحث

التسمیع :"ان محمدا قرأ اکثر الکتب علی ابی یوسف الا ما کان فیہ اسم الکبیر فانہ من تصنیف محمد کالمضاربۃ الکبیر والمزارعۃ الکبیر والماذون الکبیر والجامع الکبیر والسیر الکبیر ......ا" انتھی.

(وذکر) المحقق ابن الھمام کما فی فتاوی تلمیذہ العلامۃ قاسم:" ان مالم یحک محمد فیہ خلافا فھو قولھم جمیعا".

محقق ابن امیر حاج حلبی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے شرح منیہ المصلی کی بحث التسمیع میں فرمایا کہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے اپنی اکثر کتب کی قرأت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے سامنے کی ہے ماسوا ان کتب کے جن میں لفظ کبیر آتا ہے یہ کتب امام محمد علیہ الرحمۃ کی ہیں جیسا کہ المضاربۃ الکبیر ،المزارعۃ الکبیر ،الماذون الکبیر، الجامع الکبیر ،السیر الکبیر (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

محقق ابن ہمام کے شاگرد علامہ قاسم کے فتاوی میں علامہ ابن ہمام کا یہ قول ذکر کیا گیا ہے "جن مسائل میں امام محمد علیہ الرحمۃ اپنی کتابوں میں اختلاف ذکر نہیں کرتے وہ ائمہ ثلاثہ کی متفق علیہ رائے ہوتی ہے(ا)۔

ضمنی فوائد

ا......رد المحتار علی الدر المختار، المقدمۃ ،مطلب فی طبقات المسائل و کتب الظاھر الروایۃ ،ج ۱ ،ص ۱۷۰۔

(ا) جان لیجئے کہ فقہ حنفی کے مسائل کی تین قسمیں ہیں:

/☆/ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے بیان کردہ مسائل۔

/☆/ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ اور امام محمد علیہ الرحمۃ اور دیگر شاگردوں کے بیان کردہ مسائل۔

/☆/ بعد میں آنے والے فقہاء کرام رحمہم اللہ السلام کے بیان کردہ وہ مسائل جن میں انہوں نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے اصول وقواعد کو پیش نظر رکھا ہے۔

ان تین قسم کے مسائل میں سب سے مقدم پہلے نمبر کے مسائل ہیں ،پھر تیسرے نمبر کے اور پھر دوسرے نمبر کے ،کیونکہ جن مسائل کی بنیاد اول تا آخر امام اعظم علیہ الرحمۃ کے اصولوں پر ہے وہ دیگر ائمہ کے اقوال کی بنسبت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے مذہب کے زیادہ قریب ہیں۔

(آداب فتوی، ص ۱۵۱)

سبب التالیف للسیر الکبیر

(وذکر) الامام شمس الائمة السرخسی فی اول شرحه علی السیر الکبیر: "هو آخر تصنیف صنفه محمد فی الفقه...... ثم قال: وکان سبب تالیفه ان السیر الصغیر وقع بید عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعی عالم اهل الشام فقال لمن هذا الکتاب؟ فقیل لمحمد العراقی، فقال: مالا هل العراق والتصنیف فی هذا الباب؟ فانه لاعلم لهم بالسیر ومغازی رسول الله ﷺ، واصحابه کانت من جانب الشام والحجاز دون العراق فانها محدثة فتحاً، فبلغ ذلک محمدا فغاظه ذلک وفرغ نفسه حتی صنف هذا الکتاب......الخ".

فحکی انه لما نظر فیه الاوزاعی قال: لولاماضمنه من الاحادیث لقلت انه یضع العلم وان الله تعالی عین جهة اصابة الجواب فی رأیه، صدق الله العظیم ﴿وفوق کل ذی علم علیم﴾. ثم امر محمد ان یکتب هذا فی ستین دفترا وان یحمل علی عجلة الی باب الخلیفة، فقیل للخلیفة قد صنف محمد کتابا یحمل علی العجلة الی الباب فاعجبه ذلک وعده من مفاخر زمانه.

السیر الکبیر لکھنے کا سبب

امام شمس الائمہ سرخسی نے السیر الکبیر کی شرح کی ابتداء میں فرمایا: "السیر الکبیر امام محمد علیہ الرحمۃ کی فقہ میں آخری تصنیف ہے۔ پھر فرمایا کہ السیر الکبیر کی تالیف کا سبب یہ بنا کہ السیر الصغیر نامی کتاب شام کے عالم عبدالرحمٰن بن اوزاعی کے ہاتھ آئی تو انہوں نے استفسار کیا کہ یہ کتاب کس نے لکھی ہے؟ تو عرض کیا گیا محمد عراقی نے، یہ سن کر امام اوزاعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اہل عراق کو یہ حق نہیں کہ وہ سِیَر کے میدان میں کوئی تصنیف کریں کیونکہ انہیں سِیَر اور حضور ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی جنگوں کا حال معلوم نہیں، کیونکہ یہ جنگیں شام وحجاز میں ہوئیں عراق میں نہیں، یہ عراق کے محدث ہیں اور عراق تو ابھی حال میں فتح ہوا۔ جب یہ بات امام محمد علیہ الرحمۃ کو پہنچی تو آپ علیہ الرحمۃ جلال میں آگئے اور آپ علیہ الرحمۃ نے اپنی ذات کو دیگر مصروفیات

سے فارغ کر کے اس کتاب کی تصنیف میں مشغول ہو گئے حتی کہ یہ کتاب مکمل ہو گئی۔ منقول ہے کہ امام اوزاعی علیہ الرحمۃ نے اس کتاب کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ کتاب اگر احادیث مبارکہ پر مشتمل نہ ہوتی تو میں یہی کہتا کہ انہوں نے یہ کتاب اپنی طرف سے گھڑی ہے۔ اللہ ﷻ نے ان کی رائے کو درست جواب کی بحث کیلئے متعین فرمایا ہے۔ اللہ ﷻ نے سچ فرمایا ﴿ وفوق کل ذی علم علیم (یوسف:۷۶) ﴾۔ پھر امام محمد علیہ الرحمۃ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کتاب کو ساٹھ رجسٹروں میں لکھا جائے اور ایک گاڑی میں ڈال کر خلیفہ کے دروازے پر پہنچایا جائے، خلیفۂ وقت یہ کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس کتاب کی تصنیف کو اپنے زمانے کے قابلِ فخر کارناموں میں شمار کیا۔

ضمنی فائدہ

......ا...... مطبوعہ رسم المفتی کے متن اور شرح السیر الکبیر للسرخسی کے الفاظ میں کچھ اس طرح کا اختلاف ہے" وفيه مزيد :فلما نظر ازداد اعجابه ثم بعث اولاده الى مجلس محمد رحمه الله ليسمعوا منه هذا الكتاب ،وكان اسماعيل بن توبة القزويني مؤدب اولاد الخليفة ،فكان يحضر معهم ليحفظهم كالرقيب، فسمع الكتاب .ثم اتفق ان لم يبق من الرواة الا اسماعيل بن توبة وابو سليمان الجوزجاني ،فهما رويا عنه هذا الكتاب.

منهج الاخذ للمجتهد والمقلد

(وفی) شرح الاشباه للبيری:" قال علماؤنا اذا كانت الواقعة مختلفا فيها فالافضل والمختار للمجتهد ان ينظر بالدلائل وينظر الى الراجح عنده، والمقلد يأخذ بالتصنيف الاخير وهو السير الان يختار المشائخ المتأخرون خلافه فيجب العمل به ولو كان قول زفر".

مسائل مختلفه میں مجتهد اورمقلد کے لئے روایت لینے کی نهج کا اعتبار

امام بیری کی شرح الاشباہ میں ہے:"ہمارے علماء فرماتے ہیں جب کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہو تو مجتہد کے لئے افضل اور مختار یہ ہے کہ وہ دلائل میں غور وفکر کرے اور جو اس کے نزدیک راجح

ہو اس کی طرف نظر کرے اور مقلد امام محمد علیہ الرحمۃ کی آخری تصنیف میں مذکور روایت پر عمل کرے اور وہ آخری تصنیف السیر الکبیر ہے۔ ہاں اگر مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے اس کے برخلاف روایت کو اختیار کیا ہو تو مقلد پر اس قول پر عمل کرنا واجب ہے اگر چہ وہ قول امام زفر علیہ الرحمۃ کا ہو(۱)۔

ضمنی فوائد

(۱)اقوال ائمہ پر عمل کرنے کی ترتیب کے متعلق دو اہم ہدایات:

/☆/ یہ یاد رکھیں کہ اصولی اعتبار سے تو وہی تفصیل ہے جو علامہ شامی نے بیان کی لیکن اگر بعد میں آنے والے حنفی ائمہ مجتہدین نے بعض صورتوں میں قوت دلیل اور بعض صورتوں میں زمانہ بدلنے یا حرج وضرورت کی وجہ سے کسی دوسرے قول پر فتوی دیا تو اسی پر عمل کیا جائے جو بعد والوں نے فتوی دیا۔/☆/ اوپر جو ترتیب ذکر کی گئی ہے وہ عوام اور عام علماء کے لئے ہے لیکن اگر کوئی ایسا عالم ہے جو اجتہاد کے مرتبے پر پہنچ چکا ہو تو اس پر لازم نہیں کہ امام کے قول پر ہی عمل کرے بلکہ وہ خود اجتہاد کرے اور جس کا قول اس کی نظر میں دلائل کی روشنی میں مضبوط نظر آئے اس پر عمل کرے ایسا عالم وہ ہوتا ہے جو اپنے امام کے مذہب کی بھرپور معلومات رکھتا ہو، مختلف اقوال کے درمیان فرق کو پہچانتا ہے، ان اقوال کے منشاء اور دلائل کو سمجھتا ہو اور اپنے زور استدلال، ملکہ استنباط اور قوت استخراج سے مختلف اقوال میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکتا ہو۔

(آداب فتوی، ص ۱۵۳)

☆...... ویجمع الست کتاب الکافی للحاکم الشهید فهو الکافی .

ان چھ کتب کو کتاب الکافی جمع کرتی ہے جو حاکم شہید کی تصنیف ہے پس یہی کتاب کفایت کرنے والی ہے۔

☆...... اقوی شروحه الذی کالشمس مبسوط شمس الائمة السرخسی .

اس کی مضبوط ترین شرح جو سورج کی مانند ہے وہ شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط ہے۔

☆...... معتمد النقول لیس یعمل بخلفه ولیس عنه یعدل .

اس میں منقول مسائل قابلِ اعتماد ہیں ان کے برخلاف اقوال پر عمل نہیں کیا جائے گا اور اس کتاب کے مسائل سے عدول نہیں کیا جائے گا۔

توصيف الكافي للحاكم

قال فتح القدير وغيره:" ان كتاب الكافي هو جمع كلام محمد في كتبه الست التي هي كتب ظاهر الرواية"......[1]...... انتهى. (وفي) شرح الاشباه للعلامة ابراهيم البيري :"اعلم ان من كتب مسائل الاصول كتاب الكافي للحكام الشهيد وهو كتاب معتمد في نقل المذهب شرحه جماعة من المشايخ ،منهم شمس الائمة السرخسي وهو المشهور بمبسوط السرخسي "انتهى.

حاکم شہید کی الکافی

فتح القدیر وغیرہ میں فرمایا:"کتاب الکافی امام محمد علیہ الرحمہ کے اس کلام کا مجموعہ ہے جو ان چھ کتابوں میں ہے جو ظاہر الروایۃ کے نام سے مشہور ہیں"(ان کا کلام مکمل ہوا)۔

علامہ بیری کی شرح الاشباہ میں ہے: جان لیجئے!"مسائل اصول کی کتب میں سے حاکم صدر الدین شہید کی کتاب الکافی ہے۔ نقل مذہب کے حوالے سے یہ ایک قابلِ اعتماد کتاب ہے۔ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کی ایک جماعت نے اس کی شرح کی ہے جن میں شمس الائمہ سرخسی بھی ہیں ان کی شرح مبسوط سرخسی کے نام سے مشہور ہے"(ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فائدہ

[1]......وكذا في (البحر الرائق ، كتاب الحج ،باب الجنايات، ج٣،ص١٦ ملخصاً۔)

مرتبة المبسوط للسرخسي

(قال) الشيخ اسماعيل النابلسي:" قال العلامة الطرسوسي مبسوط السرخسي لايعمل بمايخالفه ولا يركن الا اليه ولا يفتي ولا يعول الا عليه"انتهى.

سرخسی کی المبسوط کا مرتبہ

شیخ اسماعیل نابلسی نے فرمایا:"علامہ طرطوسی نے فرمایا کہ مبسوط سرخسی کے مخالف قول پر عمل نہیں کیا جائے گا اور نہ اس (مخالف قول) کی طرف مائل ہوا جائے گا۔ اور مبسوط سرخسی کے مطابق ہی فتویٰ دیا جائے گا اور اسی پر اعتماد کیا جائے گا"۔

(وذكر) التميمي في طبقاته اشعار اكثيرة في مدحه منها ما انشده لبعضهم.

تمیمی نے طبقات میں کئی اشعار مبسوط سرخسی کی تعریف میں ذکر کیے، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

☆...... علیک بمبسوط السرخسی انہ هو البحر والدر الفرید مسائله

تم پر مبسوط کو تھام لینا لازم ہے کہ یہ ایک سمندر ہے اور اس کے مسائل منفرد و یکتا موتی ہیں

☆...... ولاتعتمد الا علیه فانه یجاب باعطاء الرغائب سائله

اور تم اسی پر اعتماد کرو، اس کے سائل کو اس کی مرغوب چیزیں عطا کر کے جواب دیا جاتا ہے۔

(قال) العلامة الشیخ هبة الله البعلی فی شرحه علی الاشباه: المبسوط للامام الکبیر محمد بن محمد بن ابی سهل السرخسی احد الائمة الکبار المتکلم الفقیه الاصولی لزم شمس الائمة عبد العزیز الحلوانی وتخرج به حتی صار انظر اهل زمانه واخذ بالتصنیف واملی المبسوط نحو خمسة عشر مجلدا وهو فی السجن باوز جند بکلمة کان فیها من الناصحین توفی سنة اربعمائة وتسعین

علامہ شیخ ہبۃ اللہ بعلی نے اپنی شرح الاشباہ میں فرمایا: ''مبسوط امام کبیر محمد بن محمد ابی سہل سرخسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی تصنیف ہے جو ائمہ کبار علیہ رحمۃ اللہ الغفار میں سے ہیں۔ متکلم فقیہ اور اصولی ہیں۔ آپ علیہ الرحمۃ نے شمس الائمہ عبدالعزیز حلوانی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی صحبت کو لازم کر لیا اور ایسے ماہر ہو گئے کہ اپنے زمانے کے سب سے زبردست صاحب نظر ہو گئے۔ پھر آپ علیہ الرحمۃ تصنیف میں مشغول ہو گئے اور مقام اوزجند میں بحالتِ اسیری پندرہ جلدوں میں المبسوط کو لکھا۔ آپ علیہ الرحمۃ کے جیل میں جانے کا سبب ایک کلمہ تھا جو آپ علیہ الرحمۃ نے نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا۔ آپ علیہ الرحمۃ کی وفات ۴۹۰ھ میں ہوئی۔

مبسوطات الحنفیة

وللحنفیة مبسوطات کثیرة، منها لابی یوسف ولمحمد ویسمی مبسوطه بالاصل ومبسوط الجرجانی ولخواهر زاده ولشمس الائمة الحلوانی ولابی الیسر البزدوی ولاخیه علی البزدوی وللسید ناصر الدین السمر قندی ولابی اللیث نصر بن محمد، وحیث اطلق المبسوط فالمراد به مبسوط السرخسی هذا وهو شرح الکافی، والکافی هذا هو کافی الحاکم الشهید العالم الکبیر

محمد بن محمدبن احمدبن عبد الله، ولی قضاء بخاری ثم ولاہ الامیر المجید صاحب خراسان وزارتہ ،سمع الحدیث من کثیرین وجمع کتب محمد بن الحسن فی مختصرہ ،ھذا ذکرہ الذھبی واثنی علیہ ،قال الحاکم فی تاریخ نیسابور :مارأیت فی جملۃ من کتبت عنھم من اصحاب ابی حنیفۃ احفظ للحدیث واھدی برسومہ وافھم لہ منہ، قتل ساجدا فی ربیع الآخر سنۃ اربع وثلاثین وثلاث مائۃ.

احناف کی مبسوطات

ائمہ احناف کی مبسوط کے نام سے کئی کتابیں ہیں، من جملہ اس میں مبسوط الجرجانی ،خواہر زادہ کی مبسوط، شمس الائمہ حلوانی کی مبسوط، ابوالیسر بزدوی کی مبسوط ،ان کے بھائی علی بزدوی کی مبسوط، سید ناصر الدین کی مبسوط، ابواللیث نصر بن محمد کی مبسوط، جب لفظ مبسوط مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد مبسوط سرخسی ہوتی ہے۔ جو کہ الکافی کی شرح ہے۔ اور کتاب الکافی سے یہاں مراد حاکم شہید عالم کبیر محمد بن محمد بن احمد عبد اللہ کی کتاب الکافی ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ بخارا کے قاضی تھے۔ خراسان کے بادشاہ امیر مجید نے آپ علیہ الرحمۃ کو اپنا وزیر بنایا تھا۔ آپ علیہ الرحمۃ نے کئی محدثین سے احادیث کا سماع کیا اور اپنی مختصر میں امام محمد علیہ الرحمۃ کی کتب کو جمع کیا۔ اس بات کا ذکر امام ذہبی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے کیا اور اس کارنامہ پر آپ علیہ الرحمۃ کی تعریف و توصیف بیان کی۔ حاکم نے تاریخ نیشابفور (نیشاپور) میں لکھا: ”میں نے ائمہ احناف میں جن سے حدیث لکھی ہے ان میں ان سے بڑھ کر احادیث کا حافظ، اور قواعد حدیث کی معرفت رکھنے والا، اور ان سے زیادہ احادیث کے معانی سمجھنے والا نہیں دیکھا۔ انہیں ربیع الآخر کے مہینے میں ۳۳۴ھ میں سجدے کی حالت میں شہید کر دیا گیا“۔

(قلت) وللحاکم الشھید المختصر والمنتقی والاشارات وغیرھا وقول السرخسی فرأیت الصواب فی تألیف شرح المختصر لا یدل علی ان مبسوط السرخسی شرح المختصر لا شرح الکافی کما توھمہ الخیر الرملی فی حاشیۃ الاشباہ، فان الکافی مختصر ایضا لانہ اختصر فیہ کتب ظاھر الروایۃ کما علمت، وقد اکثر النقل فی غایۃ البیان عن الکافی بقولہ قال الحاکم

الشهيد فى مختصره المسمى بالكافي ،والله تعالى اعلم .

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں حاکم شہید کی تصانیف میں سے بعض یہ ہیں، المختصر، المنتقی، الاشارات وغیرہا۔ امام سرخسی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا یہ کہنا کہ میں نے شرح المختصر کی تالیف میں درستگی کو دیکھا۔ یہ قول اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مبسوط سرخسی المختصر کی شرح ہے، الکافی کی شرح نہیں ہے جیسا کہ اس کا وہم علامہ خیر الدین رملی علیہ رحمۃ اللہ القوی کو حاشیہ الاشباہ میں ہوا ہے۔ کتاب الکافی بھی مختصر ہے کیونکہ اس میں کتب ظاہر الروایۃ کی تلخیص کی گئی ہے جیسا کہ آپ جان چکے۔ صاحب غایۃ البیان نے اپنی کتاب غایۃ البیان میں الکافی کے باکثرت حوالے اپنے اس قول کے ساتھ دیے ہیں" قال الحاكم الشهيد فى مختصره المسمى بالكافي "، یعنی حاکم شہید نے اپنی المختصر میں جس کا نام الکافی ہے یوں فرمایا۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

☆...... واعلم بان عن ابی حنيفة جاء ت روايات غدت منيفه.

اور جان لو کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ اللہ الاکرم سے منقول ایسی روایات آئی ہیں جو واضح ہیں۔

☆...... اختار منه بعضها والباقى يختار منه سائر الرفاق .

ان میں بعض کو امام اعظم علیہ الرحمۃ اللہ الاکرم نے اختیار کر لیا اور بقیہ ان کے دیگر رفقاء اختیار کرتے ہیں۔

☆...... فلم يكن لغيره جواب كما عليه اقسم الاصحاب.

پس فقہ حنفی میں امام اعظم علیہ الرحمۃ اللہ الاکرم کے سوا کسی کا قول نہیں جیسا کہ اس پر ائمہ احناف نے قسمیں اٹھائی ہیں۔

ضابط الترجيح بين الاقوال المختلفة

اعلم بان المنقول عن عامة العلماء فى كتب الاصول انه لايصح فى مسئلة لمجتهد قولان للتناقض، فان عرف المتأخر منهما تعين كون ذلك رجوعا والاوجب ترجيح المجتهد بعده بشهادة قلبه كما فى بعض كتب الحنفية المشهورة.

وفى بعضها انه ان لم يعرف تاريخ، فان نقل فى احدا لقولين عنه مايقويه فهو

الصحیح عندہ والافان وجد متبع بلغ الاجتھاد فی المذھب رجح بمامر من المرجحات ان وجد والایعمل بایھما شاء بشھادۃ قلبہ وان کان عامیا اتبع فتوی المفتی فیہ الاتقی الأعلم وان کان متفقھا تبع المتاخرین عمل بما ھو اصوب واحوط عندہ کذا فی التحریر للمحقق ابن الھمام۔......ا

مختلف اقوال میں ترجیح دینے کا ضابطہ

جان لیجئے! کہ عام علماء سے کتب اصول میں یہی منقول ہے کہ ایک مسئلہ کے بارے میں کسی مجتہد کے دوقول ہونا تناقض کی بناء پر درست نہیں ہے (۱)۔ پس اگران دونوں میں کسی قول کا متاخر ہونا معلوم ہوجائے تو وہی قول رجوع کے طور پر متعین ہوگا۔ اور اگر دونوں میں سے کسی قول کا متاخر ہونا معلوم نہ ہوسکے تو بعد میں مجتہد کو اپنی قلبی شہادت کے ذریعے ایک کو راجح قرار دینا واجب ہوگا جیسا کہ احناف کی بعض مشہور کتب میں اور بعض دیگر کتابوں میں ہے کہ اگر دونوں اقوال کی تاریخ معلوم نہ تو امام صاحب علیہ الرحمۃ سے منقول دونوں اقوال میں سے اگر کسی کے ساتھ کوئی ایسی شے ہو جو اس قول کو تقویت دے رہی ہو تو وہی قول امام صاحب علیہ الرحمۃ کے نزدیک صحیح مانا جائے گا۔ اور اگر یہ بھی نہ معلوم، تو اگر کوئی ایسا مقلد موجود ہو جو اجتہاد فی المذہب کے درجے پر فائز ہو تو وہ ماقبل مذکور مرجحات کے ذریعے ترجیح دے گا، بشرطیکہ مرجح موجود ہو ورنہ قلبی شہادت کی بنیاد پر دونوں میں سے جس قول پر چاہے عمل کرے گا۔ اور اگر عام شخص ہو تو متقی اور مفتی کے فتوی کی پیروی کرے گا۔ اور اگر فقیہ ہو تو متاخرین علماء کی پیروی کرے گا۔ اور اس قول پر عمل کرے گا جو اس کے نزدیک زیادہ صحیح ہو۔ اور زیادہ مبنی بر احتیاط ہو۔ اسی طرح محقق ابن ہمام علیہ الرحمۃ کی کتاب **التحریر** میں ہے۔

ضمنی فوائد

ا......التحریر مسمی التقریر والتحبیر ،المقالۃ الثالثۃ :فی الاجتھاد ومایتبعہ من التقلید والافتاء ،مسئلہ :لا یصح فی مسئلۃ لمجتھد بل لعاقل فی وقت واحد قولان ،ج۳، ص ۴۲۴ ۔

(۱) اعلی حضرت مجدد دین وملت، پروانۂ شمع رسالت، باعث خیر وبرکت نے مذکورہ بالا مسئلہ کے بارے میں کہ جب ایک ہی امام کے دو اقوال ہوں، یا راجح ومرجوح میں اختلاف وغیرہ کا معاملہ درپیش ہو تو ایسے معاملے میں کیا کرنا چاہیے؟ یوں رہنمائی فرمائی ہے:

''علماء مختلف ہیں تو جسے ان میں افقہ واروع سمجھے اس کا اتباع کرے، كما قدمناه عن المحيط والهندية (جیسا کہ ہم نے محیط اور هنديه کے حوالے سے ماقبل ذکر کر دیا ہے)، السراجیه پھر تنوير الابصار میں ہے'' اذا اختلف مفتيان فى جواب حادثة اخذ بقول افقههما بعد ان يكون اورعهما یعنی جب کسی حادثہ میں دو مفتیوں کا اختلاف ہو تو ان میں افقہ پرہیز گار کے قول کو اختیار کرے اور اگر تفقہ میں متقارب اور ورع میں یکساں ہیں تو اب کثرت رائے کی طرف میل کرے۔ فان مظنة الاصابة فيها اكثر عند من لا يعلم اعذر له عند ربه عزوجل یعنی کیونکہ اکثریت کی رائے میں درستی کا احتمال زیادہ ہے یہ چیز نہ جاننے والے کے لئے عند اللہ ﷻ بڑا عذر ہے اور اگر اکثریت بھی کسی طرف نہ ہوں مثلاً چار متفقہ ہیں اور دو ایک طرف ہیں تو جس طرف دل گواہی دے کہ یہ احسن یا احوط فی الدین ہے اس طرف میل اولیٰ ہے ورنہ مختار ہے کہ جس پر چاہے عمل کرے۔ معین الاحکام میں ہے ذكر الحسن بن زياد فى ادب القاضى له الجاهل بالعلم اذا استفتى فقيها فافتاه بقول احد اخذ بقوله ولا يسعه ان يعتدى الى غيره وان كان فى المصر فقيهان كلاهما رضا يأخذ عنهما فان اختلفا عليه فلينظر ايهما يقع فى قلبه انه اصوبهما وسعه ان ياخذبه ،فان كانوا ثلثة فقهاء واتفق اثنان اخذ بقولهما ولا يسعه ان يعتد الى قول الثالث یعنی حسن بن زیاد نے اپنی کتاب ادب القاضی میں ذکر کیا کہ کوئی جاہل جب کسی فقیہ سے سوال کرے اور وہ اسے کسی ایک قول پر فتویٰ دے تو وہ اس فتویٰ کو اپنائے اور غیر کی طرف جانے کی اس کو اجازت نہیں۔ اگر شہر میں دو مساوی فقیہ ہوں تو دونوں سے چاہے رجوع کرے، اگر دونوں میں اختلاف ہو تو اسے چاہئے کہ غور کرے جس کی بات دل میں درست سمجھے اس کو اپنائے تو یہ جائز ہے، اور اگر شہر میں تین فقیہ ہوں اور دو کی رائے متفق ہو تو ان کی بات کو اپنائے اور تیسرے کی طرف رجوع کی گنجائش اسے نہ ہوگی۔ (فتاوی رضویه، ج ۱۸، ص ٤٩٤)۔

الفرق بين اختلاف الروايات والاقوال

(واعلم) ان اختلاف الروايتين ليس من باب اختلاف القولين، لان القولين نص المجتهد عليهما بخلاف الروايتين، فالاختلاف فى القولين من جهة المنقول

عنہ لاالناقل ،والاختلاف فی الروایتین بالعکس کما ذکرہ المحقق ابن امیر حاج فی شرح التحریر.

اختلاف روایات اور اقوال میں فرق

جان لیجئے! کہ دوروایات کا اختلاف (۱) دواقوال کے اختلاف کے قبیل سے نہیں ہے کیونکہ دومختلف اقوال پر مجتہد کی تصریح ہوتی ہے بخلاف دومختلف روایات کے، پس دواقوال میں اختلاف تو منقول عنہ کے اعتبار سے ہوتا ہے (۲) اور روایات کے اختلاف کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے جیسا کہ محقق ابن امیر الحاج نے التحریر میں ذکر کیا ہے۔روایات کا اختلاف ناقل کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ منقول عنہ کے اعتبار سے۔

ضمنی فوائد

(۱) اختلاف کالغوی معنی: کسی ایک شے پر متفق نہ ہونا بایں طور پر کہ ہرایک ایسے رستے کو اختیار کرے جو اس کے حال ،اقوال ،اور رائے میں دیگر دواشخاص کے حال،اقوال،اور رائے سے الگ ہو اسی طرح دواشیاء کے مساوی نہ ہونے کو بھی اختلاف کہتے ہیں پس جواشیاء باہم مساوی نہیں ہوں گی وہ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف اور مختلف ہوں گی۔

اختلاف کا اصطلاحی معنی: فقہاء کے نزدیک اختلاف کا معنی یہ ہے کہ آراء، مسالک، اور مذاہب اور ان اعتقادی باتوں میں افراد کا مختلف ہونا جس کی وجہ سے افراد دنیا وآخرت میں سعادت مند، یا بدبخت ہوتا ہے۔ (المصباح،ص:۱۵۱)

(۲) ماقبل صراحت ہوچکی ہے کہ روایت میں اختلاف ناقل کی جانب سے ہوتا ہے یعنی امام اعظم علیہ الرحمۃ نے یہ نہیں بلکہ یہ فرمایا تھا،"مثلا:غصب شدہ غلام کو غاصب نے فروخت کردیا پھر مشتری نے اس غلام کو آزاد کردیا پس اگر اصل مالک اس بیع کو جائز کردے تو آزادی بھی ثابت ہوجائیگی اور امام **محمد** علیہ الرحمۃ نے جو روایت امام صاحب سے نقل کی ہے اس کے مطابق غلام آزاد ہوجائے گا جب کہ امام **ابویوسف** علیہ الرحمۃ نے امام صاحب سے جو روایت کی ہے اسکے مطابق اس صورت میں آزادی ثابت نہیں ہوگی۔

بحرالرائق کی عبارت ملاحظہ فرمائیں"وان باع المغصوب فضمنہ المالک نفذ بیعہ وان حررہ ثم ضمنہ لا ای لو باع الغاصب المغصوب او اعتقہ ثم ضمنہ

المالک قیمته نفذ بیعه ولا ینفذ عتقه :والفرق بینهما ان ملک الغاصب ناقص، لانه یثبت مستنداً، او ضرورة ..، الخ (بحر الرائق ،کتاب الغصب، ج۸، ص۲۳۸)

العلل الاربعة لاختلاف الروایات

(لکن) ذکر بعده عن الامام ابی بکر البلیغی فی الدرر......[1] ان الاختلاف فی الروایة عن ابی حنیفة من وجوه:

(منها) الغلط فی السماع ،کأن یجیب بحرف النفی اذاسئل عن حادثة ویقول لایجوز، فیشتبه علی الراوی فینقل ماسمع.

(ومنها) ان یکون له قوله قد رجع عنه ویعلم بعض من یختلف الیه رجوعه فیروی الثانی، والآخرلم یعلمه فیروی الاول .

(ومنها) ان یکون قال احدهما علی وجه القیاس، والآخر علی وجه الاستحسان فیسمع کل واحد احدهما، فینقل کما سمع.

(ومنها) ان یکون الجواب فی مسئلة من وجهین من جهة الحکم ومن جهة الاحتیاط فینقل کل کما سمع......[2] انتهی.

اختلاف روایات کے حوالے سے چار علتیں!

جیسا کہ محقق ابن امیر الحاج بلیغی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے حوالے سے یہ بات ذکر کی "درر الاحکام میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے مختلف روایات منقول ہونے کی کچھ وجوہات ہیں

پہلی وجہ...... سننے میں غلطی ہوجانا، مثلاً آپ علیہ الرحمۃ سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ علیہ الرحمۃ نے حرف نفی استعمال کرتے ہوئے فرمایا: لایجوز یہ ناجائز ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ کی یہ بات سامع پر مشتبہ ہوگئی، پس اس نے جو سنا اسی کو نقل کر دیا۔

دوسری وجہ...... اولاً امام اعظم علیہ الرحمۃ اللہ الاکرم کا ایک قول تھا جس سے بعد میں آپ علیہ الرحمۃ نے رجوع کر لیا، تو جو بعض حضرات آپ علیہ الرحمۃ کے پاس باکثرت آتے تھے انہیں اس رجوع کا علم ہوگیا اور انہوں نے یہ دوسرا قول نقل کیا۔ اور دوسرے صاحبان کو اس رجوع کردہ قول کا علم نہ ہوسکا اس لئے انہوں نے وہی پہلا قول نقل کر دیا۔

تیسری وجہ...... امام اعظم علیہ الرحمۃ اللہ الاکرم کا ایک قول مبنی بر قیاس ہو اور دوسرا قول استحسان کی رو سے ہو، تو جس نے پہلا قول سنا اس نے اسے نقل کر دیا اور جس نے دوسرا قول سنا اس نے اسی کو نقل کر دیا

چوتھی وجہ...... مسئلہ کے جواب کی دو صورتیں ہوں، ایک باعتبار حکم کے اور دوسری باعتبار احتیاط (۱) کے اور راوی نے اسی طرح نقل کر دیا ہو جیسا کہ اس نے سنا تھا (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فوائد

۱...... وفی "التقریر والتحبیر": الغرر۔

۲...... التحریر مسمی التقریر والتحبیر، المقالۃ الثالثۃ: فی الاجتھاد ومایتبعہ من التقلید والافتاء، مسئلہ: لا یصح فی مسئلۃ لمجتھد بل لعاقل فی وقت واحد قولان، ج۳، ص ۴۲۵۔

(۱) احتیاط کا لغوی معنی "محتاط پہلو کو اختیار کرنا" ہے جب کہ احتیاط کا اصطلاحی معنی "گناہ میں پڑنے کے خوف سے نفس کی حفاظت کرنے کا نام احتیاط ہے"۔ (التعریفات، ص ۱۵)

الاعتراض على الفرق المذكور

(قلتُ) فعلى ماعدا الوجه الاول يكون الاختلاف فى الروايتين من جهة المنقول عنه ايضا لا بتناء الاختلاف فيهما على اختلاف القولين المرويين فيكونان من باب واحد ويؤيده ان ناقل الروايتين قد يكون واحدا، فان احدى الروايتين قد تكون فى كتاب من كتب الاصول، والاخرى فى كتب النوادر، بل قد يكون كل منهما فى كتب الاصول، والكل من جامع واحد وهو الامام محمد رحمه الله تعالى وهذا ينافى الوجه الاول ويبعد الوجه الثانى.

فالاظهر الاقتصار على الوجهين الاخيرين لكن لافى كل فرع اختلفت فيه الرواية بل بعض ذلك قد يكون لاحدهما، والبعض الآخر للآخر، لكن هذا انما يتأتى فيما يصلح ان يكون فيه قياس واستحسان او احتياط وغيره، نعم يتأتى الوجهان الاولان فيما اذا اختلف الراوى.

روایات سے متعلق متذکرہ بالا فرق پر اعتراض

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں پہلی وجہ کو چھوڑ کر دیگر وجوہ میں دو روایات کے مابین اختلاف منقول عنہ کے اعتبار سے بھی ہوگا کیونکہ دو روایتوں میں اختلاف دو منقول اقوال کے اختلاف کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس صورت میں روایت اور قول دونوں ایک ہی قبیل سے ہو جائیں گے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دو مختلف روایات کا ناقل بسا اوقات ایک ہی ہوتا ہے۔ پس ان میں سے ایک روایت تو کتب اصول میں ہوتی ہے۔ جب کہ دوسری روایات کتب نوادر میں ہوتی ہیں بلکہ بسا اوقات دونوں روایات کتب اصول میں ہوتی ہیں اور ان تمام روایات کو جمع کرنے والی ذات امام **محمد** علیہ الرحمۃ کی ہے۔ اور یہ بات پہلی وجہ کے منافی ہے اور دوسری وجہ ہونا تو بعید ہے۔ پس زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آخری دو وجوہات پر اکتفاء کیا جائے لیکن ہر فرع کے بارے میں جس میں روایات مختلف ہوں ان پر اقتصار نہیں کیا جا سکتا بلکہ بعض ہی میں کیا جا سکتا ہے کیونکہ کبھی ایک روایت ایک مؤلف کے ہاں ہوتی ہے اور دوسری روایت دوسرے مؤلف کے نزدیک، لیکن یہ توجیہ بھی اس مسئلہ میں صادق آئے گی جس میں قیاس واستحسان فتوی اور تقوی والا معاملہ درست ہو۔ جس مسئلہ کے بارے میں راوی مختلف ہوں وہاں پہلی دو وجوہات بھی درست ہو سکتی ہیں۔

العلتان المتزائدتان على الاربعة السائفة

(وقد) يقال :ان من وجوه الاختلاف ايضا: (۱) تردد المجتهد فى الحكم لتعارض الادلة عنده بلا مرجح ،(۲) او الاختلاف رأيه فى مدلول الدليل الواحد فان الدليل قد يكون محتملا لوجهين او اكثر، فيبنى على كل واحد جوابا.

اختلاف روایات کے مزید دو اسباب

کہا جاتا ہے کہ روایات کے مختلف ہونے کی بعض وجوہات یہ ہیں (۱) مجتہد کے نزدیک (کبھی) دلائل متعارض ہوتے ہیں جس کے سبب حکم کے بارے میں اسے تردد ہوتا ہے اور کوئی وجہ ترجیح بھی موجود نہیں ہوتی (۲) یا کبھی ایک دلیل کے مدلول کے بارے میں رائے مختلف ہوتی ہے کیونکہ خود دلیل کبھی دو یا زائد صورتوں کی محتمل ہوتی ہے اور ہر صورت کے مطابق ایک الگ جواب ہوتا ہے۔

قول المجتهد راجح على روايته

ثم قد یترجح عنده احدهما فینسب الیه ولهذا تراهم یقولون: قال ابو حنیفة کذا وفی روایة عنه کذا، وقد لایترجح عنده احدهما فیستوی رأیه فیهما ولذا تراهم یحکون عنه فی مسئلة القولین علی وجه یفید تساویهما عنده فیقولون :وفی المسئلة عنه روایتان اوقولان.

وقد قدمنا عن الامام القرافی انه لایحل الحکم والافتاء بغیر الراجح لمجتهد او مقلدالا اذا تعارضت الادلة عند المجتهد وعجز عن الترجیح، ای فان له الحکم بایهما شاء لتساویهما عنده وعلی هذا فیصح نسبة کل من القولین الیه لاکما یقوله بعض الاصولیین انه لاینسب الیه شیء منهما وما یقوله بعضهم من اعتقاد نسبة احدهماالیه لأن رجوعه عن الآخر غیر معین ،اذاالفرض تساویهما فی رأیه وعدم ترجح احدهما علی الاخر.

نعم اذا ترجح عنده احدهما مع عدم اعراضه عن الآخر ورجوعه عنه ینسب الیه الراجح عنده ویذکر الثانی روایة عنه ،امالوأعرض عن الآخر بالکلیة لم یبق قولاً له بل یکون قوله هو الراجح فقط لکن لایرتفع الخلاف فی المسئلة بعد الرجوع کما قاله بعض الشافعیة وأیده بعضهم بأن اهل عصر اذا اجمعوا علی قول بعد اختلافهم، فقد حکی الأصولیون قولین فی ارتفاع الخلاف السابق، فمالم یقع فی اجماع اولی .

مجتهد کاقول اس کی روایت کے مقابلے میں راجح ھے

پھر ان میں ایک جواب بسااوقات مجتہد کے نزدیک راجح قرار دیا جاتا ہے اور وہ جواب ان کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے۔ اسی بناء پر آپ نے علماء کا معمول دیکھا ہے وہ یوں کہتے ہیں قال ابو حنیفه کذاوفی روایة عنه کذا، اور کبھی ایک جواب ان کے نزدیک راجح نہیں ہوتا دونوں کے بارے میں ان کی رائے مساوی ہوتی ہے تو ایسی صورت میں علماء کو آپ نے یہ کہتے ہوئے دیکھا ہوگا کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ سے دو روایتیں یا دو قول منقول ہیں (۱)۔ہم امام قرافی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے یہ بات پہلے بیان کر چکے کہ مجتہد ہو خواہ مقلد، کسی کے لئے مرجوح قول پر حکم کرنا اور فتوی دینا حلال نہیں، مگر جب مجتہد کے نزدیک دلائل باہم متعارض ہوں اور وہ

ترجیح دینے سے عاجز ہو اس صورت میں جس قول کے مطابق چاہے فتوی دے سکتا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک یہ دونوں اقوال باہم مساوی ہیں۔اس بحث کے مطابق دونوں اقوال کی نسبت اس مجتہد کی طرف کرنا درست ہوگا، فی الحقیقت معاملہ یوں نہیں جیسا کہ بعض اصولین نے کہا کہ دونوں میں سے کوئی قول بھی اس مجتہد کی طرف منسوب نہیں ہوگا اور نہ ہی معاملہ اس طرح جیسا کہ بعض نے کہہ دیا کہ اس میں سے ایک قول اس مجتہد کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ دوسرا قول جس سے رجوع کیا ہے وہ غیر معین ہے، کیونکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ مجتہد کی رائے میں دونوں اقوال برابر ہیں اور کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں ہے۔ہاں جب مجتہد کے نزدیک ایک قول راجح ہو اوراس کے ساتھ مجتہد دوسرے قول سے اعراض اور رجوع کرے تو راجح قول کو اس کی جانب منسوب کیا جائے گا۔اور اگر مجتہد دوسرے قول سے مکمل طور پر رجوع کر لے تو وہ اس کا قول باقی نہیں رہے گا بلکہ ایسی صورت میں فقط وہی راجح قول ہی اس کا قول ہوگا لیکن دوسرے قول سے رجوع کر لینے کے بعد اس مسئلہ سے اختلاف اٹھ نہیں جائے گا جیسا کہ بعض شوافع اس کے قائل ہیں۔اور بعض علماء نے اس کی تائید یوں کی کہ اہل عصر نے مسئلہ میں اختلاف کرنے کے بعد کسی ایک قول پر اجماع کر لیا ہو تو سابقہ اختلاف ختم ہونے کے بارے میں اصولیین نے دو اقوال نقل کیے ہیں تو جس قول پر اجماع نہ ہو وہاں تو بدرجہ اولی اختلاف سابق ختم نہیں ہوگا۔

ضمنی فوائد

(۱) بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی قول امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا ہوتا ہے لیکن مشہور کسی اور امام کی نقل کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسے الماء المستعمل ھو طاھر غیر طھور یعنی ماء مستعمل طاہر ہے لیکن غیر مطہر ہے۔ یہ قول امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد کے حوالے سے مشہور ہے اور محققین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور فتوی اسی قول پر ہے کہ ماء مستعمل طاہر غیر مطہر ہے اور اس مسئلے میں جنبی اور محدث یکساں شریک ہیں۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ، کتاب الطھارۃ ، باب المیاہ ، مطلب فی تفسیر القربۃ والثواب ، ج ۱ ، ص ۳۵۲)۔

علامہ شامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں کہ عمل کرنے کے بعد کسی دوسرے مذہب کی تقلید کرنا کہ کوئی مجتھد اپنے مذہب کے مطابق نماز ادا کرے پھر بعد کو معلوم ہوا کہ اس کے مذہب کے مطابق نماز باطل قرار پائی تھی اور غیر مذہب پر عمل کرنے سے نماز درست مانی جائے گی تو ایسا شخص

دوسرے مذہب کے امام کی تقلید کرسکتا ہے جس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجتھد اپنے قول سے رجوع کرتا ہے جیسا کہ فتاوی بزازیہ میں ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے نماز جمعہ ادا فرمائی اور بعد نماز ادا کرنے کے کسی نے کہا کہ حضور جس پانی سے آپ علیہ الرحمۃ نے غسل کا اہتمام فرمایا ہے اس میں سے مردار چوہا برآمد ہوا ہے تو آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ''ناخذ بقول اخواننا من اهل المدينة :اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا اه

(ردالمحتار علی الدر المختار ،المقدمۃ، ج ۱ ،ص ۱۷۷)

هل يكون تعارض الادلة سببا لاختلاف الاقوال ؟

(لكن) ماذكر في كتب الاصول عندنا من انه لايمكن ان يكون للمجتهد قولان كما مر ينافي ذلك ،لانه مبني فيما يظهر على ماذكروا في تعارض الادلة، انه اذا وقع التعارض بين آيتين يصار الى الحديث ،فان تعارض فالى اقوال الصحابة،فان تعارضت فالى القياس، فان تعارض قياسان ولا ترجيح فانه يتحرى فيهما ويعمل بشهادة قلبه ،فاذا عمل باحدهما ليس له العمل بالآخر الا بدليل فوق التحرى ،قالوا :وقال الشافعي يعمل بايهما شاء من غير تحر، ولهذا صار له في المسئلة قولان واكثر،وا ما الروايتان عن اصحابنا في مسئلة واحدة فانما كانتا في وقتين فاحداهما صحيحة دون الاخرى، لكن لم تعرف المتأخرة منهما انتهى. **وعلى** هذا فما يقال فيه عن الامام روايتان فلعدم معرفة الاخير، وما يقال فيه وفي رواية عنه كذا ،اما لعلمهم بانها قوله الاول ،اولكون هذه الرواية رويت عنه في غير كتب الاصول ،وهذا اقرب لكن لايخفى ان ماذكروه في بحث تعارض الادلة مشكل لانه يلزم منه ان يكون مافيه روايتان عن الامام لايجوز فيه العمل بواحدة منهما لعدم العلم بالصحيحة من الباطلة منها وانه لاينسب اليه شيء منهما كمامر عن بعض الاصوليين مع ان ذلك واقع في مسائل لا تحصى، ونراهم يرجحون احد ى الروايتين على الاخرى وينسبونها اليه فالذي يظهر مامر عن الامام البليغي من بيان تعدد الاوجه في اختلاف

الروایۃ عن الامام مع زیادۃ ماذکرنا من تردده فی الحکمین واحتمال کل منهما فی رأیه مع عدم مرجح عنده لاحدهما من دلیل او تحر او غیره فتأمل.

(ثم) لایخفی ان هذا الوجه الذی قلناه اکثر اطرادا من الاوجه الاربعة المارة فی اختلاف الروایتین لشموله مافیه استحسان او احتیاط وغیره.

کیاتعارض ادلۃ اختلاف اقوال کا سبب ہوسکتا ہے؟

لیکن کتب اصول میں مذکور ہے کہ ہمارے نزدیک کسی مجتہد کے ایک مسئلہ میں دو اقوال ہونا ممکن نہیں ہے، جیسا کہ التحریر کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے، یہ بات اس کے منافی ہے کہ تعارض ادلہ کو اختلاف اقوال کا سبب بنایا جائے۔ کیونکہ وہ بات بظاہر اس امر پر مبنی ہے جسے فقہاء نے تعارض ادلہ کی بحث میں ذکر کیا کہ جب دو آیات مبارکہ میں باہم (ظاہری) تعارض ہو تو حدیث شریف کی طرف رجوع کیا جائے گا(۱) اور اگر احادیث مبارکہ کے مابین تعارض ہو تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا(۲)۔ اگر اقوال صحابہ میں بھی تعارض ہو تو قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا(۳)۔ اگر قیاس میں بھی تعارض ہو اور کوئی وجہ ترجیح موجود نہ ہو تو پھر مفتی ان دونوں قیاس کے بارے میں تحری کرے گا اور اپنی قلبی گواہی کے مطابق عمل کرے گا()۔ پس جب مفتی ان میں سے ایک پر عمل کرلے گا تو اس کے لیے دوسرے پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا الایہ کہ تحری سے بڑھ کر کوئی دلیل مل جائے۔ فقہاء کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام فرماتے ہیں کہ امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کا قول یہ ہے کہ مفتی تحری کئے بغیر بھی دونوں میں جس قول کے مطابق چاہے عمل کرسکتا ہے۔ اسی بناء پر ان سے ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو اور اس سے زائد روایات منقول ہوتی ہیں اور ایک ہی مسئلہ کے متعلق ہمارے ائمہ احناف علیہ رحمۃ اللہ التواب کی دو روایات ہونا یہ بات ثابت کرتا ہے کہ یہ دو مختلف اوقات کی روایات ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک روایت صحیح اور دوسری مرجوح ہوتی ہے لیکن ان دونوں میں سے متاخر روایت کونسی ہے؟ اس کا علم نہیں ہو پاتا (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

اور اسی بناء پر جو یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے دو روایتیں ہیں اس کا سبب آخری روایت کا معلوم نہ ہونا ہے۔ اور جو یوں کہا جاتا ہے کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے ایک روایت یہ منقول ہے اس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ اس روایت کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا پہلا قول ہے اس پہلے قول ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ روایت

امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی کتب اصول کے ماسوا دیگر کتب میں منقول ہوتی ہے۔ اور یہ توجیہ فہم کے زیادہ قریب ہے۔ لیکن تعارض ادلہ کی بحث میں علماء نے جو بات ذکر کی ہے وہ بعید از فہم ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس مسئلہ میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے دو روایات منقول ہوں تو صحیح وغیرہ صحیح کا علم نہ ہونے کے سبب ان دونوں میں سے کسی پر بھی عمل کرنا جائز نہ ہو۔ اور ان دونوں روایات میں سے کسی بھی روایت کو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے منسوب کرنا جائز نہ ہو، جیسا کہ بعض اصولیین کے حوالے سے گزرا حالانکہ یہ معاملہ تو بے شمار مسائل میں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام ان میں سے ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دے کر اسے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پس اس مسئلے میں ظاہر وہی بات ہے جو امام بلیغی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے حوالے سے گزری کہ مجتہد سے کسی ایک مسئلہ میں دو اقوال منقول ہونے کی علت یہ بیان کی جائے کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے مختلف روایات کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں اور اس کے ساتھ ان دو وجوہات کا اضافہ کر دیا جائے جسے ہم نے ذکر کیا یعنی امام صاحب کا دو حکموں کے درمیان متردد ہونا اور امام صاحب کی رائے میں دو احتمالات کا ہونا اور ان میں کسی ایک پر دلیل یا تحری وغیرہ سے ترجیح حاصل نہ ہونا ہے، پس غور کرو۔ پھر یہ بات مخفی نہ رہے کہ ہماری بیان کردہ یہ وجہ جو دو روایات کے اختلاف کے بارے میں ہے وہ سابقہ چار وجوہات کے مقابلے میں زیادہ استعمال ہوتی ہے کیونکہ یہ استحسان وقیاس، فتوی وتقوی والی وجوہ کو شامل ہے۔

ضمنی فوائد

(ا) دو آیات میں تعارض ہو تو حدیث مبارکہ کی جانب رجوع کیا جائے گا جیسے اللہ ﷻ نے فرمایا: ﴿فاقرء وا ماتیسر من القرآن (المزمل: ۲۰)﴾ اور دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿واذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا (الاعراف: ۲۰۴)﴾ ان دونوں آیات میں تعارض ہو گیا پہلی آیت اپنے عموم کے اعتبار سے مقتدی پر بھی تلاوت کو لازم کر رہی ہے۔ جبکہ دوسری آیت اپنے خصوص کے اعتبار سے مقتدی سے قرات کی نفی کر رہی ہے اور یہ دونوں ہی آیات نماز کی تلاوت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، پس جب دونوں آیات میں تعارض ہو گیا تو حدیث کی طرف رجوع کرنا متعین ہو گیا حدیث میں فرمایا: من كان له امام فقرأة الامام قراة له.

(نور الانوار، مبحث التعارض، ص ۱۹۴)۔

(۲) دو احادیث میں تعارض ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی جانب رجوع کیا جائے گا، جیسے طلاق ثلاثہ کے حوالے سے احادیث میں تعارض پایا جاتا ہے مثلاً ''عن عائشة ان رجلا طلق امرأته ثلاثا ،فتزوجت فطلق ،فسئل النبي صلی اللہ علیہ وسلم :اتحل للاول ؟قال لا حتی يذوق عسيلتها كما ذاق الاول.

(صحیح بخاری، کتاب الطلاق ،باب من جوز طلاق الثلاث ،ص۹۳۹، رقم ۵۲٦۱)

''عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما: كان الطلاق علی عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وابی بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة.

(صحیح مسلم ،کتاب الطلاق ،باب طلاق الثلاث ،ص ۷۰۱، رقم ۳۵٦۳/۱۴۷۲)

اب بظاہر ان دونوں احادیث میں تعارض ہے لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو تلاش کریں گے، چنانچہ اس باب میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہمیں نظر آیا ''قال عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فی الرجل يطلق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها ،قال :هی ثلاث لا تحل له حتی تنكح زوجا غيره ،واذا كان اتی به او جعه.

(المصنف عبد الرزاق، کتاب الطلاق ،باب طلاق البکر ،ج ٦،ص ۲٦۱ ،رقم ۱۱۱۰۹)

(۳) جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال میں تعارض ہو تو قیاس کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ مثلاً سؤر حمار کے بارے میں آثار میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے نزدیک نجس اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے نزدیک طاہر ہونے کا قول ہے، چنانچہ احناف نے (قیاس کے ذریعے) اصل کا اعتبار کرتے ہوئے آثار کو ترک کر دیا اور کہا کہ سؤر حمار طاہر ہے۔

(اصول فقه الاسلامی ،الدکتور وهبة الزحیلی ،الفصل الاول تعارض الادلة ،ج ۲،ص ۱۱۸۰)

(۴) جب دو قسم کے قیاس متعارض ہو جائیں تو ایک کو ترجیح دینا جیسے رمضان کے روزے کے بارے میں ہم نے کہا کہ وہ ایسی نیت سے ادا ہو جائے گا جو نصف نہار سے پہلے ہو اس لئے کہ روزہ رکن واحد ہے۔ جس کا جواز نیت کے ساتھ متعلق ہے۔ بس نیت دن کے بعض حصے میں پائی گئی نہ کہ بعض میں، تو دونوں بعض متعارض ہو گئے، ہم نے کثرت کی وجہ سے اس لئے کہ ترجیح دی کہ یہ باب وجود سے ہے اور ہم نے باب عبادات میں احتیاط کی وجہ سے فساد کو ترجیح نہیں دی ،اس لئے کہ یہ ترجیح ایسے معنی کی وجہ سے ہے جو وصف عارضی کے درجہ میں ہے۔ (حسامی مع النامی ،ص ۲۴۲)۔

اقوال التلامذة هی اقوال الامام الاعظم

(اذاتقرر ذلک فاعلم) ان الامام اباحنيفة رحمه الله تعالى من شدة احتياطه وورعه وعلمه بان الاختلاف من آثارالرحمة ،قال لاصحابه :ان توجه لكم دليل فقولوا به، فكان كل ياخذ برواية عنه ويرجحها كما حكاه فی الدرالمختار:" وفی الوالوالجية من كتاب الجنايات قال ابو يوسف :ماقلت قولا خالفتُ فيه اباحنيفة الا قولا قد كان قاله، وروی عن زفر انه قال :ما خالفت ابا حنيفة فی شیء الا قد قاله ثم رجع عنه بهذا اشارة الى انهم ماسلكوا طريق الخلاف بل قالوا ماقالوا عن اجتهاد ورأی اتباعا لما قاله استاذهم ابو حنيفة"......[1] انتهى

اقوال تلامذہ بھی امام اعظم ہی کے اقوال ہیں

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو جان لیجئے !امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم نے اپنی شدت احتیاط اورورع (تقوی) کے سبب اوراس بات کا علم رکھنے کے سبب کہ علماء کا اختلاف آثار رحمت ہے (ا)، اپنے شاگردوں سے ارشادفرمایا کہ ''اگرتم پر دلیلِ مسئلہ ظاہر ہوتو تم اس کے مطابق قول اختیار کر سکتے ہو''۔بس حسب حکم تمام ہی تلامذہ نے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے روایت لی اوراس کی ترجیح کو بھی بیان کردیا،جیسا کہ علامہ حصکفی نے اسے در مختار میں بیان کیا ہے۔''فتاوی ولوالجیہ کی کتاب الجنایات میں ہے،امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے فرمایا،''میں نے جس قول کے ذریعے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے اختلاف کیا دراصل وہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا سابقہ قول ہی ہے''۔امام زفر علیہ الرحمۃ سے منقول ہے فرمایا''میں نے جس مسئلہ میں بھی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے اختلاف کیا وہ ان ہی کے اس سابقہ قول کو لے کر کیا ہے جس سے انہوں نے رجوع کرلیا تھا''۔ان اقوال میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے تلامذہ نے اختلاف کے راستہ کو اختیار نہیں کیا بلکہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ اپنے استاد امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کی پیروی کرتے ہوئے اجتہاد اور رائے کے ذریعے کیا ہے۔(ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فوائد

[1]......رد المحتار على الدرمختار، المقدمة ،ج ١،ص ١٦٧ -

(۱) اختلاف امتی رحمۃ کے معنی: ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کا اختلاف لوگوں کے لئے وسعت پیدا کرتا ہے جیسا کہ تتار خانیہ کے ابتداء میں فرمایا گیا ہے اور اس قول کی اصل یہ حدیث ہے "اختلاف امتی رحمۃ"۔ المقاصد الحسنۃ میں ہے: بیہقی نے سندِ منقطع کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمایا ہے کہ نبی پاک، صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہیں اللہ کی کتاب دی گئی ہے لہذا تم میں سے کسی کے لئے اسے ترک کرنا جائز نہیں، پھر اگر کوئی بات (اپنے علمی استطاعت کی کمی کی وجہ سے) تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو میری سنت پر عمل کرو، پھر اگر میری سنت میں بھی وہ بات نہ ملے تو میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دامن تھام لو کیونکہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جن کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ گے تمہیں نجات مل جائے گی، اور میرے صحابہ کا کسی معاملہ میں اختلاف ہونا تمہارے لئے باعث رحمت ہے"۔ اور ابن حاجب کی المختصر میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ "میری امت کا کسی معاملہ میں اختلاف ہونا لوگوں کے لئے رحمت کا باعث ہے"۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، المقدمۃ، ملخصاج ۱، ص ۱۶۷)

(وفی) آخر الحاوی القدسی: "**واذا اخذ بقول واحد منهم يعلم قطعا انه يكون به آخذا بقول ابی حنيفة فانه روی عن جميع اصحابه من الكبار كابی يوسف ومحمد وزفر والحسن انهم قالوا ماقلنا فی مسئلة قولا الا وهو روايتنا عن ابی حنيفة واقسموا عليه ايمانا غلاظا فلم يتحقق اذن فی الفقه جواب ولامذهب الا له كيف ماكان وما نسب الی غيره الا بطريق المجاز للموافقة**" انتهى.

الحاوی القدسی کے آخر میں ہے: "جب امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے کسی شاگرد کے قول کو اختیار کیا جائے تو یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ حقیقت میں وہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول ہی کو اختیار کر رہا ہے کیونکہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے تمام ہی جلیل القدر شاگردوں مثلاً امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے یہ منقول ہے، ہم نے جس مسئلہ میں جو قول بھی اختیار کیا ہے وہ دراصل ہم نے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ہی سے روایت کیا ہے اور ان حضرات نے اس پر مؤکد قسمیں بھی اٹھائی ہیں۔ پس اب فقہ میں ماسوا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ

الاکرم کے نہ کسی کا کوئی جواب اپنی رائے سے دینا محقق ہے اور نہ ہی کسی اور کا مذہب، خواہ وہ اقوال بالواسطہ ہوں یا بلاواسطہ اور جو اقوال امام صاحب علیہ الرحمۃ کے شاگردوں کی طرف منسوب ہیں وہ بطریق مجاز فقط موافقتِ آراء کی بناء پر منسوب ہیں۔

(فان قلت): اذا رجع المجتهد عن قول لم يبق قولا له لانه صار كالحكم المنسوخ كما سياتي وحينئذ فما قاله اصحابه مخالفين له فيه ليس مذهبه بل صارت اقوالهم مذاهب لهم، فكيف تنسب اليه والحنفی انما قلدابا حنيفة ولذا نسب اليه دون غيره.

اگر آپ کہیں کہ جب مجتہد اپنے کسی قول سے رجوع کرے تو پھر وہ اس کا قول نہیں رہتا بلکہ وحکم منسوخ کی طرح ہوجاتا ہے جیسا کہ عنقریب یہ بات آئے گی، تو اس صورت میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کے شاگردوں نے جس مسئلہ میں ان سے اختلاف کیا ہے وہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا مذہب تو نہ ہوا بلکہ یہ اقوال تو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے شاگردوں کے مذاہب ہوگئے۔ اس صورت میں ان اقوال کو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی طرف کس طرح منسوب کیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ حنفی فقط امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی تقلید کرتا ہے کسی اور کی تقلید نہیں کرتا، اسی بناء پر اسے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی طرف منسوب کرکے حنفی کہا جاتا ہے۔

(قلت) قد كنت استشكلت ذلك واجبت عنه فی حاشيتی رد المحتار علی الدر المختار بان الامام لما امر اصحابه بان يأخذوا من اقواله بما يتجه لهم منها الدليل عليه صار ماقالوه قولاله لابتنائه علی قواعده التی اسسها لهم فلم يكن مرجوعا عنه من كل وجه......[1]

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں یہ اشکال خود میرے ذہن میں آیا تھا اور میں نے اس کا جواب اپنے حاشیہ ردالمحتار علی الدر المختار میں یہ ذکر کیا ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے جب اپنے شاگردوں کو یہ حکم دیا کہ میرے جس قول کی دلیل تم پر ظاہر ہوجائے تو اس کو لے سکتے ہو۔ لہٰذا اس قول کے مطابق آپ علیہ الرحمۃ کے تلامذہ کے تمام اقوال خود آپ علیہ الرحمۃ ہی کے اقوال ہوئے کیونکہ یہ اقوال آپ علیہ الرحمۃ کے مقرر کردہ قواعد ہی پر مبنی ہیں۔ امام صاحب علیہ الرحمۃ کا ان اقوال سے کلیۃً رجوع کرنا ثابت نہیں ہوا۔

ضمنی فائدہ

......۱......ردالمحتار علی الدرالمختار ،المقدمة ،ج۱،ص ۱۶۷۔

الحديث الصحيح هو مذهب الامام الاعظم

ونظير هذا مانقله العلامة البيرى فى اول شرحه على الاشباء عن شرح الهداية لابن الشحنة الكبير والد شارح الوهبانية وشيخ ابن الهمام ونصه: " اذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب عمل بالحديث ويكون ذلك مذهبه ولا يخرج مقلده عن كونه حنفيا بالعمل به، فقد صح عن ابى حنيفة انه قال اذاصح الحديث فهو مذهبى ،وقد حكى ذلك الامام ابن عبد البر عن ابى حنيفة وغيره من الائمة انتهى ونقله ايضاالامام الشعرانى عن الائمة الاربعة.

صحیح حدیث ہی امام اعظم کا مذہب ہے

اس کی مثل وہ بات ہے جسے علامہ بیری علیہ الرحمۃ نے شرح الاشباہ کی ابتداء میں شارح وھبانیہ کے والد ماجد محقق ابن ہمام علیہ الرحمۃ کے استادگرامی ابن شحنہ کبیر علیہ الرحمۃ کی شرح ہدایہ کے حوالے سے نقل کیا: ''جب کوئی حدیث ثابت ہوجائے اوروہ حدیث مذہب کے خلاف (بھی) ہوتو اس حدیث شریف پرعمل کیاجائے گا اوروہی حدیث مذہب ہوگی ۔ اس صورت میں حدیث پرعمل کرنے والا مذہبِ حنفیت سے خارج نہیں ہوگا کہ بطریق صحیح امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے ثابت ہے ۔آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایاجب کوئی حدیث ثابت ہوجائے تووہی میرا مذہب ہے'' ۔(۱) امام ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ نے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اوردیگر ائمہ سے اس قول کونقل کیا ۔(ان کا کلام مکمل ہوا)۔امام شعرانی نے بھی یہ بات ائمہ اربعہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔

ضمنی فائدہ

(۱) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے امام اعظم کے قول''اذا صح الحديث فهو مذهبى'' کے بارے میں ایک مستقل رسالہ''الفضل الموهبى'' تصنیف فرمایا ہے،اس قول کی معرفت کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ نہایت مفید رہے گا۔اس فرمانِ امام میں صحت سے مرادصحتِ فقہی ہے جس کی معرفت غیر مجتہد کے لیے محال ہے اصطلاحِ محدثین والی صحت مرادنہیں۔

الاھلية شرط للعمل بالحديث

(قلت) ولايخفى ان ذلک لمن كان اهلا للنظر فى النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها، فاذا نظراهل المذهب فى الدليل وعملوا به صح نسبته الى المذهب لكونه صادراباذن صاحب المذهب اذلاشک انه لو علم بضعف دليله رجع عنه واتبع الدليل الأقوى ،ولذا ردالمحقق ابن الهمام على المشايخ حيث افتوا بقول الامامين بانه لا يعدل عن قول الامام الالضعف دليله .

حدیث پر عمل کرنے کے لئے اہلیت کا ہونا شرط ہے

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں یہ بات مخفی نہیں ہے کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کی اجازت اس شخص کے لئے ہے جو نصوص میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، محکم اور منسوخ نصوص کی معرفت رکھتا ہو، لہذا جو کوئی اہل مذہب دلیل میں نظر کرنے کے بعد اس حدیث پاک پر عمل کرے تو اس کی نسبت مذہب کی طرف کرنا درست ہے کیونکہ اس نے صاحب مذہب کی اجازت ہی سے ایسا کیا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ اگر صاحب مذہب اپنی دلیل کے ضعف کو جان لیتے تو اس قول سے رجوع کر کے اقوی دلیل ہی کی پیروی کرتے ۔اسی بناء محقق ابن ہمام علیہ الرحمۃ نے ان مشائخ کا رد فرمایا جنہوں نے صاحبین کے قول پر فتوی دیا تھا، کیونکہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول سے عدول اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب کہ آپ علیہ الرحمۃ کی بیان کردہ دلیل ضعیف ہو(ا)۔

ضمنی فوائد

(۱) صدر الشریعۃ فرماتے ہیں: جب امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اور صاحبین علیہما الرحمۃ کسی قول پر متفق ہوں تو پھر بغیر کسی شدید ضرورت کے اس سے عدول نہیں کیا جاسکتا، لیکن امام صاحب ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف ہوں اس وقت اگر صاحبین کی رائے بھی الگ الگ ہے تو فتوی قول امام پر ہوگا لیکن صاحبین ایک رائے پر ہیں اور امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم دوسری رائے پر تو عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس صورت میں بھی فتوی قول امام پر ہوگا جب کہ دیگر علماء کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں مفتی کو اختیار ہے کہ جس کے قول پر چاہے فتوی دے ،صاحبین کے قول پر یا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ

الاکرم کے قول پر، اس اختیار کا مطلب یہ ہے کہ وہ یعنی مفتی دلیل میں غور کرے اور جو دلیل قوی ہو اس پرفتوی دے۔ (بہار شریعت غیر مخرجہ، حصہ ۱۹، باب طبقات الفقهاء، ج۳، ص ۳۶)

لامساغ للمجتهد ان يخرج من مذهبه

(واقول) ايضا :ينبغي تقييدذلک بما اذا وافق قولا فی المذهب اذلم يأذنوافی الاجتهاد فيما خرج عن المذهب بالكلية مما اتفق عليه ائمتنا لان اجتهاد هم اقوى من اجتهاده ،فالظاهر انهم رأوا دليلا ارجح ممار آه حتى ممالم يعملوا به ولهذاقال العلامة قاسم فی حق شيخه خاتمة المحققين الكمال بن الهمام لايعمل بأبحاث شيخنا التی تخالف المذهب وقال فی تصحيحه علی القدوری: قال الامام العلامة الحسن بن منصور بن محمود الاوزجندی المعروف بقاضی خان فی كتاب الفتاوی:" رسم المفتي في زماننا من اصحابنا اذااستفتی عن مسئلة ان كانت مروية عن اصحابنافی الروايات الظاهرة بلا خلاف بينهم فانه يميل اليهم ويفتي بقولهم ولا يخالفهم برأيه وان كان مجتهدا متقنالأن الظاهر ان يكون الحق مع اصحابنا ولايعدوهم واجتهاده لايبلغ اجتهادهم ولا ينظر الی قول من خالفهم ولا تقبل حجته ايضا،لانهم عرفوا الادلة وميزوابين ماصح وثبت وبين ضده..... الخ ثم نقل نحوه عن شرح برهان الائمة علی ادب القضآء للخصاف......اﻫ".

مجتهد کے لئے مذہب کے دائرے میں رہنا ضروری ہے

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کی اجازت دینے میں مزید ایک قید کا اضافہ کرنا چاہیے کہ وہ حدیث پاک مذہب کے کسی قول کے موافق ہو، کیونکہ علماء نے اس طرح کے اجتہاد کی اجازت نہیں دی جس سے بندہ کلیۃً ہمارے ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے متفق علیہ مذہب سے نکل جائے (ا)، کیونکہ ائمہ مذہب کا اجتہاد اس شخص کے اجتہاد سے قوی تر ہے اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ ائمہ مذہب کی نظر میں اس شخص کی

دلیل سے راجح دلیل موجود تھی جس کے سبب انہوں نے اس مرجوح دلیل پر عمل نہیں کیا۔ اسی سبب سے علامہ قاسم علیہ رحمۃ نے اپنے استاد خاتمۃ المحققین کمال ابن ہمام کے بارے میں کہا کہ ہاں میرے شیخ کی جو ابحاث (۲) مذہب کے برخلاف ہیں وہ قابل عمل نہیں ہیں۔ علامہ قاسم علیہ رحمۃ نے تصحیح القدوری میں فرمایا: ''امام علامہ حسن بن منصور بن محمود اوزجندی علیہ رحمۃ اللہ القوی جو قاضی خان کے لقب سے معروف ہیں انہوں نے اپنے فتاوی میں رسم المفتی کے تحت ذکر کیا: ''ہمارے زمانے کے حنفی مفتیان کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کا طرز یہ ہونا چاہیے کہ جب ان سے کسی مسئلہ کے بارے میں استفسار کیا جائے تو اگر اس مسئلہ کا جواب ائمہ مذہب کے حوالے سے بغیر کسی اختلاف کے ظاھر الروایۃ میں منقول ہو تو اس مسئلہ کی طرف مائل ہوں اور ان کے قول کے مطابق فتوی دیں اور اپنی رائے سے ان سے اختلاف نہ کریں، اگرچہ وہ ماہر مجتہد ہو کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حق ہمارے آئمہ کے ساتھ ہے ان سے متجاوز نہیں ہے۔ اور اس مجتہد کا اجتہاد ان آئمہ کے اجتہاد کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی ان ائمہ کرام کے مخالف قول کی جانب نظر کرے یونہی حنفی مفتی ان آئمہ احناف کی دلیل قبول کرے کیونکہ ان ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے دلائل کی معرفت حاصل کی ہے اور صحیح اور غیر صحیح، ثابت وغیر ثابت کے درمیان فرق کیا ہے...... الخ''۔ پھر علامہ قاسم علیہ رحمۃ نے اسی طرح کا کلام امام خصاف کی کتاب ادب القضاء کی شرح سے نقل کیا ہے جس کے مؤلف برھان الائمہ ہیں۔

ضمنی فائدہ

......[۱]...... الفتاوی قاضی خان علی ھامش الفتاوی ھندیہ، فصل فی رسم المفتی، ج ۱، ص ۲

(۱) عندالاحناف عمل بالحدیث کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ائمہ احناف میں سے کسی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہو جبکہ شوافع کے نزدیک ائمہ اربعہ میں سے کسی کا عمل بھی اس حدیث کے موافق ہو تو اس حدیث سے استدلال کرنا درست ہے چنانچہ شیخ ابو عمرو نے فرمایا: اگر کسی شافعی کو اپنے مذہب کے برخلاف کوئی حدیث نظر آئے تو اگر اس شخص میں اجتہاد مطلق کی شرائط ہوں یا خاص اس باب یا مسئلہ میں اسے اجتہاد کا ملکہ ہو تو ایسا شخص حدیث پر عمل کر سکتا ہے اور اگر اس میں شرائط اجتہاد موجود نہ ہوں لیکن باوجود شدید جستجو کے اسے اس حدیث کا کوئی شافی جواب نہ مل سکا ہو اور اس کو حدیث کی مخالفت گراں معلوم ہوتی ہو تو وہ اس حدیث پر عمل کر سکتا ہے بشرطیکہ اس

حدیث پر امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے علاوہ کسی امام مستقل نے عمل کیا ہو اور دوسرے مجتہد کا عمل اس کے لیے اس مسئلہ میں اپنے امام کے مذہب کو ترک کرنے کا سبب بن جائے گا۔ (امام نووی نے فرمایا) ان کی یہ بات احسن ہے اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ (شرح المهذب، ج ۱، ص ٦٤)

(۲) **بحث کا مطلب**: اس سے مراد وہ تحقیق یا استخراج ہے جو نہ ائمہ مذہب سے منقول ہو اور نہ ہی کسی قاعدہ کلیہ کے عموم میں شامل ہو، امام اہلسنت عظیم المرتبت فرماتے ہیں: بحث وہیں کہیں گے جہاں مسئلہ نہ منقول ہو نہ صراحۃً کسی کلیہ نا مخصوصہ مذہب کے تحت میں داخل ہو کہ ایسے کلیات سے استناد بحث ونظر پر موقوف نہیں۔ (فتاوی رضویه غیر مخرجه، ج ۳، ص ٧٣٤)

المسائل التی یشملها المذهب توسعا

(قلت): لکن ربما عدلوا عما اتفق علیه ائمتنا لضرورة ونحوها کما مر فی مسئلة الاستئجار علی تعلیم القرآن ونحوه من الطاعات التی فی ترک الاستئجار علیها ضیاع الدین کما قررناه سابقا، فح یجوز الافتاء بخالف قولهم کما نذکره قریبا عن الحاوی القدسی وسیأتی بسطه ایضا آخر الشرح عند الکلام علی العرف.

بعض وہ مسائل جو توسعاً مذہب میں داخل ہیں

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں بسا اوقات فقہاء کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام ضرورت وغیرہ دیگر علتوں کی بناء پر ہمارے ائمہ کے متفق علیہ قول سے عدول کرتے ہیں جیسا کہ تعلیم قرآن وغیرہ دیگر ان عبادات پر اجارہ درست ہونے کا مسئلہ ہم نے ما قبل ذکر کیا جن پر اجارہ نہ کرنے کی صورت میں دین کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ پس ایسی صورت میں ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے قول کے برخلاف فتوی دینا جائز ہو جاتا ہے جیسا کہ ابھی ہم الحاوی القدسی کے حوالے سے اس بات کو ذکر کریں گے، اور عنقریب اس کی تفصیل بھی شرح کے آخر میں عرف کی بحث کے تحت آئے گی۔

(والحاصل) ان ماخالف فیه الاصحاب امامهم الاعظم لایخرج عن مذهبه اذا رجحه المشایخ المعتبرون وکذا مابناه المشایخ علی العرف الحادث لتغیر الزمان او للضرورة ونحو ذلک لایخرج عن مذهبه ایضا لأن مارجحوه

لترجیح دلیله عندهم ماذون به من جهة الامام ،و کذا مابنوه علی تغیر الزمان والضرورة باعتبار انه لو کان حیا لقال بما قالوه لان ماقالوه انما هو مبنی علی قواعده ایضا فهو مقتضی مذهبه.

خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے شاگردوں کے جو اقوال امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے اقوال کے خلاف ہیں وہ خارج از مذہب نہیں جب کہ معتبر مشائخ نے ان کی ترجیح بیان کی ہو، اور یونہی وہ مسائل جن کا مدار تغییر زمانہ یا ضرورت وغیرہ کسی دوسری علت کی وجہ سے مشائخ نے جدید عرف پر رکھا ہے وہ بھی خارج از مذہب نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے جس مسئلہ کو ترجیح دی ہے اس کا سبب ان کے نزدیک اس مسئلہ کی دلیل کا راجح ہونا ہے اور جس قول کی دلیل کا راجح ہونا ظاہر ہو اس پر عمل کی انہیں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی طرف سے اجازت ہے اور یونہی جن مسائل کا مدار انہوں نے تغییر زمانہ یا ضرورت پر رکھا ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ اگر خود امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم حیات ہوتے تو وہی بات فرماتے جو ان مشائخ نے کہی ہے کیونکہ ان فقہاء کے اقوال تو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے اقوال پر مبنی ہیں تو خود ان مشائخ کے اقوال امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے مذہب کا مقتضی ہیں۔

التعبیر المناسب للمسائل المبنیة علی قواعد الامام

لکن ینبغی ان لا یقال: قال ابو حنیفة کذا الا فیما روی عنه صریحا وانما یقال فیه مقتضی مذهب ابی حنیفة کذا کما قلنا، ومثله تخریجات المشایخ بعض الاحکام من قواعده اوبالقیاس علی قوله ومنه قولهم: وعلی قیاس قوله بکذا یکون کذا فهذا کله لایقال فیه قال ابو حنیفة، نعم یصح ان یسمی مذهبه بمعنی انه قول اهل مذهبه او مقتضی مذهبه، وعن هذا لما قال صاحب الدرر والغرر فی کتاب القضاء: "اذا قضی القاضی فی مجتهد فیه بخلاف مذهبه لا ینفذ قال :ای خلاف اصل المذهب کالحنفی اذا حکم علی مذهب الشافعی او نحوه او بالعکس، واما اذاحکم الحنفی بمذهب ابی یوسف او محمد او نحوهما من

اصحاب الامام فلیس حکما بخلاف رأیہ......[۱]" انتھی.

امام کے اقوال کی روشنی میں مسائل مبنیہ کے حوالے سے مناسب تعبیر کرنا

لیکن اس عبارت کا اطلاق کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اس مسئلہ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں انہیں مسائل پر کیا جائے جو صراحۃً امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے منقول ہوں۔ ہاں مشائخ احناف علیہ رحمۃ اللہ الوھاب کے جدید اقوال کے بارے میں یوں کہا جائے گا کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے مذہب کا مقتضی یہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی یہ بات ذکر کی تھی۔ اسی طرح جن بعض احکامات کی تخریج مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قواعد کی روشنی میں کی ہے یا آپ علیہ الرحمۃ کے کسی قول پر قیاس کرکے کی ہے اس پر بھی اس عبارت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس آخری بات کو فقہاء کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام یوں بھی تعبیر کرتے ہیں کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے فلاں قول پر قیاس کے مطابق یہ حکم ہے۔ الغرض ان صورتوں میں یوں نہیں کہا جائیگا کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم نے یوں فرمایا ہے، ہاں انہیں امام اعظم کے مذہب کا نام دینا درست ہے بایں معنی کہ یہ ان کے اہل مذہب کا قول ہے یا یہ ان کے مذہب کا مقتضی ہے۔

اسی سے متعلق ہے جو صاحب الدرر والغرر کی کتاب القضاء میں فرمایا: "جب قاضی کسی مختلف فیہ مسئلہ میں اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا یعنی قاضی نے جب کہ اپنے اصلِ مذہب کے خلاف فیصلہ کیا ہو، جیسا کہ حنفی نے شافعی مسلک کے مطابق فیصلہ کیا ہو یا اس کے برعکس ہوا ہو۔ بہر حال جب کہ حنفی قاضی نے امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ وغیرہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے کسی شاگرد کے مذہب کے مطابق فیصلہ کیا ہو تو یہ فیصلہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی رائے کے برخلاف تصور نہیں ہوگا۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فائدہ

[۱]......درر الحکام شرح غرر الاحکام، کتاب القضاء، باب ما تقضی فیہ المرأۃ، ج۲، ص ۴۰۹۔

المسائل المتخرجة اقرب الی المذهب

والظاهر ان نسبة المسائل المخرجة الی مذهبه اقرب من نسبة المسائل التی

قال بها ابو یوسف او محمد الیه المخرجة مبنیة علی قواعده واصوله،واما المسائل التی بها ابو یوسف ونحوه من اصحاب الامام فکثیر منها مبنی علی قواعد لهم خالفوا فیها قواعد الامام ،لانهم لم یلتزموا قواعده کلها کمایعرفه من له معرفة بکتب الاصول. **نعم** قد یقال اذا کانت اقوالهم روایات عنه علی ما مر تکون تلک القواعد له ایضا لابتناء تلک الاقوال علیها وعلی هذا ایضا تکون نسبة التخریجات الی مذهبه اقرب لابتنائها علی قواعده التی رجحها وبنی اقواله علیها، فاذا قضی القاضی بما صح منها نفذ قضاؤه کما ینفذ بما صح من اقوال الاصحاب ،فهذا ماظهرلی تقریره فی هذاالباب من فتح الملک الوهاب، والله تعالی اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب.

مسائل مخرجه ،اقوال تلامذہ کے مقابلے میں مذہب سے قریب ترین ہوتے ہیں

اور ظاہر بات یہ ہے کہ جن مسائل کی تخریج **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قواعد کے مطابق کی گئی، انہیں **امام اعظم** کے مذہب کی طرف منسوب کرنا ان مسائل سے زیادہ قریب ہیں جن کے قائل **امام ابو یوسف** اور **امام محمد** رحمہما اللہ **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے شاگرد ہیں، کیونکہ جن مسائل کے قائل **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ہیں ان کی تخریج ان کے اپنے اصول اور قواعد پر مبنی ہے اور جن مسائل کے قائل امام ابو یوسف وغیرہ امام اعظم کے دیگر شاگرد ہیں ان میں سے بہت سے مسائل کا مبنی ان کے اپنے اصول اور قواعد ہیں۔اور جن مسائل کے قائل **امام ابو یوسف** وغیرہ تلامذہ ہیں ان میں سے اکثر مسائل ان کے اپنے اصول وقواعد پر مبنی ہوتے ہیں جو امام اعظم کے قواعد کے برخلاف ہوتے ہیں اس لیے کہ ان حضرات نے **امام اعظم** کے تمام قواعد کا التزام نہیں کیا ہے۔اور یہ بات کتب اصول کی معرفت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے۔

ہاں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے تلامذہ کے اقوال بھی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ہی کی روایات ہیں جیسا کہ گزر چکا۔لہذا تلامذہ کے یہ اصول وقواعد بھی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ہی کے ہوں گے کہ یہ اقوال انہی قواعد پر مبنی ہیں (ا)۔اس صورت کے مطابق ان تخریجات کی نسبت **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے مذہب کی طرف کرنا زیادہ قریب ہوگا کہ یہ

تخریجات ان قواعد پر مبنی ہیں جنہیں انہوں نے راجح قرار دیا ہے اور جن پر اپنے اقوال کی بنیاد رکھی ہے۔ پس قاضی ان میں سے کسی صحیح قول کے مطابق فیصلہ کرے تو نافذ ہوتا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اس باب کی وضاحت کرنے کے حوالے سے مجھ پر ظاہر ہوئیں۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

ضمنی فوائد

(ا) ماقبل بحث گزری کہ بسا اوقات امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے شاگردوں کے قول پر فتوی ہوتا ہے۔ اور انہیں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی جانب سے اجازت ہے کہ تم میرے اقوال میں سے کسی بھی ایک قول کو اپنا سکتے ہیں اگرچہ مسائل کا مبنی ان کے اپنے اصول وقوانین ہوتے ہیں لیکن متعدد اقوال امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ہی کی روایات ہوتی ہیں۔ اور یہ تلامذہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے اقوال کی روشنی میں ضرورت اور تغیر زمانہ کے باعث فتوی صادر کرتے ہیں۔ اس موضوع پر کئی مثالیں ہو سکتی ہیں کہ فتوی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول مبارک کو چھوڑ کر صاحبین کے قول کے مطابق ہوتا ہے اور بعد میں آنے والے مشائخ اسی کو مفتی بہ قول قرار دے دیتے ہیں کہ اگر امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ہمارے دور میں ہوتے تو یہی فرماتے جو ہم نے کہا ہے مثلاً: اینٹ تھاپنے والے کی اجرت کا مسئلہ کہ وہ اجرت کا کب مستحق ہوگا؟ جب اینٹ اس نے کھڑی کردی اس کے بعد اگر اینٹوں کا نقصان ہو تو یہ نقصان مالک کا ہوگا، اینٹ تھاپنے والے کا نہیں اور اگر اس سے پہلے نقصان ہو تو یہ نقصان اینٹ تھاپنے والے کا شمار ہوگا کہ ابھی یہ اجرت کا مستحق نہیں ہوا، یہ قول امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اجرت کا مستحق اس وقت ہوگا جب اینٹوں کا چٹا لگا دے اور اسی پر فتوی ہے

(هداية مع بداية المبتدی، كتاب الاجارة، باب متى يستحق الاجر، ج٦، ص ٢٧٣)

ماقبل کلام گزرا کہ جب قاضی اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے تو وہ نافذ نہ ہوگا، اس کی مثال یہ ہے کہ اگر شافعی المذہب قاضی بیع عقار کے حوالے سے فیصلہ کرے تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا اس لئے کہ ان کے مذہب میں پڑوسی کے لئے حق شفعہ متحقق نہیں ہوتا۔

(الاشباه والنظائر، النوع الثانی، القاعدة الاولى: الاجتهاد لا ينقض بالاجتهاد، ص ١٠٧)

☆...... وحيث لم يوجد له اختيار فقول يعقوب هو المختار.

اور جہاں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا اختیار کردہ قول موجود نہ ہو تو امام یعقوب علیہ رحمۃ اللہ الودود کا قول ہی مختار ہوگا۔

☆...... ثم محمد فقوله الحسن ثم زفر ابن زیادالحسن.

پھر امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد کا مرتبہ ہے، پس ان کا قول حسن ہوگا پھر امام زفر اور امام حسن بن زیاد علیہما الرحمۃ کے اقوال اختیار کئے جائیں گے۔

☆...... وقیل بالتخییر فی فتواہ ان خالف الامام صاحباہ.

اگر صاحبین نے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے اختلاف کیا ہو تو کہا گیا ہے کہ مفتی کو فتوی دینے میں اختیار ہوگا۔

☆...... وقیل من دلیله اقوی رجح وذالمفت ذی اجتهاد الأصح.

اور کہا گیا ہے کہ جس قول کی دلیل قوی ہوگی اسے راجح قرار دیا جائے گا اور دلیل میں نظر و فکر کرنا مجتہد مفتی کیلئے زیادہ صحیح ہے۔

القول المقدم من الاقوال المختلفة

قد علمت ماقررناه آنفا ان مااتفق علیه ائمتنا لایجوز لمجتهد فی مذهبهم ان یعدل عنه برأیه لأن رأیهم اصح ،واشرت هنا الی انهم اذا اختلفوا یقدم مااختاره ابوحنیفة سواء وافقه احد اصحابه اولا، فان لم یوجدله اختیار قدم ما اختاره یعقوب، وهو اسم ابی یوسف اکبر اصحاب الامام، وعادة الامام محمد انه یذکر ابایوسف بکنیته الا اذا ذکر معه اباحنیفة فانه یذکره باسمه العلم فیقول یعقوب عن ابی حفیفة، وکان ذلک بوصیة من ابی یوسف تأدبا مع شیخه ابی حنیفة رحمهم الله تعالی جمیعا ورحمنا بهم وادام بهم النفع الی یوم القیمة وحیث لم یوجد لابی یوسف اختیار قدم قول محمد ابن الحسن اجل اصحاب ابی حنیفة بعد ابی یوسف ثم بعده یقدم قول زفر والحسن ابن زیاد فقولهما فی رتبة واحدة لکن عبارة النهر "ثم بقول الحسن بن زیاد" وقیل اذا خالفه اصحابه وانفرد بقول یتخیر المفتی، وقیل لایتخیر، الاالمفتی المجتهد فیختار ماکان دلیله اقوی.

اقوال مختلفہ میں امام اعظم کے قول کو مقدم رکھا جائے گا!

ہم نے ابھی جو گفتگو کی اس سے آپ نے جان لیا کہ جس مسئلہ پر ہمارے ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام متفق ہوں مجتھد فی المذھب کے لئے بھی اس سے اپنی رائے کے ذریعے عدول کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ان ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کی رائے اس مجتہد کی رائے کے مقابلے میں زیادہ درست ہے۔ ان اشعار میں ہم نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جب آئمہ مذہب کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے اختیار کردہ قول کو مقدم کیا جائے گا، خواہ اس مسئلہ میں آپ علیہ الرحمۃ کے اصحاب میں سے کوئی آپ علیہ الرحمۃ کے موافق ہو یا نہ ہو۔ (۱) اور اگر امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا کوئی قول موجود نہ ہو تو پھر اس قول کو اختیار کیا جائے گا جسے یعقوب علیہ الرحمۃ نے اختیار کیا ہو، یعقوب (امام ابو یوسف) علیہ الرحمۃ کا اسم گرامی ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے سب سے جلیل القدر شاگرد ہیں۔ امام محمد علیہ الرحمۃ کی عادت ہے کہ جب آپ علیہ الرحمۃ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا ذکر کرتے ہیں تو کنیت ذکر کرتے ہیں اور جب آپ علیہ الرحمۃ کا ذکر امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ کرتے ہیں تو امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے اسم علم (یعنی یعقوب) کو ذکر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں یعقوب علیہ الرحمۃ نے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے روایت کیا۔ امام محمد علیہ الرحمۃ کا اس وقت کنیت کے بجائے اسم علم ذکر کرنا خود امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کی تاکید کے سبب ہے کہ آپ علیہ الرحمۃ نے ادباً اپنے استاد امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ابو حنیفہ کے ساتھ اپنی کنیت ذکر کرنے سے منع فرمایا۔ اللہ جل جلالہ ان پر اور ان کے صدقہ ہم پر رحم فرمائے اور قیامت تک ان کے نفع کو قائم ودائم رکھے۔ جب امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا قول بھی اس مسئلہ میں موجود نہ ہو تو پھر امام محمد بن حسن علیہ الرحمۃ کے قول کو مقدم کیا جائے گا۔ امام ابو یوسف کے بعد امام محمد، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے سب سے جلیل القدر شاگرد ہیں۔ امام محمد علیہ الرحمۃ کے بعد امام زفر علیہ الرحمۃ اور امام حسن بن زیاد علیہ الرحمۃ کے قول کو مقدم کیا جائے گا۔ ان دونوں حضرات کے اقوال کا ایک ہی مرتبہ ہے لیکن نہر الفائق کی عبارت "ثم بقول الحسن بن زیاد" سے معلوم ہوتا ہے اس کے بعد امام حسن علیہ الرحمۃ کے قول کا رتبہ ہے۔ (۲) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے تلامذہ ان سے اختلاف کریں اور امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اس مسئلہ میں منفرد ہوں تو ایسی صورت میں مفتی

کواختیار دیا جائے گا کہ وہ جس کے قول پر چاہے فتوی دے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اختیار فقط مجتہد مفتی کے لئے ہے کہ جس قول کی دلیل زیادہ قوی ہو مجتہد مفتی اسے اختیار کرلے (۳)۔

ضمنی فوائد

(۱) اصل یہ ہے کہ مذہب امامِ اعظم پر عمل واجب ہے جب تک کوئی ضرورت اس کے خلاف پر باعث نہ ہو۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ، ج۳، ص۱۳۵)

(۲) امام اہلسنت فرماتے ہیں اقول : لفظ "نہر" "ثم الحسن" عمدہ ہے کیونکہ امام زُفر کی ان سے برتری ناقابلِ انکار ہے لیکن علامہ شامی لکھتے ہیں کہ "واؤ" ہی کتابوں میں مشہور ہے۔

(فتاوی رضویہ مخرجہ، ج۱، ص۱۷۷)

(۳) اعلیحضرت فرماتے ہیں اقول: یعنی جب امام کا قول اسے نہ ملے تو وہ ترتیب کا پابند نہیں کہ امامِ ثانی ہی کے قول کی پیروی کرے، اگر اس کا اجتہاد امامِ ثالث کے قول پر جائے جیسے اس صورت میں بالاتفاق اسے اختیار نہیں جب امام کے ساتھ صاحبین یا ان میں سے ایک ہو۔ (المرجع السابق)

(قال) فی الفتاوی السراجیة: " ثم الفتوی علی الاطلاق علی قول ابی حنیفة ثم ابی یوسف ثم قول محمد بن الحسن ثم قول زفر (بن الهزیل) و الحسن بن زیاد. وقیل اذا کان ابوحنیفة فی جانب وصاحباه فی جانب فالمفتی بالخیار، والاول اصح اذا لم یکن المفتی مجتهدا......ا" انتهی. و مثله فی متن التنویر اول کتاب القضاء.

فتاوی السراجیہ میں فرمایا: "پھر فتوی مطلقاً امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول پر ہے، پھر امام ابو یوسف پھر امام محمد پھر امام زفر اور حسن بن زیاد علیہم الرحمۃ کے اقوال پر دیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کسی مسئلہ میں ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف تو اس صورت میں مفتی کو اختیار ہے کہ وہ جس قول پر چاہے فتوی دے، لیکن درست پہلا قول ہی ہے جب کہ مفتی مجتہد نہ ہو" (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ اس کی مثل کلام تنویر الابصار کی کتاب

القضاء کی ابتداء میں ہے۔

(وقال) فی آخر کتاب الحاوی القدسی: "ومتی لم یوجد فی المسئلة عن ابی حنیفة روایة یؤخذ بظاهر قول ابی یوسف ثم بظاهر قول محمد ثم بظاهر قول زفر والحسن وغیرهم ،الاکبر فالاکبر الی آخر من کان من کبار الاصحاب وقال قبله: ومتی کان قول ابی یوسف ومحمد موافق قوله لا یتعدی عنه الا فیما مست الیه الضرورة وعلم انه لو کان ابو حنیفة رأی ماراًوا لأفتی به وکذا اذا کان احدهما معه فان خالفاه فی الظاهر قال بعض المشایخ یأخذ بظاهر قوله ،وقال بعضهم المفتی مخیر بینهما ان شاء افتی بظاهر قوله وان شاء افتی بظاهر قولهما، والاصح ان العبرة لقوة الدلیل" انتهی.

الحاوی القدسی کے آخر میں ہے: "جب امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے کسی مسئلہ سے متعلق روایت منقول نہ ہوتو امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے قول کو لیا جائے گا، پھر امام محمد علیہ الرحمۃ کے قول کو، پھر امام زفر اور حسن بن زیاد علیہما الرحمۃ وغیرہ کے اقوال الاکبر فالاکبر کے قاعدے کے تحت درجہ بدرجہ اکبر کے اقوال لئے جائیں گے۔ اور جب صاحبین کا قول امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کے موافق ہوتو پھر اس سے تجاوز نہیں کیا جاسکتا سوائے اس کے کہ ضرورت متحقق ہوجائے۔ اور یہ معلوم ہو کہ خود امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اگر اس بات کو ملاحظہ فرماتے جو ان حضرات مشائخ نے دیکھی ہے تو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم بھی یہی فتوی دیتے اور یونہی جب صاحبین میں سے کوئی ایک امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ کسی مسئلہ میں متفق ہوں تب بھی اس قول سے عدول جائز نہیں ہے ۔اگر صاحبین کسی مسئلہ میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ اختلاف کریں تو مشائخ کا قول یہ ہے کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول پر عمل کیا جائے گا۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ ایسی صورت میں مفتی کو اختیار ہوگا چاہے تو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ظاہر قول پر فتوی دے اور چاہے تو صاحبین کے قول پر فتوی دے، لیکن درست یہی ہے کہ یہاں بھی قوت دلیل کا اعتبار ہے"۔

ضمنی فائدہ

......ا......النهر الفائق، کتاب القضاء، ج۳، ص ۵۹۹۔

خلاصة البحث

(والحاصل) انه اذا اتفق ابو حنيفة وصاحباه علی جواب لم يجز العدول عنه الا لضرورة وكذا اذا وافقه احدهما، واما اذا انفرد عنهما بجواب وخالفاه فيه، فان انفرد كل منهما بجواب ايضا بان لم يتفقا علی شیء واحد فالظاهر ترجيح قوله ايضا، واما اذا خالفاه واتفقا علی جواب واحد حتی صار هو فی جانب وهما فی جانب، فقيل يرجح قوله ايضا، وهذا قول الامام عبد الله بن المبارك وقيل يتخير المفتی وقول السراجية "والاول اصح اذا لم يكن المفتی مجتهدا" يفيد اختيار القول الثانی ان كان المفتی مجتهداً.

ماقبل کلام کا خلاصہ!

خلاصہ یہ ہے کہ جب امام اعظم اور صاحبین علیہم الرحمۃ کسی جواب پر متفق ہو جائیں تو سوائے اشد ضرورت کے، اس متفق علیہ مسئلہ سے عدول کرنا جائز نہیں ہے۔ جب کہ صاحبین میں سے کوئی ایک امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ موافق ہو جائے۔ ہاں جب امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا جواب صاحبین کے جواب سے مختلف ہو اور صاحبین نے اس مسئلہ میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے اختلاف کیا ہو اور خود صاحبین بھی اس مسئلے کے جواب میں الگ الگ رائے رکھتے ہوں بایں طور پر کہ صاحبین خود بھی ایک جواب پر متفق نہ ہوں تو ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں بھی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ہی کے قول کو ترجیح ہوگی۔ جب صاحبین امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ کسی مسئلہ میں اختلاف کریں اور وہ دونوں کے دونوں ایک جواب پر متفق ہوں مثلاً ایک طرف امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ہوں اور دوسری جانب صاحبین ہوں تو اس صورت میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کو ترجیح دی جائے گی اور یہ امام عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس صورت میں مفتی کو اختیار دیا جائیگا۔ السراجیہ میں ہے کہ "پہلا قول ہی اصح ہے جب کہ مفتی مجتہد نہ ہو" ہاں اگر مفتی مجتہد ہے تو وہ دوسرے قول کو بھی اختیار کر سکتا ہے۔

ما المراد بتخيير المفتی

ومعنی تخييره انه ينظر فی الدليل فيفتی بما يظهر له ولا يتعين عليه قول الامام

وهذا الذی صححه فی الحاوی ایضاً بقوله والاصح ان العبرة لقوة الدلیل لان اعتبار قوة الدلیل شان المفتی المجتهد، فصار فیما اذا خالفه صاحباه ثلاثة اقوال

مفتی کو اختیار ہونے سے کیا مراد ہے؟

مفتی کو اختیار دینے کا مطلب یہ ہے کہ مفتی دلیل میں غور وفکر کرے پھر اس پر جو بات ظاہر ہو اس کے موافق فتوی دے۔ اور یہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول ہی کے ساتھ متعین نہیں ہے۔ اور اسی قول کی تصحیح الحاوی القدسی میں ان الفاظ (والاصح ان العبرة لقوة الدلیل) کے ساتھ ذکر کی ہے، اور درست بات یہ ہے کہ اعتبار قوت دلیل کا ہے کیونکہ قوت دلیل کو سمجھنا، پرکھنا، یہ مجتہد مفتی ہی کا کام ہے، پس وہ مسئلہ جس میں صاحبین نے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ اختلاف کیا ہو اس بارے میں تین اقوال ہیں۔

الاول: اتباع الامام بلا تخییر.

(۱)...... مفتی پر امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کی پیروی واجب ہے اسے کسی قسم کا اختیار نہیں۔

الثانی: التخییر مطلقا.

(۲)...... مفتی کو مطلقاً اختیار ہے۔

الثالث: وهو الاصح التفصیل بین المجتهد وغیره وبه جزم قاضی خان کما یأتی. والظاهر ان هذا توفیق بین القولین بحمل القول باتباع قول الامام علی المفتی الذی هو غیر مجتهد، وحمل القول بالتخییر علی المفتی المجتهد، واذا لم یوجد للامام نص یقدم قول ابی یوسف ثم محمد ......الخ ،والظاهر ان هذا فی حق غیر المجتهد، اما المفتی المجتهد فیتخیر بما یترجح عنده دلیله نظیر ماقبله.

(۳)...... مجتہد وغیر مجتہد مفتی کے حوالے سے اس بارے میں تفصیل ہے، اور اسی قول پر امام قاضی خان علیہ رحمۃ اللہ المنان نے جزم کیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ تیسرا قول درالاصل ماقبل دونوں اقوال کے مابین تطبیق کی ایک صورت ہے۔ جس قول میں مفتی پر امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کی پیروی کو لازم قرار دیا گیا ہے وہاں مفتی سے مراد غیر مجتہد مفتی ہے اور مطلقاً اختیار والے قول کو مجتہد مفتی پر محمول کیا گیا ہے اور آخری قول مجتہد مفتی کیلئے ہے۔ جب امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ

الاکرم سے کسی مسئلہ میں کوئی نص نہ مل سکے تو امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول کو مقدم کیا جائے گا پھر امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد کے قول کو...... الخ، ظاہر یہ ہے کہ یہ بات بھی غیر مجتہد مفتی کے بارے میں ہے کیونکہ مجتہد مفتی کو تو یہ اختیار دیا جائے گا کہ اس کے نزدیک جس عالم کی دلیل راجح ہو اسے اختیار کرے جس کی نظیر ماقبل بحث سے مل سکتی ہے۔

تفصيل الصورة الثانية

(وقد) علم من هذا انه لاخلاف في الأخذ بقول الامام اذا وافقه احدهما ولذا قال الامام قاضي خان: "وان كانت المسئلة مختلفافيها بين اصحابنا فان كان مع ابي حنيفة احدصاحبيه يأخذ بقولهما، اي بقول الامام ومن وافقه لوفور الشرائط واستجماع ادلة الصواب فيها، وان خالفه صاحباه في ذلك فان كان اختلافهم اختلاف عصر وزمان كالقضاء بظاهر العدالة يأخذ بقول صاحبيه، لتغيير احوال الناس وفي المزارعة والمعاملة ونحوها يختار قولهما لاجماع المتأخرين على ذالك وفيما سوى ذلك تخيير المفتي المجتهد ويعمل بما افضى اليه رأيه، وقال عبد الله بن المبارك يأخذ بقول ابي حنيفة......[1]......" انتهى.

(قلت) لكن قدمنا ان مانقل عن الامام من قوله" اذا صح الحديث فهو مذهبي" محمول على مالم يخرج عن المذهب بالكلية كما ظهر لنامن التقرير السابق ومقتضاه جواز اتباع الدليل وان خالف ماوافقه عليه احدصاحبيه ولهذا قال في البحر عن التتارخانية:" اذا كان الامام في جانب وهما في جانب خير المفتي وان كان احدهما مع الامام اخذ بقولهما الا اذااصطلح المشايخ على قول الآخر، فيتبعهم كما اختار الفقيه ابو الليث قول زفر في مسائل"......[2]...... انتهى.

وقال في رسالته المسماة رفع الغشاء في وقتي العصر والعشاء:" لايرجح قول صاحبيه او احدهما على قوله الا لموجب وهو اما لضعف دليل الامام واما للضرورة والتعامل، كترجيح قولهما في المزارعة والمعاملة واما لأن خلافهما له بسبب اختلاف العصر والزمان وانه (اي ابو حنيفة) لو شاهد ماوقع في

عصرهما لو افقهما كعدم القضاء بظاهر العدالة".

(ويوافق) ذالک ماقاله العلامة المحقق الشيخ قاسم فی تصحيحه ونصه علی: " ان المجتهدين لم يفقدوا حتی نظروا فی المختلف ورجحوا وصححوا، فشهدت مصنفاتهم بترجيح قول ابی حنيفة والأخذ بقوله الا فی مسائل يسيرة ،اختاروا الفتوی فيها علی قولهما او قول احدهما وان كان الآخر مع الامام كما اختاروا قول احدهما فيما لانص فيه للامام للمعانی التی اشار اليها القاضی، بل اختاروا قول زفر فی مقابلة قول الكل لنحو ذلک، وترجيحاتهم وتصحيحاتهم باقية، فعلينا اتباع الراجح والعمل به كما لو افتوا فی حياتهم" انتهی.

دوسری صورت کی تفصیل!

اس بحث سے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ صاحبین میں کوئی ایک بھی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ ہوتو اس صورت میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ہی کے قول کو لیا جائے گا۔ اسی بناء پر امام قاضی خان علیہ رحمۃ اللہ المنان نے فرمایا: "اگر کسی مسئلہ میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہوتو اگر صاحبین میں سے کوئی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ ہوتو انہی دو حضرات کے قول کو لیا جائیگا یعنی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اور ان کے موافق کے قول کو لیا جائے گا، کیونکہ مسئلہ کی شرائط پائی جارہی ہیں۔ اور اس مسئلہ میں درستگی کے تمام دلائل وعلل جمع ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں صاحبین نے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ اختلاف کیا ہو، تو اگر ان کا اختلاف زمانہ وحالات کے تغیر کی بناء پر ہو جیسا کہ گواہ کی ظاہری عدالت کو دیکھ کر فیصلہ کردینا تو اس صورت میں مفتی صاحبین کے قول کو لیگا کیونکہ لوگوں کے حالات بدل چکے ہیں۔ یونہی مزارعت اور معاملات وغیرہ کے مسائل میں مفتی صاحبین کے قول کو اختیار کرے گا کیونکہ اس پر متاخرین فقہاء کا اجماع ہے۔ ان کے ماسوا دیگر مسائل میں مجتہد مفتی کو اختیار دیا جائے گا اور مجتہد مفتی اپنی رائے کے مطابق عمل کرے گا۔ اور عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں مفتی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کو لیگا" (۱)۔

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے منقول قول اذا صح الحدیث فھو مذھبی سے متعلق ہم یہ بیان کر چکے کہ یہ قول اس صورت پر محمول ہے جس میں کلیتاً مذہب سے خارج ہونا لازم نہ آتا ہو جیسا کہ یہ بات ہماری سابقہ تقریر سے ظاہر ہوتی ہے

۔اس قول کا مقتضی یہ ہے کہ دلیل کی پیروی جائز ہے اگرچہ وہ کسی ایسے مسئلہ کے مخالف ہو جس میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ صاحبین میں کوئی ایک متفق ہو، اسی بناء پر علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق میں تتار خانیہ کے حوالے سے فرمایا کہ ''امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کسی مسئلہ میں ایک جانب ہوں اور دوسری طرف صاحبین ہوں تو ایسی صورت میں مفتی کو اختیار ہوگا اور اگر صاحبین میں سے کوئی ایک امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ ہو ایسی صورت میں انہی دونوں حضرات کے قول کو لیا جائیگا۔ ہاں جب کہ مشائخ نے اس دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دیا ہو، تو مفتی انہی کی پیروی کرے گا جیسا کہ فقیہ ابولیث سمرقندی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے بعض مسائل میں امام زفر علیہ الرحمۃ کے قول کو اختیار کیا ہے'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

علامہ ابن نجیم نے اپنے رسالے رفع الغشاء فی وقتی العصر والعشاء میں فرمایا ''صاحبین یا ان میں کسی ایک کے قول کو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم پر ترجیح نہیں دی جاسکتی مگر یہ کہ کوئی موجب پایا جا رہا ہو، اب وہ موجب یا تو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی دلیل کا ضعف ہوگا یا ضرورت اور تعامل جیسا کہ مشائخ نے مزارعت اور معاملات کے مسئلے میں صاحبین کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ صاحبین کا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے اختلاف کرنے کا سبب حالات وزمانے کا تغیر وتبدل ہے کہ خود امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اس تبدیلی کو ملاحظہ فرماتے جو صاحبین کے زمانے میں رونما ہوئی، تو آپ علیہ الرحمۃ خود بھی ان کی موافقت فرماتے جیسا کہ ظاہری عدالت دیکھ کر فیصلہ کرنے کا مسئلہ ہے''۔

اور اس بات کی موافقت میں علامہ محقق شیخ قاسم کی تصحیح قدوری میں مذکور یہ قول بھی ہے کہ آپ علیہ الرحمۃ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ ''مجتہدین موجود رہے حتی کہ انہوں نے مختلف فیہ مسائل میں غور وخوض کیا اور مسائل کی ترجیح وتصحیح بیان کی (۲) اور اس بات کی گواہ ان کی کتب بھی ہیں کہ انہوں نے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول ہی کو راجح قرار دیا اور آپ علیہ الرحمۃ ہی کے قول پر فتویٰ دیا سوائے بعض مسائل کے، جن میں انہوں نے صاحبین یا ان میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کیا باوجود اس بات کے کہ صاحبین میں سے ایک امام اعظم کے ساتھ ہوتا جیسا کہ انہوں نے اس مسئلہ میں جس میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے کوئی نص منقول نہیں صاحبین میں سے ایک کے قول کو اختیار کیا، ان اسباب کی بناء پر جن کی طرف قاضی خان علیہ رحمۃ اللہ المنان نے اشارہ کیا ہے۔

بلکہ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے تو دیگر تمام ائمہ کے مقابلے میں امام زفر علیہ الرحمۃ کے قول کو بھی اختیار کیا ہے۔ان مشائخ کرام کی تصحیحات ،ترجیحات اب بھی کتب میں موجود ہیں۔ہم پر راجح قول پر عمل کرنا اور اس کی پیروی کرنا اسی طرح واجب ہے جیسا کہ یہ مشائخ اگر اپنی حیاتی میں فتوی دیتے تو ہم پر اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا۔

ضمنی فوائد

لے......قاضی خان علی هامش الفتاوی هندیه ،فصل فی رسم المفتی ،ج ۱ ،ص ۳۔

(۱) حضرتِ عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ ہی کا قول درست ہے۔(والتفصیل سیاتی ان شاء الله)

۲......تتارخانیه ،مقدمة الکتاب، ج۱ ،ص ٦٢۔

(۲) یہاں خاص لفظِ ''ترجیح'' منقول ہونا مراد نہیں بلکہ علاماتِ افتاء میں سے کسی بھی قول کو اختیار کرنا مراد ہے۔

ما المراد بالمجتهد

(تتمة) قال العلامة البیری :"والمراد بالاجتهاد احد الاجتهادین وهو مجتهد فی المذهب، وعرف بانه المتمکن من تخریج الوجوه علی منصوص امامه او المتبحر فی مذهب امامه المتمکن من ترجیح قول له علی آخر اطلقه" ......اه وسیاتی توضیحه.

اجتهاد سے کیا مراد هے؟

تتمہ :علامہ بیری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ''اجتہاد سے مراد دو میں سے ایک طرح کا اجتہاد ہے اور یہاں مجتہد سے مراد مجتهد فی المذهب ہے اور مجتهد فی المذهب کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ جو اپنے امام کے منصوص مسائل کی مختلف صورتوں کی تخریج پر قادر ہو یا جو اپنے مذہب کا متبحر عالم ہو جو کہ مطلق اقوال میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہو'' اور اس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔

☆...... فالآن لا ترجیح بالدلیل فلیس الا القول بالتفصیل .

پس اب دلیل کے ساتھ ترجیح نہیں دی جا سکتی (اب سابقہ) تفصیل کے مطابق قول ہے۔

☆...... مالم یکن خلافه مصححا فنأخذ الذی قدوضحا.

جب تک امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے برخلاف تصحیح نہ کی گئی ہو (اگر ان کے غیر کے قول کی تصحیح کی گئی ہو) تو ہم اس قول کو لیں گے جو اہل ترجیح پر واضح ہوا ہے۔

☆...... فاننا نراهم وقد رجحوا مقال بعض صحبه وصححوا.

پس بلاشبہ ہم اہل ترجیح علماء کو دیکھتے ہیں کبھی وہ امام اعظم کے کسی شاگرد کے قول کی تصحیح کرتے ہیں اور اسے راجح قرار دیتے ہیں۔

☆...... من ذاک ماقد رجحو الزفر مقاله فی سبعة وعشر.

ان ترجیحات میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے سترہ مقامات پر امام زفر علیہ الرحمۃ کے قول کو راجح قرار دیا ہے

مكانة المفتي في زماننا

قدعلمت ان الاصح تخيير المفتي المجتهد فيفتي بما يكون دليله اقوى ولايلزمه المشي على التفصيل، ولما انقطع المفتي المجتهد في زماننا ولم يبق الا المقلد المحض وجب علينا اتباع التفصيل، فنفتي او لا بقول الامام ثم وثم مالم نر المجتهدين في المذهب صححوا خلافه لقوة دليله او لتغير الزمان او نحو ذلک مما يظهر لهم ،فنتبع ماقالوا كما لو كانوا احياء وافتونا بذلک كما علمته آنفا من كلام العلامة قاسم ،لانهم اعلم وادرى بالمذهب وعلى هذا عملهم فاننا رأينا هم قد يرجحون قول صاحبيه تارة وقول احدهما تارة وتارة قول زفر في سبعة عشر موضعا، ذكرها البيري في رسالة ولسيدي احمد الحموي منظومة في ذلک لكن بعض مسائلها مستدرک لكونه لم يختص به زفر وقد نظمت في ذلک منظومة فريدة اسقطت منها ماهو مستدرک، وزدت على مانظمه الحموي عدة مسائل وقد ذكرت هذه المنظومة في حاشيتي ردالمحتار من باب النفقة......ا.

ہمارے زمانے کے مفتیان کرام کا مقام!

آپ جان چکے کہ صحیح ترین قول یہ ہے کہ مجتہد مفتی کو اختیار ہے کہ وہ اس قول کے

مطابق فتوی دے گا جس کی دلیل زیادہ قوی ہو۔ مجتہد مفتی کیلئے سابقہ تفصیل کے مطابق چلنا لازم نہیں ہے۔ اور ہمارے زمانے میں جب کہ مجتہد مفتی نہیں پائے جاتے، فقط مقلد مفتی موجود ہیں تو ہم پر سابق تفصیل پر چلنا لازم ہے۔ اوّلا ہم امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول پر فتوی دیں گے، پھر درجہ بدرجہ فتوی دیا جائے گا جب تک ہم یہ نہ دیکھ لیں کہ مجتہد فی المذہب نے اس ترتیب کے خلاف کسی دوسرے قول کی تصحیح قوت دلیل یا تغیر زمان وغیرہ کسی ایسی علت کی بناء پر بیان کی ہو جو ان پر ظاہر ہوئی ہو تو ایسی صورت میں ہم ان مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے قول کی پیروی کریں گے جیسا کہ اگر یہ حضرات مشائخ حیات ہوتے تو ہمیں اسی قول کے مطابق فتوی دیتے، تو جس طرح ان کی حیاتی میں اس قول پر عمل لازم تھا یونہی اب بھی واجب ہے۔ جیسا کہ ابھی آپ کو یہی بات علامہ قاسم علیہ الرحمۃ کے کلام سے معلوم ہوئی کیونکہ یہ حضرات مشائخ مذہب کو زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے اور اسی پر ان کا عمل تھا۔ ہم مشائخ کا طرز عمل دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات وہ صاحبین کے قول کو راجح قرار دیتے ہیں تو کبھی دونوں میں سے ایک کے قول کو نیز مشائخ نے سترہ مقامات پر امام زفر علیہ الرحمۃ کے قول کو راجح (۱) قرار دیا ہے۔ ان سترہ مسائل کا ذکر علامہ بیری علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اپنے رسالہ میں کیا ہے اور اس بارے میں سیدی احمد حموی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے ایک نظم لکھی ہے لیکن اس نظم میں مذکور بعض مسائل میں استدراک ہے۔ کیونکہ امام زفر علیہ الرحمۃ ان مسائل میں منفرد نہیں ہیں، میں (علامی شامی) نے اس بارے میں ایک بہترین نظم لکھی ہے اور جو مسائل مستدرک ہیں، میں نے انہیں ذکر نہیں کیا۔ نیز علامہ حموی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی نظم پر میں نے چند مسائل کا اضافہ کیا ہے اس نظم کو میں نے اپنے حاشیہ ردالمحتار کے باب النفقہ میں ذکر کیا ہے (۲)۔

ضمنی فوائد

......۱...... ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ج۵، ص ۳۳۰۔

(۱) ترجیح کا لغوی معنی: ایک شے کا بوجھل ہونے کے سبب ایک سمت میں جھک جانا۔ پس ''رجح'' کا مادہ ''میلان'' اور ''ثقل'' کے معنی کے درمیان دائر ہے کہ کسی چیز کا ثقل ہونے کی وجہ سے مائل ہونا یعنی جھکنا۔

ترجیح کا اصطلاحی معنی: علامہ بزدوی نے "اصول بزدوی" میں فرمایا: ترجیح دو مساوی اشیاء میں سے ایک کو دوسرے پر باعتبارِ وصف تقویت دینے کا نام ہے۔ پس ترجیح مماثلت اور دو مساری اشیاء کے مابین تعارض قائم ہوتے وقت ہوتی ہے۔

کشف الاسرار میں ترجیح کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے "انہ اظہار قوۃ لاحد الدلیلین المتعارضین لوانفردت منہ لا تکون حجۃ معارضۃ"۔ یاد رہے! جمہور احناف، شوافع اور بعض حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ ترجیح فعلِ مجتہد ہے۔(المصباح، ص ۲۹۲،۲۹۳)۔

(۲) امام زفر علیہ الرحمۃ کے وہ مسائل جن میں آپ علیہ الرحمۃ منفرد ہیں ان کی تعداد سترہ ہے، علامہ شامی قدس سرہ السامی نے ان میں تین مسائل کا اضافہ کر کے بیس کی تعداد کو مکمل کیا ہے۔ وہ مسائل درج ذیل ہیں:

﴿۱﴾...... کسی عورت کا شوہر گم ہو گیا اور نکاح کے گواہ پیش کر دیئے گئے کہ متذکرہ مفقود شخص اس عورت کا شوہر ہے، یہ عورت قرض کا مطالبہ کرتی ہے کیا قاضی اس کو اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ یہ عورت اپنے شوہر کے نام سے قرضہ حاصل کرے؟ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ قضاء علی الغائب ہے، عورت کو قرضہ نہیں دیا جا سکتا جب کہ امام زفر علیہ الرحمۃ کے نزدیک جواز کا فیصلہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

بحر الرائق میں ہے: ولو لم یکن لہ مال اصلا فطلبت من القاضی فرض النفقۃ فعندنا لا یسمع البینۃ لانہ قضاء علی الغائب وعند زفر یسمع القاضی البینۃ ...... کما ھو قول زفر وابی یوسف وعلیہ العمل۔

(البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، قولہ ونفقۃ الامۃ المنکوحۃ، ج:٤، ص:۳۰۲)۔

﴿۲﴾...... مریض اگر نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے تو اسے کیسے بیٹھنا چاہئے؟ قعدہ میں بیٹھنے کی طرح یا کسی اور ہیئت پر؟ امام زفر علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ قعدہ میں بیٹھنے کی طرح بیٹھنا چاہئے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

وفی البحر: ثم اذا صلی المریض قاعدا برکوع وسجود او بایماء کیف یقعد اما فی حالۃ التشھد فانہ یجلس کما یجلس للتشھد بالاجماع قال زفر: یفترش رجلہ الیسری فی جمیع صلاتہ. والصحیح ماروی عن ابی حنیفۃ لان عذر

المريض اسقطه عنه الاركان فلا يسقط عنه الهيئات اولى كذا فى البدائع وفى الخلاصة والتجنيس والوالجية الفتوى على قول زفر لان ذاك ايسر على المريض . (البحرالرائق ، كتاب الصلوة ، باب المريض ، ج۲ ، ص۱۷۹)

﴿۳﴾......نفلی نماز بیٹھ کر پڑھنے والا کس طرح بیٹھے؟ آئمہ ثلاثہ کی رائے یہ ہے کہ جس طرح بھی چاہے بیٹھ جائے جب کہ امام زفر علیہ الرحمۃ کہ رائے یہ ہے جس طرح تشہد میں بیٹھا جاتا ہے اسی طرح بیٹھے اور اسی پر فتوی ہے۔

وفى البحرالرائق : فعن ابى حنيفة تخييره بين القعود والتربع ...... وعن زفر رحمه الله تعالى ان يقعد فى جميع الصلوة كما فى التشهد .قال ابو الليث عليه الفتوى واختاره الامام السرخسى ـ (البحرالرائق ، كتاب الصلوة ، باب الوتر والنوافل ، ج۲ ، ص۱۱۳)

﴿۴﴾......حاکمِ وقت نے کسی کی ناحق شکایت پہنچانے پر کسی بندے کوسزا دے دی ، بعد میں معلوم ہوا کہ شکایت بے بنیاد تھی ، کیا شکایت پہنچانے والا ضامن ہوگا یا نہیں؟ امام زفر علیہ الرحمۃ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا اور یہی مختار قول ہے ۔علامہ شامی نے وہ مسائل جن میں امام زفر کے قول پر فتوی ہے ذکر کرتے ہوئے فرمایا: تغريم من سعى الى ظالم يبرئ فغرمه.

(ردالمحتار مع الدرالمختار ، كتاب الطلاق ، باب النفقة ، ج۵ ، ص۳۳۰)

﴿۵﴾......آیا وکیل بالخصومۃ وکیل بالقبض ہوتا ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہوتا ہے جب کہ امام زفر علیہ الرحمۃ کے نزدیک نہیں ہوتا ، اور اسی قول پر فتوی ہے۔

وفى البحرالرائق: قوله والوكيل بالخصومة والقاضى لا يملك القبض وهذا قول زفر لانه رضى بخصومة والقبض ...... والفتوى اليوم على قول زفر لظهور الخيانة والوكلاء۔ (البحرالرائق ، كتاب الوكالة ، باب الوكالة بالخصومة والقبض ، ج۷ ، ص ۲۵۳)

﴿۶﴾......گھر کو خارج سے دیکھ لینے سے خیارِ رؤیت ساقط ہوجاتا ہے یا نہیں؟ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک خیار ساقط ہوجاتا ہے جب کہ امام زفر علیہ الرحمۃ کے مطابق خیارِ رویت ساقط نہیں ہوتا اور اسی قول پر فتوی ہے۔وفى البحرالرائق :واما الدار فظاهر الراوية انه اذا رأى خارجها او راى البستان من خارج فانه يكتفى به وعند زفر لا بد من دخول البيوت ...... وفى جامع الفصولين وبه يفتى (البحرالرائق ، كتاب البيع ، باب خيار الرويت ، ج۶ ، ص ۴۵)

﴿۷﴾...... کپڑے کا تھان فقط اوپر اوپر سے دیکھ لیا جائے، اندر سے کھول کر نہ دیکھا جائے تو کیا بس اس قدر دیکھ لینے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائیگا یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خیار ساقط ہو جائے گا اور جب کہ امام زفر کے نزدیک ساقط نہیں ہوگا۔

وفی البحر الرائق: واما الثوب فاکتفی المصنف برویة ظاهره مطویا لان البادی یعرف مافی الطی...... هذا فی عرفهم :اما فی عرفنا فما لم یر الباطن لا یسقط خیاره لانه استقر خیار الباطن و الظاهر فی الثیاب وهو قول زفر۔

(البحر الرائق، کتاب البیع، باب خیار الرویة، ج۶، ص۴۵)

﴿۸﴾...... کفیل کے لئے اگر شرط لگا دی گئی کہ مکفول بہ کو مجلس قاضی میں ہمارے حوالے کردو، اور کفیل بجائے عدالت کے کہیں اور حوالہ کردے تو کیا کفیل بری ءالذمہ ہوگا یا نہیں؟ عام رائے یہی ہے کہ کہیں بھی حوالے کردے تو بری ءالذمہ ہوگا اور امام زفر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ فساد اور فتنہ کی وجہ سے لازمی ہے کہ مجلس قاضی میں حوالے کردے اور اسی قول پر فتوی ہے۔

وفی البحر الرائق : ولو شرط تسلیمه فی مجلس القاضی سلمه ثم لان الشرط مفید فان سلمه فی مجلسه بریء وافاد بقوله سلمه ثم الی اشتراط ذلک فان سلمه فی السوق لم یبرأ وهو قول زفر وبه یفتی فی زماننا لتهاون الناس فی اقامة الحق۔

(البحر الرائق، کتاب الکفالة، ج۶، ص۳۰۷)

﴿۹﴾...... بیع مرابحہ کی صورت میں مبیع میں عیب پیدا ہو گیا، آیا اس عیب کا ذکر کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ عام رائے یہ ہے کہ ضروری نہیں ہے، اور امام زفر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بتانا ضروری ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

مبیع میں اگر عیب پیدا ہو گیا مگر وہ عیب کسی کے فعل سے پیدا نہ ہوا، چاہے آفت سماویہ سے ہو یا خود مبیع کے فعل سے ہو، ایسے عیب کو مرابحہ میں بیان کرنا ضروری نہیں یعنی بائع کو یہ کہنا ضروری نہیں کہ میں نے جب خریدی تھی اُس وقت عیب نہ تھا میرے یہاں عیب پیدا ہو گیا ہے اور بعض فقہا اس کو بیان کرنا ضروری بتاتے ہیں۔ کپڑے کو چوہے نے کتر لیا یا آگ سے کچھ جل گیا اس کا بھی وہی حکم ہے، رہا عیب کو بیان کرنا اس کو ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مبیع کے عیب پر مطلع ہو تو اُس کا ظاہر کردینا ضروری ہے چھپانا حرام ہے۔ لونڈی ثیب تھی اُس سے وطی کی اور اس سے نقصان

پیدا نہ ہوا تو اس کا بیان کرنا بھی ضروری نہیں اور نقصان پیدا ہوا تو بیان کرنا ضروری ہے اور اگر مبیع میں اس کے فعل سے عیب پیدا ہو گیا یا دوسرے کے فعل سے، چاہے اُس نے اس کے حکم سے فعل کیا یا بغیر حکم کے، چاہے اس نے اس نقصان کا معاوضہ لے لیا ہو یا نہ لیا ہو، یا کنیز بکر (باکرہ) تھی اُس سے وطی کی ان باتوں کا ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ (بہار شریعت مخرجہ، باب کون سے مصارف کا رأس المال پر اضافہ ہو گا؟، ج۲، حصہ ۱۱، ص ۷۴۵)۔

﴿۱۰﴾...... شفعہ میں طلب اور خصومت کے بعد طلب خصومت میں تاخیر سے شفعہ کا حق ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟ **شیخین** کے نزدیک حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا اور **امام محمد** علیہ الرحمۃ اور **امام زفر** علیہ الرحمۃ کے نزدیک ایک مہینے کے بعد ساقط ہوگا اور یہی مفتی بہ قول ہے۔

وفی الهداية : قال ولا تسقط الشفعة بتاخير هذا الطلب عند ابی حنيفة وهو رواية عن ابی يوسف وقال محمد ان تركها شهرا بعد الاشهاد بطلت، وهو قول زفر ...... ووجه قول ابی حنيفة وهو ظاهر المذهب وعليه الفتوی۔

(هداية مع بداية المبتدی، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصومة فيها، ج۷، ص ۱۷)

﴿۱۱﴾...... قرض لیتے وقت اس نے ردی دراہم لئے اور دیتے وقت عمدہ دراہم دیتے ہیں، کیا قرض خواہ کو عمدہ دراہم لینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ **امام زفر** علیہ الرحمۃ کے قول کے مطابق یہ ہے کہ ایسے شخص کو مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

مدعی علیہ پر جو دین ہے یا اس نے کوئی چیز غصب کی ہے اگر صلح اسی جنس کی چیز پر ہوئی تو بعض حق کو لے لینا اور باقی کو چھوڑ دینا ہے اس کو معاوضہ قرار دینا درست نہیں ورنہ سود ہو جائے گا۔ لہذا صلح کے جائز ہونے میں بدل صلح پر قبضہ کرنا ضروری نہیں مثلاً ہزار روپے حال یعنی غیر میعادی تھے سو روپے پر جو فوراً لیے جائیں گے صلح ہوئی یہ درست ہے اگرچہ مجلس صلح میں ان پر قبضہ نہ کیا ہو یا ہزار غیر میعادی تھے صلح ہوئی ہزار روپے پر جن کی کوئی میعاد مقرر ہوئی یا ہزار روپے کھرے تھے اور سو روپے کھوٹے پر صلح ہوئی پہلی صورت میں مقدار کم کر دی دوسری میں میعاد بڑھا دی یعنی فوراً لینے کا حق ساقط کر دیا، تیسری صورت مقدار اور وصف دو چیزیں ساقط کر دیں۔ مدعی علیہ کے ذمہ روپے تھے اور اشرفی پر صلح ہوئی اور اس کے ادا کرنے کی میعاد مقرر ہوئی یہ صلح ناجائز ہے کہ غیر جنس پر صلح عقد معاوضہ ہے اور چاندی کی سونے سے بیع ہو تو مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہزار

روپے میعادی تھے اور صلح ہوئی کہ پانسو فوراً ادا کردے یہ صلح بھی ناجائز ہے کہ پانسو کے بدلے میں میعاد کو بیع کرنا ہے اور یہ ناجائز ہے یا ہزار روپے کھوٹے تھے پانسو کھرے پر صلح بھی ناجائز ہے کہ وصف کو پانسو کے بدلے میں بیع کرنا ہے اور یہ جائز نہیں۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ دائن کی طرف اگر احسان ہو تو اسقاط ہے اور صلح جائز ہے اور دونوں کی طرف سے ہو تو معاوضہ ہے۔

(بہار شریعت مخرجہ، باب دعوائے دین میں صلح کا بیان، ج۲،حصہ ۱۳، ص ۱۱۴۴)

﴿۱۲﴾......کسی شخص نے لقطہ پر مال خرچ کیا، کافی عرصہ کے بعد مالک آیا، اب اس کو شریعت اجازت دیتی ہے کہ مالک جب تک وہ اخراجات ادا، نہ کردے اس وقت تک اس کو اپنے پاس روک رکھے، یا نہیں؟ اگر اس اثناء میں وہ لقطہ اس کے ہاتھ میں بغیر تعدی ہلاک ہوجاتا ہے تب بھی یہ اپنا خرچ لے سکتا ہے یا نہیں، امام زفر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں نہیں لے سکتا، جبکہ دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ لے سکتا ہے۔

وفی البدائع الصنائع :فان انفق علیها بامر القاضی یکون دینا علی مالکها،وان انفق بغیر اذنه یکون مطوعا...... حتی اذا حضر یأخذ منه النفقة وله ان یحبس اللقطة بالنفقة کمایحبس المبیع بالثمن۔ (البدائع الصنائع ،کتاب اللقطة ،ج۶، ص۳۰۸)۔

﴿۱۳﴾......اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے انت طالق واحدة فی ثنتان کہے اور نیت ایک طلاق کی ہو، تو ایسی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہونگی؟ امام زفر علیہ الرحمۃ کے نزدیک دو طلاقیں نافذ ہونگی اور یہی قول راجح ہے۔

وفی الهدایة : ولوقال انت طالق واحدة فی ثنتین ونوی الضرب والحساب اولم تکن له نیة فهی واحدة وقال زفر تقع ثنتان لعرف الحساب وهو قول حسن بن زیاد۔ (الهدایة مع بدایة المبتدی ،کتاب الطلاق ،باب ایقاع الطلاق، ج۳،ص ۱۵۰)

﴿۱۴﴾......اگر کوئی مالک اپنے غلام سے یہ کہے کہ میرے مرنے یا قتل ہونے پر تو آزاد ہے، یہ تدبیر مطلق ہے یا مقید؟ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہ تدبیر مقید ہے، جب کہ امام زفر علیہ الرحمۃ اسے مطلق تدبیر کہتے ہیں اور فتوی اسی قول پر ہے۔

وفی البدائع الصنائع : وقال ابو یوسف:لو قال: انت حر ان مت، او قتلت فلیس بمدبر وقال زفر : هو مدبر لانه علقه بالموت وانه کائن لامحالة ۔

(البدائع والصنائع ،فصل الاول فی کتاب التدبیر ،ج٤، ص ١٦٥)

﴿١٥﴾......مقررہ وقت تک کے لئے گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرنا، مثلا یوں شرط لگائی جائے کہ یہ نکاح دس دن کے لئے ہے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق نکاح باطل ہے کہ یہی ائمہ ثلثہ کا مذہب ہے لیکن امام زفر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ نکاح باطل نہیں بلکہ شرط باطل ہے اور اسی پر فتوی ہے

وفی البدائع الصنائع: واما الثانی فھو ان یقول اتزوجک عشرۃ ایام ونحو ذالک وانہ فاسد عند اصحابنا الثلاثۃ وقال زفر النکاح جائز وھو مؤبد والشرط باطل۔

(البدائع الصنائع ،کتاب النکاح ،فصل ومنھا التأبید فلا یجوز نکاح المؤقت، ج٢،ص ٤٠٥)

﴿١٦﴾......اشیاءِ منقولہ جیسے دراہم ودنانیر کو وقف کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ امام محمد علیہ الرحمۃ اور امام زفر علیہ الرحمۃ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر عرف جاری ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

وفی ردالمحتار : قولہ بل دراھم و دنانیر عزاہ فی الخلاصۃ الی الانصاری وکان من اصحاب زفر وعزاہ فی الخانیۃ الی زفر حیث قال وعن زفر شرنبلالیۃ قال المصنف ولما ...... قول محمد المفتی بہ فی وقف کل منقول فیہ تعامل کمالا یخفی ...... انہ اختار قول زفر وافتی بہ واستدل بہ فی المنع۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار ،کتاب الوقف ،مطلب فی وقف الدراھم والدنانیر، ج٦، ص ٥٥٥)

﴿١٧﴾......اجنبیہ سے وطی بالشبہ کی جانے کی صورت میں حد لگائی جائے گی یا نہیں؟ امام زفر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دیکھا جائے گا کہ معاملہ دن کا ہے یا رات کا؟ اگر دن کا معاملہ ہے تو حد لگائی جائے گی ورنہ نہیں، جبکہ امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ بہر حال اسے حد لگائی جائیگی اور مفتی بہ قول امام زفر کا ہے۔

وفی ردالمحتار : رجل وجد فی بیتہ امرأۃ فی لیلۃ ظلماء فغشیھا وقال ظننت انھا امرأتی لا حد علیہ ولو کان نھارا یحد وفی روایۃ عن زفر عن ابی حنیفۃ فی من وجد فی جعلتہ اوفی بیتہ امرأۃ فقال: ظننت انھا امرأتی ان کان نھارا یحد وان کان لیلا لا یحد وعن یعقوب عن ابی حنیفۃ ان علیہ الحد لیلا کان او نھارا قال ابو اللیث وبروایۃ زفر یؤخذ۔(ردالمحتار علی الدرالمختار ،کتاب الحدود ،باب الوطئ الذی یوجب الحد، مطلب اذا استحل المحرم علی وجہ ،ج٦، ٣٥)۔

﴿۱۸﴾......کوئی شخص قسم اٹھائے کہ زید کو کوئی چیز عاریۃً نہیں دونگا، پھر اپنے وکیل کے ذریعے وہ چیز زید کو پہنچاتا ہے، آیا یہ شخص حانث ہوا کہ نہیں؟ امام زفر علیہ الرحمۃ کے نزدیک حانث ہوگا جب کہ امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک حانث نہ ہوگا اور فتوی امام زفر علیہ الرحمۃ کے قول پر ہے۔

وفی ردالمحتار : فلو حلف لا یذبح فی ملکه شاة ولا یودع شیئا یحنث بفعل وکیله لان المنفعة تعود الیه وکذا لو حلف لا یعید ولو عین شخصا فاحلف المحلوف علیه شخصا فاستعار حنث لانه سفیر محض فیحتاج الی الاضافة الی المؤکل فکان کالوکیل بالاستقراض خانیة :وفی التفارق ان الحنث قول زفر وعلیه الفتوی خلافا لابی یوسف ۔(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الایمان ،باب الیمین فی البیع والشراء، مطلب حلف لا یزوج عبده ،ج۵،ص ۶۳۱)۔

﴿۱۹﴾......جنازہ کے علاوہ دیگر نمازوں میں وقت نکل جانے کا خوف ہو تو تیمم سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ امام زفر علیہ الرحمۃ کے نزدیک پڑھ سکتا ہے لیکن بعد میں اعادہ ضروری ہے۔

وفی البدائع الصنائع : تفوته الصلوة عن وقتها لا یجوز له التیمم بل یجب علیه ان یذهب ویتوضاء ویصلی خارج الوقت عند اصحابنا الثلاثة وعند زفر یجزئه ۔ (البدائع الصنائع ،کتاب الطهارة ،باب التیمم ،ج۱،ص ۸۳)

﴿۲۰﴾......تنگ نالیاں جس کے دونوں اطراف میں گوبر کی لپائی کی گئی ہو اس نالی میں سے گزرنے والا پانی پاک ہوگا یا ناپاک؟ امام محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ پانی اصلاً ناپاک ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے اس پر پاکی کا حکم لگایا جاتا ہے۔اور امام زفر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پاخانہ پاک ہوتا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

وفی ردالمحتار : وهذا کله بناء علی نجاسة الزبل عندنا وعن زفر روث مایؤکل لحمه طاهر وفی المبتغی : بالغین المعجمة الارواث کلها نجسة الا روایة عن محمد انها طاهرة للبلوی ۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الطهارة ،باب المیاه ،تنبیه المهم فی طرح الزبل فی القساطل، ج۱،ص ۳۳۷)۔

الایراد علی الافتاء بقول غیر الامام

(وقال) فی البحر من کتاب القضاء:" فان قلت کیف جاز للمشایخ الافتاء بقول غیر الامام الاعظم مع انهم مقلدون، قلت: قد اشکل علی ذلک مدة طویلة ولم ارعنه جوابا ،الامافهمته الآن من کلامهم وهو انهم نقلوا عن اصحابنا انه لایحل لأحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا ،حتی نقل فی السراجیة ان هذا سبب مخالفة عصام للامام ،وکان یفتی بخلاف قوله کثیرا لانه لم یعلم الدلیل وکان یظهرله دلیل غیره فیفتی به".

امام اعظم کے علاوہ کسی اور امام کے قول پر فتوی دینے کا ارادہ کرنا!

علامہ ابنِ نجیم نے بحر الرائق کتاب القضاء میں فرمایا: ''اگر آپ یہ کہیں کہ خود مشائخ کے لئے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ماسوا کسی دوسرے امام کے قول پر فتوی دینا کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ یہ مشائخ بھی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے مقلد ہیں؟ میں (علامہ شامی) کہتا ہوں کہ یہ اشکال میرے ذہن میں ایک طویل عرصے تک گردش کرتا رہا اور مجھے اس کا جواب کہیں نظر نہیں آیا، مگر اب اکابر علماء کے کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے ائمہ احناف سے نقل کیا کہ کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ ہمارے قول کے ماخذ کو نہ جان لے۔ فتاوی سراجیہ میں ہے عصام کے مسائل میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے اختلاف کرنے کا سبب یہی ہے کہ عصام کثرت سے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے مؤقف کے برخلاف فتوی دیا کرتے تھے کیونکہ انہیں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی دلیل معلوم نہ ہوتی اوران پر دوسری دلیل ظاہر ہوتی جس کے مطابق وہ فتوی دیا کرتے۔

﴿هل یجب معرفة دلیل القول المفتی به ام لا؟﴾

فاقول (ای ابن نجیم): ان هذا الشرط کان فی زمانهم ،اما فی زماننا فیکتفی بالحفظ کما فی القنیة وغیرها فیحل الافتاء بقول الامام ،بل یجب وان لم نعلم من این قال ،وعلی هذا فما صححه فی الحاوی ای من ان الاعتبار لقوة الدلیل مبنی علی ذلک الشرط ،وقد صححوا ان الافتاء بقول الامام، فینتج من هذا انه

یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشایخ بخلافه، لانهم انما افتوا بخلافه لفقد الشرط فی حقهم، وهو الوقوف علی دلیله ،وقد وقع للمحقق ابن الھمام فی مواضع الرد علی المشایخ فی الافتاء بقولهما بانه لایعدل عن قوله الا لضعف دلیله، لکن هو اهل للنظر فی الدلیل ومن لیس باهل للنظر فیه فعلیه الافتاء بقول الامام.......ا۔

کیا مفتی بہ قول کی دلیل کو جاننا ضروری ہے یا نہیں؟

میں ابن نجیم کہتا ہوں: یہ شرط مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے زمانے میں تھی، ہمارے زمانے میں اتنا کافی ہے کہ مسائل اچھی طرح یاد ہوں، جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔ پس اس صورت میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کے مطابق فتوی دینا حلال بلکہ واجب ہے اگر چہ ہمیں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کا ماخذ معلوم نہ ہو، اسی بناء پر الحاوی القدسی نے اس قول یعنی اعتبار قوت دلیل کا ہے، کو درست قرار دیا یہ بات اسی شرط پر مبنی ہے۔ اور اب مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے یہ فرمادیا ہے کہ فتوی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول ہی پر دیا جائے گا تو اس بات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم پر امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول پر فتوی دینا واجب ہے اگر چہ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے ان کے قول کے برخلاف فتوی دیا ہو کیونکہ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کے برخلاف فتوی دینے کا سبب ان کے حق میں شرط مفقود ہونا تھا اور وہ شرط یہ تھی کہ وہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کی دلیل سے واقف نہیں ہوئے تھے، اور رہے ہم لوگ تو ہمارے لیے اب بھی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کے مطابق فتوی دینا جائز ہے اگر چہ ہمیں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی دلیل معلوم نہ ہو۔ محقق ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے کئی مقامات پر صاحبین کے قول کے مطابق فتوی دینے پر مشائخ کا رد کیا کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول سے عدول اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جب کہ آپ علیہ الرحمۃ کی دلیل کمزور ہو۔ محقق ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام چونکہ دلیل میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے جو شخص دلیل میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اس پر امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول ہی پر فتوی دینا واجب ہے۔

ضمنی فائدہ

......۱...... البحرالرائق کتاب القضاء ج ۶، ص ۳۸۸۔

نوٹ: اس مقام پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا رسالہ اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقا علی قول الامام کا کر مطالعہ کرنا فائدہ دے گا۔

ما المراد باھلية النظر والفتوى

والمراد بالاهلية هنا ان يكون عارفا مميزا بين الاقاويل، له قدرة على ترجيح بعضها على بعض ولا يصير اهلا للفتوى مالم يصر صوابه اكثر من خطأه، لان الصواب متى كثر فقد غلب، ولا عبرة في المغلوب بمقابلة الغالب، فان امور الشرع مبنية على الاعم الاغلب كذا في الولوالجية وفي مناقب الكردري: قال ابن المبارك: وقدسئل متى يحل للرجل ان يفتي ويلي القضاء، قال: اذا كان بصيرا بالحديث والرأى، عارفابقول ابي حنيفة حافظا له، وهذا محمول على احدى الروايتين عن اصحابنا وقبل استقرار المذهب، اما بعد التقرر فلاحاجة اليه لانه يمكنه التقليد ......۱...... انتهى هذا آخر كلام البحر.

اهلیت نظراورفتوی سے کیا مراد ہے؟

یہاں **اہلیت** سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص مختلف اقوال کو جانتا ہو اور ان کے مابین تمیز کر سکتا ہو اور مختلف اقوال میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قدرت ہو، کوئی شخص اس وقت تک مفتی نہیں ہو سکتا جب تک اس کے درست جواب کی تعداد غلط جوابات سے زائد نہ ہو، کیونکہ درستگی جب زیادہ ہو تو غالب کہلاتی ہے اور غالب کے مقابلہ میں مغلوب معتبر نہیں ہوتا۔ اور امور شرعیہ اعم و اغلب پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایسا ہی فتاوی ولوالجیہ میں ہے۔ مناقب کردری میں مذکور ہے **سیدنا عبداللہ بن مبارک** سے دریافت کیا گیا کسی شخص کے لیے فتوی دینا اور منصب قضاء پر فائز کیوں اور کب جائز ہوتا ہے؟ آپ علیہ الرحمۃ نے جواب دیا: جب وہ شخص حدیث اور قیاس میں خوب نظر رکھتا ہو، **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے اقوال کو اچھی طرح جانتا ہو، اور وہ اقوال اسے خوب حفظ بھی ہوں۔ **سیدنا عبداللہ بن مبارک** کا یہ قول ہمارے اصحاب کی دو روایتوں میں

سے ایک پر محمول ہے اور یہ بات مذہب کے مستقر ہونے سے پہلے کی ہے، بعد استقرار اس کی حاجت نہیں کیونکہ اب قاضی و مفتی کے لئے تقلید کرنا ممکن ہے، یہ بحر کا آخری کلام ہے۔

ضمنی فائدہ

۱ ...... البحر الرائق کتاب القضاء ج ٦، ص ۳۸۸۔

الایراد الرملی والفرق بین المفتی والناقل

(اقول) ولایخفی علیک مافی ھذا الکلام من عدم الانتظام ولھذا اعترضه محشیه الخیر الرملی: "بان قوله یجب علینا الافتاء بقول الامام وان لم نعلم من این قال، مضاد بقول الامام:" لایحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا" اذھو صریح جواز الافتاء لغیر اھل الاجتھاد، فکیف یستدل به علی وجوبه، فنقول مایصدر من غیر الاھل لیس بافتاء حقیقةً وانما ھو حکایة عن المجتھد، انه قائل بکذا وباعتبار ھذا الملحظ تجوز حکایة قول غیر الامام فکیف یجب علینا الافتاء بقول الامام، وان افتی المشایخ بخلافه ونحن انما نحکی فتواھم لا غیر فلیتأمل" انتھی۔

علامہ رملی کا ابن نجیم پر مفتی مجتھد اور ناقل کے حوالے سے رد!

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں: علامہ ابن نجیم کے اس کلام میں موجود بے ربطی آپ پر مخفی نہیں ہے۔ اسی بے ربط عبارات کے سبب علامہ خیر الدین رملی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے بحر الرائق کے حاشیہ (مظھر الحقائق جو کہ غیر مطبوعہ ہے، علامہ شامی نے منحة الخالق میں اس کی وضاحت کی ہے) میں آپ علیہ الرحمۃ کے اس قول پر اعتراض کیا کہ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے،"ہم پر امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول پر فتوی دینا واجب ہے اگر چہ ہمیں اصل ماخذ کا علم نہ ہو"۔ علامہ رملی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے فرمایا: یہ بات تو خود امام اعظم کے قول کے برخلاف ہے آپ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا ہے: "کسی شخص کے لئے اس وقت تک ہمارے قول پر فتوی دینا جائز نہیں جب تک اسے ہمارے قول کے ماخذ کا علم نہ ہو جائے"۔ یہ قول اس حوالے سے صریح ہے کہ غیر مجتھد کے

لئے فتوی دینا جائز ہے، تو اس قول سے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کے مطابق فتوی دینے کے وجوب پر استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ غیر مجتہد مفتی کا فتوی درحقیقت فتوی نہیں بلکہ یہ تو مجتہد کے قول کو نقل کرنا ہے کہ فلاں مجتہد اس مسئلہ میں یوں فرماتے ہیں اس چیز کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے علاوہ دیگر ائمہ کے اقوال کو نقل کرنا بھی جائز ہوگا، تو اس صورت میں ہم پر امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کے مطابق فتوی دینا واجب کیسے ہوسکتا ہے؟ اگرچہ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے اکیلا ان کے قول کے برخلاف فتوی دیا ہو۔ ہم تو فقط مشائخ کے فتاوی کو نقل کرتے ہیں اس کے سوا تو ہمارا کوئی کام نہیں ہے۔ فلیتامل (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

توضیح الایراد السابق

(وتوضیحه) ان المشایخ اطلعوا علی دلیل الامام وعرفوا من این قال واطلعوا علی دلیل اصحابه فیرجحون دلیل اصحابه علی دلیله، فیفتون به ولا یظن بهم انهم عدلوا عن قوله لجهلهم بدلیله ،فانا نراهم قد شحنوا کتبهم بنصب الادلة ثم یقولون:الفتوی علی قول ابی یوسف مثلا وحیث لم نکن نحن اهلا للنظر فی الدلیل ولم نصل الی رتبتهم فی حصول شرائط التفریع والتأصیل ،فعلینا حکایة مایقولونه لأنهم هم اتباع المذهب الذین نصبوا انفسهم لتقریره وتحریره باجتهادهم.وانظرالی ماقدمناه من قول العلامة قاسم ان المجتهدین لم یفقدوا حتی نظروا فی المختلف ورجحوا وصححوا الی ان قال: فعلینا اتباع الراجح والعمل به کما لو افتوا فی حیاتهم

ماقبل رد کی وضاحت

علامہ خیر الدین رملی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کے کلام کی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے دلائل سے بھی واقف تھے اور ان دلائل کے ماخذ کا بھی انہیں علم تھا(۱) اور یہ حضرات امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے تلامذہ کے دلائل بھی جانتے تھے، پس امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے شاگردوں کے دلائل کو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے دلائل پر ترجیح دیکر ان کے قول پر فتوی دینے والے سب مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول سے عدول کرنے کا سبب یہ تھا کہ انہیں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے دلائل

معلوم نہیں تھے (۲)، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مشائخ نے مسائل پر دلائل قائم کرکے کتب کو بھر دیا ہے۔ (۳) پھر مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کہتے ہیں مثلاً فتوی امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول پر ہے (۴) اور چونکہ ہم دلیل پر غور وفکر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ ہی تفریع اور تاصیل کی شرائط کے حصول میں ان کے مرتبہ کو پہنچ پاتے ہیں۔ لہذا ہم پر یہی لازم ہے کہ ان کے اقوال کو آگے نقل کردیں۔ (۵) کیونکہ یہ حضرات مذہب کے ایسے پیروکار ہیں (۶) جنہوں نے اپنے اجتہاد کے ذریعے مذہب کی پختگی اور مضبوطی کے لیے اپنے نفوس کو وقف کر رکھا تھا۔ مجتهد فی المذهب کی نظر سے اقوال متعددہ مفقود نہیں ہوتے، حتی کہ مختلف اقوال پر نظر کرتے ہیں اور ترجیح دیتے اور درست قرار دیتے ہیں لہذا اس بارے میں سابقہ کلام علامہ قاسم کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ علامہ قاسم نے کہا کہ: ”ہم پر راجح قول کی اتباع کرنا اور اس قول راجح پر عمل کرنا واجب ہے جیسا کہ مجتہدین فی المذہب اپنی حیات مبارکہ میں فتوی دیتے تو ان کی اتباع لازم تھی (۷)“۔

ضمنی فوائد

(۱) اقول: یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا؟ اور کس دلیل سے آپ کو اس کی دریافت ہوئی؟ امام سے تو صرف مسائل منقول ہیں دلائل منقول نہیں، اصحاب نے اجتہاد کرکے ان مسائل کی دلیلوں کا استخراج کیا یہ بھی ہر ایک نے اپنے مبلغ علم اور منتہائے فہم کے اعتبار سے کیا اور کوئی بھی امام کی منزل کو نہ پاسکا بلکہ ان کے دسویں حصے کو بھی نہ پہنچا اور زیادہ تر تو یہ ہے کہ یہ حضرات ان کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔ اگر کہنا ہے تو یوں کہیے کہ ہاں مشائخ کو ”قولِ امام“ کی دلیل سے آگاہی ملی، یہ نہ کہیے کہ ”امام کی دلیل“ سے آگاہ ہوئے سیدی طحطاوی علیہ رحمۃ اللہ القوی پر خدا کی رحمت ہو وہ حواشی در مختار کتاب القضاء میں رقم طراز ہیں، قولِ امام کے خلاف کسی قول میں اہلِ نظر کو کبھی قوت نظر نہیں آتی ہے یہ اس صاحب نظر کے علم وادراک کے لحاظ سے ہوتا ہے اور واقع میں اس کے برخلاف ہوتا ہے یا کسی ایک دلیل کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے جبکہ صاحب مذہب کے پاس کوئی اور دلیل ہوتی ہے جس سے یہ آگاہ نہیں ہوتا۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ، ج ۱ (الف)، ص ۱۴۳، ۱۴۴)

(۲) اقول اوّلا: تو کیا حضرت امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے بارے میں یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہیں

وہ دلیل نہ مل سکی جو مشائخ کو مل گئی اس لیے انہوں نے ایک ایسی چیز پر اعتماد کرلیا جسے مشائخ نے ضعیف ہونے کی وجہ سے ساقط کردیا، خدارا انصاف! دونوں میں سے کون سا گمان زیادہ بعید ہے؟

ثانیا: یہ مشائخ اگر اپنے امام کے مبلغ علم کو نہ پاسکے تو اس میں ان کی کوئی بے عزتی نہیں اس پایہ بلند تک نارسائی تو مجتہدین فی المذہب میں سب سے عظیم شخصیت **امام ثانی قاضی ابو یوسف** سے ثابت ہے کسی اور کا کیا ذکر و شمار؟ (فتاوی رضویہ مخرجہ، ج ۱ (الف)، ص ۱۴۴، ۱۴۵)

(۳) اقول: دلائل درایۃً قائم کیے ہیں، روایۃً نہیں، اب ان کی درایت کو امام کی درایت سے کیا نسبت؟ (فتاوی رضویہ مخرجہ، ج ۱ (الف)، ص ۱۴۹)

(۴) اقول: اس لیے کہ ان پر وہ دلیل ظاہر نہ ہوئی جو امام پر ظاہر تھی اور یہ حضرات اہلِ نظر ہیں اس لیے انہیں اسی دلیل کی پیروی کرنی تھی جو ان پر ظاہر ہوئی کیونکہ خود امام کا ارشاد ہے کہ: ہمارے ماخذ کی دریافت کے بغیر کسی کو ہمارے قول پر افتاء روا نہیں۔ اگر ان مشائخ پر بھی وہ دلیل ظاہر ہوتی جو امام پر ظاہر ہوئی تو بلاشبہ یہ تابعدار ہو کر حاضر ہوتے (فتاوی رضویہ مخرجہ، ج ۱ (الف)، ص ۱۴۹، ۱۵۰)

(۵) اقول: یہ اس کے ذمے ہوگا جس نے امام کی تقلید چھوڑ کر مشائخ کی تقلید اختیار کرلی ہو مقلدِ امام کے ذمے تو وہی نقل کرنا اور اسی کو لینا ہے جو امام نے فرمایا (المرجع السابق)۔

(۶) اقول: ایسا ہے تو متبوع تابع سے زیادہ مستحقِ اتباع ہے۔

(۷) اقول اوّلا: خدا آپ پر رحم فرمائے! بتائیے اگر امام دنیا میں باحیات ہوتے اور یہ حضرات بھی باحیات ہوتے پھر امام بھی فتوی دیتے اور یہ بھی فتوی دیتے تو آپ کس کی تقلید کرتے؟

ثانیا: علامہ قاسم علیہ الرحمۃ کا کلام صرف ان مسائل سے متعلق ہے، جن میں فتوی مشائخ کی جانب ہی رجوع کرنا ہے اس لیے کہ ان مسائل میں امام سے کوئی روایت ہی نہیں یا امام سے روایت مختلف آئی ہے یا ان چھ اسباب میں سے کوئی سبب موجود ہے یہ تو خود امام ہی کی تقلید ہے۔ میں اس پر آپ ہی کی اور علامہ قاسم کی شہادت عادلہ پیش کرتا ہوں انہیں اپنی مراد کا زیادہ علم ہے۔ شرح عقود میں آپ رقمطراز ہیں کہ: علامہ محقق شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں لکھا ہے کہ: مجتہدین موجود

رہے حتی کہ انہوں نے مختلف فیہ مسائل میں غور وخوض کیا اور مسائل کی ترجیح وتصحیح بیان کی اس بات کی گواہ ان کی کتب بھی ہیں کہ انہوں نے **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول ہی کو راجح قرار دیا اور آپ ہی کے قول پر فتوی دیا سوائے بعض مسائل کے ان چند مسائل میں انہوں نے **صاحبین** یا ان میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کیا باوجود اس بات کہ **صاحبین** میں سے ایک **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے ساتھ تھے جیسا کہ انہوں نے اس مسئلہ میں جس میں **امام اعظم** سے کوئی نص منقول نہیں تھی **صاحبین** میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کیا ان اسباب کی بناء پر جن کی طرف **قاضی** نے اشارہ کیا ہے بلکہ **مشائخِ کرام** علیہ رحمۃ اللہ السلام نے تو دیگر تمام **ائمہ کرام** کے مقابلے میں **امام زفر** کے قول کو بھی اختیار کیا ہے ان **مشائخِ کرام** کی تصحیحات اور ترجیحات اب بھی کتب میں موجود ہیں ہم پر راجح قول پر عمل کرنا اور اس کی پیروی کرنا اسی طرح واجب ہے جیسے ان حضرات کے اپنی حیات میں ہمیں فتوی دینے کی صورت میں ہوتا۔

امام اجل فقیہ النفس قاضی کے فتاوی میں ہے: ہمارے دور میں جب ہمارے ملک کے مفتی سے کسی مسئلہ میں استفتاء اور کسی واقعہ پر سوال ہو تو اگر وہ مسئلہ ہمارے آئمہ سے **ظاہر الروایۃ** میں بلا اختلاف باہمی مروی ہے تو ان کی طرف مائل ہو، ان ہی کے قول پر فتوی دے اور اپنی رائے سے ان کی مخالفت نہ کرے اگرچہ وہ پختہ کار مجتہد ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ حق ہمارے آئمہ کے ساتھ ہے اور ان سے متجاوز نہیں اور اس کا اجتہاد ان کے اجتہاد کو نہیں پا سکتا اور ان کے مخالف کے قول پر نظر نہ کرے نہ اس کی حجت قبول کرے اس لیے کہ وہ دلائل سے آشنا تھے اور انہوں نے ثابت وصحیح اور غیر ثابت وصحیح کے درمیان امتیاز بھی کر دیا۔ اگر مسئلہ میں ہمارے آئمہ کے درمیان اختلاف ہے تو اگر **امام ابوحنیفہ** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ ان کے **صاحبین** میں سے کوئی ایک ہیں تو ان ہی دونوں حضرات (**امام صاحب اور صاحبین** میں سے ایک) کا قول لیا جائے گا کیونکہ ان میں شرطیں فراہم اور دلائلِ صواب مجتمع ہیں۔ اور اگر اس مسئلہ میں **صاحبین امام ابوحنیفہ** کے برخلاف ہیں تو یہ اختلاف اگر عصر وزمان کا اختلاف ہے جیسے گواہ کی ظاہری عدالت پر فیصلہ کا

حکم تو صاحبین کا قول اختیار ہوگا کیونکہ متاخرین اس پر اتفاق کر چکے ہیں اور اس کے ماسوا میں بعض نے کہا مجتہد کو امتیاز ہوگا اور جس نتیجے تک اس کی رائے پہنچے وہ اس پر عمل کریگا اور عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: کہ امام ابو حنیفہ کا قول لے گا۔

اقول :ہمارے رب ہی کی ذات کے لیے حمد ہے امام قاضی خان نے ہمارے مقصود سے متعلق سب کچھ بیان کر دیا تعامل اور اس مسئلے کا جس میں حالات کے بدلنے سے حکم بدل گیا ہے استثناء کر کے ہمارے ذکر کردہ اسباب ستہ کو جمع کر دیا۔ یہ صراحت بھی فرمادی کہ صاحبین میں کوئی ایک جب امام کے موافق ہوں تو اصحابِ نظر کے لیے امام کی مخالفت روا نہیں۔ اگر دونوں ہی ان کے موافق ہیں تو کیونکر روا ہوگی۔ پھر ماسوا مسائل میں جو دو قول بیان کئے ہیں ان کے درمیان مقلد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں اور قول دوم میں جب مجتہد کو تخییر سے منع کیا تو مقلد کو تو زیادہ منع کریں گے اس طرح دونوں اس بات پر متفق ٹھہرے کہ مقلد کو تخییر نہیں بلکہ اسے امام ہی کا اتباع کرنا ہے یہی مقصود ہے۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ ،ج ۱ (الف)،ص ۱۵۱ وغیرہ)۔

علامہ قاسم کی عبارت جو علامہ شامی نے اس مقام پر اوّل و آخر سے التقاط کر کے نقل کی ہے اگر ان کی کامل عبارت پر غور کر لیتے تو حقیقتِ امر ان پر پوشیدہ نہ رہ جاتی بار ہا اس طرح کا خلل محض اقتصار کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، **و باللہ العصمۃ**۔

ثالثا :بفرض غلط اگر امام قاسم کا مقصود وہی ہوتا جو آپ مراد لے رہے ہیں تو یہ ان کے استاد محقق علی الاطلاق کے اس ارشاد کے مقابلہ میں مرجوح ہوتا جسے آپ نے بھی نقل کیا اور قبول کیا کہ انہوں نے قولِ صاحبین پر افتاء کے باعث بار ہا مشائخ کا رد کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ: **قول امام سے عدول نہ ہوگا سوا اس صورت میں کہ ان کی دلیل کمزور ہو۔** (المرجع السابق،ص ۱۵۳ وغیرہ)۔

(وفی) فتاوی العلامۃ ابن الشلبی: "لیس للقاضی ولا للمفتی العدول عن قول الامام الا اذا صرح احد من المشایخ بان الفتوی علی غیرہ ،فلیس للقاضی ان یحکم بقول غیر ابی حنیفۃ فی مسئلۃ لم یرجح فیھا قول غیرہ ورجحوا فیھا

دلیل ابی حنیفۃ علی دلیلہ فان حکم فیھا فحکمہ غیر ماض، لیس لہ غیر الانتقاض " انتھی.

علامہ ابن شلبی کے فتاوی میں ہے: "قاضی اور مفتی کے لئے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول سے عدول کرنا جائز نہیں ہے، مگر جب کہ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام سے کوئی اس بات کی تصریح کر دے کہ فتوی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے علاوہ کسی دوسرے امام کے قول پر ہے۔(۱) قاضی کے لیے جائز نہیں کہ جس مسئلہ میں غیر کے قول کو ترجیح نہیں دی گئی بلکہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے دلائل کو دیگر کے دلائل پر راجح قرار دیا ہو۔(۲) اس میں کسی دوسرے کے قول پر فیصلہ کرے، اگر وہ کرے گا تو اس کا یہ حکم نافذ نہیں ہوگا۔ اور اس قول پر عمل نہیں کیا جائے گا"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فوائد

(۱) علامہ شامی، علامہ ابنِ شلبی سے نقل کرتے ہوئے: مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت کر دی ہو کہ فتویٰ امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔

اقول اولا: دیگر مشائخ اس مفتی کے موافق ہیں، یا اس کے مخالف ہیں، یا ساکت ہیں کہ انہوں نے کسی قول کو ترجیح نہ دی۔ یہاں تک کہ کسی قول کی نہ علت پیش کی، نہ اس پر بحث کی، نہ اسے اپنی تصنیف میں متن بنایا، نہ کسی ایک پر اقتصار کیا، نہ وجوہ اختیار و ترجیح میں سے کوئی اور صورت اپنائی، یہ تیسری صورت (سکوت) واقع ہی نہیں اور دوسری صورت میں کلامِ ابنِ شلبی پر منع ظاہر ہے۔ (یہ وہ دوسری صورت ہے کہ ایک شخص نے قولِ امام کے بجائے قولِ دیگر پر فتوی دیا باقی تمام حضرات قولِ امام ہی پر فتوے دیتے ہیں اور اس مفتی کے مخالف ہیں) تمام اصحاب ترجیح کی جانب سے ترجیح یافتہ قولِ امام سے محض ایک شخص کے فتوے کے باعث انحراف کیوں ہوگا؟

در مختار کے اندر کنواں ناپاک ہونے کے مسئلے میں ہے، صاحبین فرماتے ہیں: جب سے علم ہوا اس وقت سے ناپاک مانا جائے گا تو اس سے قبل لوگوں پر کچھ لازم نہ ہوگا، کہا گیا: اسی پر فتوی ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: اس کے قائل صاحبِ جوھرہ ہیں. فتاوی عتابی میں ہے قولِ صاحبین ہی مختار ہے. طحطاوی فرماتے ہیں: قیل (کہا گیا) سے تعبیر اس لیے فرمائی کہ

علامہ قاسم نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ یہ عامہ کتب کے خلاف ہے، کثیر کتابوں میں دلیلِ امام کو ترجیح دی گئی ہے وہی جو احوط بھی ہے۔ بلکہ درمختار میں ہے: امام کے نزدیک شبہ عقد کی وجہ سے نہیں جیسے اس محرم سے وطی کی صورت میں جس سے نکاح کر لیا ہو، صاحبین فرماتے ہیں: اگر حرمت سے آگاہ ہے۔

اقول: میں نے "جوھرہ" میں اسے نہ دیکھا، شاید یہ ان کی "سراج وھاج" میں ہو تو حد ہوگی اسی پر فتوی ہے۔

خلاصہ: لیکن تمام شروح میں ترجیح یافتہ قولِ امام ہی ہے تو اسی پر فتوی اولی ہے۔ یہ علامہ قاسم نے اپنی تصحیح میں لکھا لیکن قہستانی میں مضمرات سے نقل ہے کہ صاحبین ہی کے قول پر فتوی ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں: ان کے لفظ "تمام شروح" پر یہ استدراک ہے اس لیے کہ مضمرات بھی شروح میں سے ہے اس پر کلام یہ ہے کہ جو عامہ شروح میں ہے مقدم وہی ہوگا۔ یہاں کتب فتاوی نے فتوی قولِ صاحبین پر رکھا، بعض معتمد شروح نے بھی ان کی موافقت کی مگر اسے قبول نہ کیا گیا اس لیے کہ عامہ شروح نے دلیلِ امام کو ترجیح دی، رہ گئی پہلی صورت (کہ دیگر مشائخ بھی اس مفتی کے ہم نوا ہیں جس نے بتایا کہ فتوی امام کے علاوہ کسی اور کے قول پر ہے) یہ بلاشبہ مسلّم ہے اور اس کا وجوہ ان ہی چھ صورتوں میں سے کسی ایک میں ہوگا۔ اس صورت میں خود قولِ امام کی جانب رجوع ہوتا ہے۔ اس سے انحراف نہیں ہوتا جیسا کہ معلوم ہوا۔

ثانیا: بطرز دیگر، بتایئے اگر امام نے کوئی بات کہی اور صاحبین میں سے ایک نے ان کی مخالفت کی، دوسرے سے کوئی روایت نہ آئی۔ اب مشائخ میں سے کسی نے اُس ایک صاحب کے قول پر فتوی دیا، تو اگر باقی مشائخ نے بھی موافقت فرمائی تو اس کا حال ظاہر ہے۔ یوں ہی اگر بعض نے مخالفت کی اور بعض نے موافقت کی، وجہ مقدمہ سابعہ میں بیان ہوئی لیکن اگر باقی حضرات سے کچھ وارد ہی نہ ہوا، یہی صورت ہے جس کے وقوع سے ہم نے انکار کیا تو اس وقت اس فتوے کا اتباع واجب ہے یا نہیں؟۔

برتقدیرِ ثانی آپ کا وہ قول کہاں گیا کہ "ہمارے ذمہ اسی کی پیروی ہے جسے مشائخ نے صحیح قرار دے دیا جیسے اس صورت میں ہوتا جب وہ ہمیں اپنی حیات میں فتوی دیتے"، اس لیے کہ زندگی کا فتوی مستفتی پر واجب العمل ہے اگر چہ مفتی ایک ہی ہو، جس کا دوسرا کوئی مخالف نہ ہو اور مستفتی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس فتوے کو قبول کرنے سے توقف کرے یہاں تک کہ سب فتوی دینے والے مجتمع ہو جائیں یا کثیر ہو جائیں تب مانے۔

برتقدیرِ اول (یعنی قول امام کو چھوڑ کر دیگر کو ترجیح دینے والے فتوے کی اتباع واجب ہے) قول امام چھوڑ کر ان کے شاگرد کے قول کو لینا کیوں واجب ہوا؟ صرف اس لیے کہ ان کے شاگرد کی رائے اس مفتی کی رائے سے مل کر راجح ہو گئی کیونکہ یہ فتوی کوئی اختلاف ختم کرنے والا فیصلہٴ قاضی نہیں، بلکہ اس کی حیثیت اس افتاء کی بھی نہیں جو آکر سوال کرنے والے کسی مستفتی کے لیے کسی مفتی سے صادر ہوا۔ اس فتوے کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ فلاں رائے میرے نزدیک زیادہ راجح ہے۔ جب ایسا ہے تو اگر صاحبین میں سے ایک صاحب کی رائے بھی مل جائے تو اس کا راجح ہونا (کسی بعد کے مفتی کی رائے ملنے والی صورت کی بہ نسبت) زیادہ بالاتر اور عظیم تر ہوگا۔ اس لیے کہ صاحبین میں سے ہر ایک اپنے بعد آنے والے تمام مرجحین سے زیادہ علم والے اور زیادہ مقدم ہیں تو یہ کہیے کہ جہاں بھی صاحبین نے امام کی مخالفت کی ہو، وہاں امام کا قول چھوڑ کر صاحبین کا قول لینا واجب ہے یہ خلاف اجماع ہے (کوئی اس کا قائل نہیں)۔

(۲) اقول: پہلے گزر چکا یہاں اس سے بھی آگے تجاوز کیا کیوں کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ جہاں دلیلِ امام کو ترجیح نہ دی گئی وہاں قاضی اور اسی طرح مفتی کو قولِ امام سے دوسرے کے قول کی طرف عدول جائز ہے اگر اس دوسرے پر بھی ترجیح کا نشان نہ ہو، یہ مفاد اس طرح ہوا کہ انہوں نے عدم عدول کے حکم کی بنیاد ایک وجود اور ایک عدم پر رکھی (۱) دلیلِ امام کی ترجیح کا وجود ہو (۲) قول غیر کی ترجیح کا عدم ہو تو جب تک یہ دونوں چیزیں جمع نہ ہوں عدول جائز نہ ہوگا حالانکہ ثقات عدل اس اطلاق کے قائل نہیں کیونکہ یہ ان دو صورتوں کو بھی شامل ہے۔ (۱) قولِ امام اور قولِ غیرِ امام دونوں کو ترجیح ملی ہو، (۲) دونوں میں سے کسی کو ترجیح نہ دی گئی ہو، بلاشبہ ان دونوں صورتوں میں قولِ امام ہی پر

عمل ہوگا۔ اوّل (کیونکہ جب تصحیح میں اختلاف ہوتو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا قول ہی مقدم ہوتا ہے۔) دوم سے متعلق ملاحظہ ہو سیدی طحطاوی باب زکاۃ الغنم میں مسئلہ صرف الھالک الی العفو کے تحت رقمطراز ہیں: معلوم ہے عدم تصحیح کی صورت میں صاحبِ مذہب کے قول سے عدول نہ ہوگا۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ ،ج ۱ (الف)، ص ۱٥٤ تا ۱٥۸)

ما المراد بقوله لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا؟

(ثم اعلم) ان قول الامام "لایحل لاحد ان یفتی بقولنا...... "الخ یحتمل معنیین.

امام اعظم کے قول لایحل ان یفتی بقولنا سے کیا مراد ھے؟

پھر جان لیجئے کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے اس قول "لایحل لاحد ان یفتی بقولنا...... الخ، کسی شخص کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا اس وقت جائز نہیں" میں دو معانی کا احتمال ہے۔

(احدھما) ان یکون المراد به ماھو المتبادر منه وھو انه اذا ثبت عنده مذھب امامه فی حکم کوجوب الوتر مثلا لایحل له ان یفتی بذلک حتی یعلم دلیل امامه ولاشک انه علی ھذا خاص بالمفتی المجتهد دون المقلد المحض ،فان التقلید ھو الاخذ بقول الغیر معرفة دلیله قالوا: فخرج اخذه مع معرفة دلیله بتقلید لانه اخذ من الدلیل لامن المجتهد بل قیل ان اخذه مع معرفة دلیله نتیجة الاجتهاد، لان معرفة الدلیل انما تکون للمجتهد لتوقفها علی معرفة سلامته من المعارض، وھی متوقفة علی استقراء الادلة کلھا ولا یقدر علی ذلک الاالمجتهد، اما مجرد معرفة ان المجتهد الفلانی اخذ الحکم الفلانی من الدلیل الفلانی، فلافائدة فیھا ،فلا بد ان یکون المراد من وجوب معرفة الدلیل علی المفتی ان یعرف حاله حتی یصح له تقلیده فی ذلک مع الجزم به وافتاه غیره به، وھذا لایتاتی الا فی المفتی المجتهد فی المذھب وھو المفتی حقیقة اما غیره فھو ناقل .

اس کا پہلا معنی وہی ہے جو اس قول سے متبادر ہے کہ جب مفتی کے نزدیک کسی مسئلہ میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا مذہب ثابت ہو جائے مثلا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے نزدیک وتر کا حکم واجب ہونا ہے تو اس کے لئے اس حکم پر فتوی دینا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک وہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی دلیل کو نہ جان لے۔ اور یقیناً یہ امر تو مجتہد مفتی کے ساتھ مخصوص ہے یہ شرط مقلد مفتی کے لئے نہیں ہے کیونکہ تقلید تو نام ہی دوسرے کے قول کو بغیر دلیل جانے قبول کر لینے کا ہے۔ علماء فرماتے ہیں اس تعریف کی بناء پر دلیل جاننے کے بعد کسی مسئلہ کو لینا تقلید سے خارج ہو گیا کیونکہ دلیل جاننے کے بعد مسئلہ پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے کیونکہ ایسا شخص تو مسئلہ دلیل سے اخذ کر رہا ہے نہ کسی مجتہد سے، بلکہ کہا گیا ہے کہ دلیل جاننے کے بعد مسئلہ کو لینا اجتہاد کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ دلیل کی معرفت اس بات کے علم پر موقوف ہے کہ یہ دلیل دوسری معارض دلیل سے محفوظ ہے۔ اور دلائل باہم متعارض ہیں یا نہیں اس کی معرفت تمام ہی دلائل کے استیعاب پر موقوف ہے اور اس استیعاب پر مجتہد قادر ہوتا ہے۔ فقط اتنی معلومات کہ فلاں مجتہد نے فلاں حکم فلاں دلیل سے لیا ہے بے فائدہ ہے۔ پس ضروری ہوا کہ مفتی پر دلیل کی معرفت رکھنا واجب ہے۔ اس سے مراد یہ ہے وہ اس دلیل کا حال جانتا ہو حتی کہ اس مسئلہ میں اس کے لیے جزم و یقین کے ساتھ تقلید کرنا اور فتوی دینا درست ہو سکے اور یہ وصف مجتهد فی المذهب مفتی ہی کو حاصل ہوتا ہے اور حقیقۃ وہی مفتی ہے۔ رہے دیگر علماء وہ تو فقط فتاوی کے ناقل ہیں۔

الایراد علی المعنی الاول

(لکن) کون المراد هذا بعید لان هذا المفتی حیث لم یکن وصل الی رتبة الاجتهاد المطلق یلزمه التقلیدلمن وصل الیها و لا یلزمه معرفة دلیل امامه الاعلی قول قال فی التحریر: " **(مسئلة)** غیر المجتهد المطلق یلزمه التقلید وان کان مجتهدا فی بعض مسائل الفقه او بعض العلوم کالفرائض علی القول بتجزی الاجتهاد وهو الحق فیقلد غیره فیما لایقدر علیه، وقیل فی العالم انما یلزمه التقلید بشرط تبین صحة مستند المجتهد والالم یجز له تقلیده......[1]"

انتهی. **والاول** قول الجمهور والثانی قول لبعض المعتزلة کما ذکره شارحه

فقوله يلزمه التقليد مع ماقدمنا من تعريف التقليد يدل على أن معرفة الدليل للمجتهد المطلق فقط وانه لايلزم غيره ولو كان ذلك الغير مجتهدا في المذهب .

قول امام کے پہلے معنی اور اس پر اشکال

لیکن امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کا یہ معنی مراد لینا بعید ہے کیونکہ جو مفتی مجتہد فی المذہب مفتی اجتہاد مطلق کے درجہ تک نہ پہنچا ہو اس پر مجتہد مطلق کی تقلید کرنا لازم ہے۔ اور (مقلد ہونے کی وجہ سے) اس پر اپنے امام کی دلیل کا جاننا لازم نہ ہوگا، ہاں صرف ایک قول پر ،علامہ ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے التحریر میں فرمایا: مسئلہ...... ''جو مجتہد مطلق نہ ہو، اس پر مجتہد کی تقلید کرنا لازم ہے اگرچہ وہ فقہ کے بعض مسائل مثلاً علم الفرائض میں مجتہد ہو تو ایسا شخص مجتہد مطلق کی ان مسائل میں تقلید کرے گا جس میں وہ اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتا۔ عالم شخص کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس پر تقلید اس شرط کے ساتھ لازم ہے کہ اس پر مجتہد کی دلیل کا صحیح ہونا ظاہر ہو جائے ورنہ عالم کے لئے اس امام کی تقلید کرنا جائز نہیں، پہلے قول کے قائل جمہور ہیں اور دوسرا قول بعض معتزلہ کا ہے جیسا کہ شارح التحریر نے اس کو ذکر کیا۔

امام ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام کا یہ قول ''جو مجتہد مطلق نہ ہو اس پر مجتہد مطلق کی تقلید کرنا لازم ہے اور اس کے ساتھ تقلید کی تعریف جو ہم پہلے بیان کر چکے اس بات کی دلیل ہے کہ دلیل کا جاننا فقط مجتہد مطلق کے لئے لازم ہے اور جو مجتہد مطلق نہ ہو اس پر دلیل کا جاننا لازم نہیں ہے اگرچہ وہ مجتہد فی المذہب ہی کیوں نہ ہو''۔

ضمنی فائدہ

......[1] التحرير مع شرحه التقرير والتحبير ،المقالة الثالثة :في الاجتهاد وما يتبعه من التقليد والافتاء، ج۳، ص ۴۳۸۔

جواب الایراد المذکور

لكن نقل الشارح عن الزركشي من الشافعية :''ان اطلاق الحاقه بالعامي الصرف فيه نظر، لاسيما في اتباع المذاهب المتبحرين ،فانهم لم ينصبوا أنفسهم نصبة

المقلدين ولاشک فی الحاقهم بالمجتهدين، اذ لا يقلد مجتهد مجتهدا ،ولا يمكن أن يكون واسطة بينهما، لأنه ليس لناسوى حالتين، قال ابن المنير: والمختار أنهم مجتهدون ملتزمون أن لايحدثوا مذهبا اما كونهم مجتهدين فلأن الأوصاف قائمة بهم واما كونهم ملتزمين ألا يحدثوا مذهبا فلأن احداث مذهب زائد بحيث يكون لفروعه أصول و قواعد مباينة لسائر قواعد المتقدمين فمتعذر الوجود لاستيعاب المتقدمين سائر الأساليب، نعم لايمتنع عليهم تقليد امام فی قاعدة ،فاذا ظهر له صحة مذهب غير امامه فی واقعة لم يجز له أن يقلد امامه، لكن وقوع ذلک مستبعدا لكمال نظر من قبله.....[1]...." انتهى.

مذکورہ بالا اشکال کا جواب

لیکن شارح التحریر (ابن امیر الحاج) نے علامہ زرکشی شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے حوالے سے نقل کیا کہ "مجتھد فی المذھب کو محض عام مقلد کے ساتھ ملحق کرنے کا اطلاق محلِ نظر ہے، بالخصوص مذاہب اربعہ کے ان متبحر پیروکاروں کا جنہوں نے اپنے نفوس کو مقلدین کے مقام پر قائم نہیں کیا اور اس میں بھی شک نہیں کہ انہیں مجتہد مطلق کے ساتھ بھی ملحق نہیں کیا جا سکتا ،اور مجتہد و مقلد کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ ہمارے پاس ان دو حالتوں کے سوا کوئی تیسری حالت نہیں ہے۔ علامہ ابن منیر علیہ رحمۃ اللہ القدیر نے فرمایا: مختار یہ ہے کہ یہ حضرات مجتہد ہیں۔ انہوں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ نیا مذہب نہ بنائیں، ان کے مجتہد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان میں اجتہاد کے اوصاف موجود ہیں اور انہوں نے نیا مذہب نہ بنانے کا التزام اسلئے کیا کہ کسی نئے مذہب کو یوں بنانا کہ اس مذہب کے لئے اصول وقواعد ہوں جو متقدمین مجتہدین کے اصول وقواعد کے مباین ہو اور یہ بات متعذر ہے کیونکہ متقدمین نے تمام ہی اسلوبات کا احاطہ کر رکھا ہے ،ہاں ان کے لیے کسی قاعدہ میں کسی امام کی تقلید کرنا ممنوع نہیں ہے۔ پس جب ان پر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کے مذہب کی درستگی ظاہر ہو جائے تو ان کے لیے اپنے امام کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس بات کا ظہور پذیر ہونا بعید ہے کیونکہ اس سے ماقبل گزرنے والے مجتہد نظر کامل کے مالک تھے"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

الثانی: من الاحتمالين ان يكون المراد الافتاء بقول الامام تخريجا و استنباطا

من اصوله، (قال) في التحرير وشرحه.

(مسئلة) افتاه غير المجتهد بمذهب مجتهد تخريجا على اصوله لانقل عينه فانه يقبل بشرائط الراوى ان كان مطلعا على مبانيه اى مأخذ أحكام المجتهد اهلاً للنظر فيها قادراعلى التفريع على قواعده متمكنا من الفرق والجمع والمناظرة فى ذلك بان يكونه له ملكة الاقتدار على استنباط احكام الفروع المتجددة التى لانقل فيها عن صاحب المذهب من الأصول التى مهدها صاحب المذهب وهذاالمسمى بالمجتهد فى المذهب جاز والا لو لم يكن كذلک لايجوز......۲.

وفى شرح البديع للهندى :"وهو المختار عند كثير من المحققين من اصحابناوغيرهم فانه نقل عن ابى يوسف وزفر وغيرهما من ائمتنا أنهم قالوا لايحل لاحد ان يفتى بقولنا مالم يعلم من أين قلنا ،وعبارة بعضهم من حفظ الأقاويل ولم يعرف الحجج فلايحل له ان يفتى فيما اختلفوا فيه، وقيل جاز بشرط عدم مجتهد واستقربه العلامة ،وقيل يجوز مطلقا اى سواء كان مطلعا على المأخذ ام لا،عدم المجتهد ام لا،وهو المختار صاهب البديع وكثير من العلماء لأنه ناقل فلا فرق فيه بين العالم وغيره، واجيب بانه ليس الخلاف فى النقل بل فى التخريج لأن النقل لعين مذهب المجتهد يقبل بشرائط الراوى من العدالة وغيرها اتفاقا "انتهى ملخصا. (اقول) ويظهر مما ذكره الهندى ان هذا غير خاص باقوال الامام بل اقوال اصحابه كذلک.

دوسرا معنی یہ ہے کہ اس قول سے مراد یہ ہے کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے اصول وقواعد کے مطابق تخریج واستنباط کر کے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول پر فتوی دینا جائز ہے۔ علامہ ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے التحریر میں اور علامہ ابن امیر الحاج نے شرح التحریر میں فرمایا: (مسئلہ) ''غیر مجتہد مفتی کا مجتہد کے اصول وقواعد کے مطابق تخریج کر کے مجتہد کے مذہب کے مطابق فتوی دینا، بعینہ اس کو نقل کرنا نہیں ہے، بشرطیکہ وہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کے منی سے مطلع ہو یعنی مجتہد کے احکامات کا ماخذ جانتا ہو، ان احکامات میں غور وفکر کرنے کی اہلیت رکھتا

ہو، اس مجتہد کے قواعد کے مطابق تفریعات بیان کرنے پر قادر ہو، جمع اور فرق کی استطاعت رکھتا ہو، اس بارے میں مناظرہ کرسکتا ہو، اس کا حال یہ ہو کہ وہ ان جدید فروعی احکامات کا مذہب کے وضع کردہ قواعد واصول کے مطابق استنباط کرسکتا ہو جن کے بارے میں صاحب مذہب سے کچھ منقول ہو، ان صفات کے حامل شخص کو مجتہد فی المذہب کہتے ہیں۔ اور اگر وہ عالم ان صفات کا حامل نہ ہو تو اس کے لیے فتوی دینا جائز نہیں ہے''۔

علامہ ھندی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی شرح البدیع میں ہے ہمارے محققین ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام اور دیگر محقق علماء کے نزدیک یہی قول مختار ہے۔ ہمارے ائمہ کرام امام ابو یوسف، امام زفر وغیرہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کسی کے لیے ہمارے قول پر فتوی دینا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک یہ نہ جان لے کہ ہمارے قول کا ماخذ کیا ہے؟ بعض حضرات نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے جو اقوال ائمہ یاد کرلیں، اور اسے دلائل کی معرفت نہ ہو اس کے لیے مختلف فیہ مسائل میں فتوی دینا ناجائز ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ فتوی دینا جائز ہے بشرطیکہ مجتہد نہ ہو، اور اس کے ساتھ علامت مستقر ہو ۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلقاً فتوی دینا جائز ہے خواہ وہ ماخذ پر مطلع ہو یا نہ ہو، مجتہد ہو یا نہ ہو۔ صاحب بدیع اور اکثر علماء کا مختار یہی قول ہے وجہ یہ ہے کہ یہ شخص فقط ناقل ہے اور نقل کرنے میں عالم وغیر عالم کے مابین کچھ فرق نہیں ہے۔ اور میں (علامہ شامی) کہتا ہوں مجتہد کے لئے کہ نقل فتاوی میں اختلاف ہے ہی نہیں بلکہ اختلاف تو تخریج مسائل میں ہے کیونکہ بعینہ مجتہد کے مذہب کو نقل کر دینا راوی میں عدالت وغیرہ دیگر شرائط پائے جانے کی صورت میں بالاتفاق قبول ہے (ان کے کلام کی تلخیص مکمل ہوئی)۔ میں (علامہ شامی) کہتا ہوں علامہ ھندی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی ذکر کردہ بات سے یہ امور ظاہر ہوتے ہیں کہ یہ قول لایحل لاحد...... الخ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے اقوال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ آپ علیہ الرحمۃ کے تلامذہ کے اقوال کا بھی یہی حال ہے۔

ضمنی فائدہ

......[1]......التحریر مع شرحه التقریر و التحبیر، المقالة الثالثة: فی الاجتهاد و ما یتبعه من التقلید و الافتاء، ج۳، ص ۴۳۹۔

......[2]......ایضاً، ص ٤٤١۔

ما المراد بالمجتهد فی المذہب

وان المراد بالمجتهد فی المذهب هم اهل الطبقة الثالثة من الطبقات السبع المارة، وان الطبقة الثانية وهم اصحاب الامام اهل اجتهاد مطلق الاانهم قلدوه فی اغلب اصوله وقواعده ،بناء علی ان المجتهد له ان یقلد آخروفیه عن ابی حنیفة روایتان، ویؤید الجواز بالمسئلة ابی یوسف لما صلی الجمعة فاخبروه بوجود فارة فی حوض الحمام فقال نقلداهل المدینة ...... الی ...... وعن محمد یقلد اعلم منه اوعلی انه وافق اجتهادهم فیها اجتهاده، وحیث نقل مثل هذا عن بعض الائمة الشافعیة کالقفال والشیخ ابی علی والقاضی حسین انهم کانوا یقولون :لسنا مقلدین للشافعی، بل وافق رأینا رأیه، یقال مثله فی اصحاب ابی حنیفة مثل ابی یوسف ومحمد بالاولی، وقد خالفوه فی کثیر من الفروع ومع هذا لم تخرج اقوالهم عن المذهب کما مر تقریره .

مجتہد فی المذہب سے کیا مراد ہے؟

اور مجتهد فی المذهب سے مراد سابقہ سات طبقات فقہاء میں سے تیسرے طبقہ کے حضرات ہیں، اور دوسرا طبقہ جو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے تلامذہ کا ہے تو یہ حضرات مجتہد مطلق ہیں کہ انہوں نے اکثر اصول وقواعد میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی تقلید کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مجتہد کے لئے دوسرے مجتہد کی تقلید جائز ہے، اس بارے میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے دو روایات ہیں اور جواز کی روایت کی تائید امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کو لاحق اس مسئلہ سے ہوتی ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ جب نماز جمعہ پڑھ کر فارغ ہو گئے تو لوگوں نے خبر دی کہ حمام کے حوض میں چوہا برآمد ہوا ہے تو آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہم اہل مدینہ (امام مالک علیہ الرحمۃ) کی اس مسئلہ میں تقلید کرتے ہیں۔ امام محمد سے منقول ہے مجتہد اپنے سے بڑے عالم کی تقلید کر سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اجتہاد اس مسئلہ میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے اجتہاد کے موافق ہو گیا اور اسی طرح کی بات بعض ائمہ شافعیہ جیسا کہ علامہ قفال شاشی اور شیخ ابو علی اور قاضی حسین سے منقول ہے۔ یہ حضرات کہا کرتے ہیں کہ ہم امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے مقلد نہیں ہے بلکہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق ہو گئی ہے۔ اسی طرح کی بات امام اعظم کے شاگردوں مثلا امام ابو یوسف اور امام

محمد رحمہما اللہ کے بارے میں بدرجہ اولی کہی جاسکتی ہے۔ ان حضرات نے کئی فروعی مسائل میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے اختلاف کیا ہے اور اس کے باوجود وہ اقوال مذہب احناف سے خارج نہیں ہیں جیسا کہ اس کی تقریر گزرچکی۔

(فقد) تحرر مماذكرناه ان قول الامام واصحابه لايحل لاحدان يفتي بقولنا حتى يعلم من اين قلنا محمول على فتوى المجتهد فى المذهب بطريق الاستنباط والتخريج كما علمت من كلام التحرير وشرح البديع، والظاهر اشتراك اهل الطبقة الثالثة والرابعة والخامسة فى ذلك وان من عداهم يكتفى بالنقل وان علينا اتباع مانقلوه لنا عنهم من استنباطاتهم الغير المنصوصة عن المتقدمين ومن ترجيحاتهم ولو كانت لغير قول الامام كما قررناه فى صدر هذاالبحث لأنهم لم يرجحوا ما رجحوه جزافا وانما رجحوا بعد اطلاعهم على المأخذ كما شهدت مصنفاتهم بذلك خلافالما قاله فى البحر.

پس بلاشبہ ہماری مذکورہ گفتگو سے یہ بات ہوگئی کہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اور آپ علیہ الرحمۃ کے تلامذہ کا قول لايحل لاحد ان يفتى ...... الخ یہ بطریق استنباط وتخریج مجتہد فی المذہب کے فتوی پر محمول ہے، جیسا کہ التحریر اور شرح البدیع کے کلام سے آپ نے جان لیا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس بارے میں تیسرے، چوتھے اور پانچویں طبقے کے فقہاء بھی شامل ہیں اور ان کے ماسوا دیگر طبقات کے فقہاء نقل فتاوی پر اکتفاء کریں گے اور ہم پر ان کے نقل کردہ ان مستنبط مسائل کی جن کی تصریح متقدمین سے منقول ہے اوران کی ترجیحات کی پیروی کرنا لازم ہے اگرچہ ان کا ترجیح شدہ قول امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا نہ ہو، جیسا کہ اس بحث کے درمیان میں ہم نے اس بات کو ثابت کیا، کیونکہ ان حضرات نے جس قول کو بھی ترجیح دی ہے وہ اٹکل و اندازے سے نہیں دی بلکہ ماخذ پر مطلع ہونے کے بعد ان حضرات نے ترجیح کا کام کیا ہے جیسا کہ اس بات کی گواہی ان کی تصانیف دیتی ہیں کہ یہ بات علامہ ابن نجیم کے بحر الرائق میں ذکر کردہ قول کے برخلاف ہے۔

ضمنی فائدہ

......1...... ردالمحتار على الدرالمختار، مقدمة الكتاب، ج1، ص177۔

مكانة الامام ابن الهمام

(تنبيه) كلام البحر صريح في ان المحقق ابن الهمام من اهل الترجيح حيث قال عنه: "انه اهل للنظر في الدليل ......[1]...... وح فلنا اتباعه فيما يحققه ويرجحه من الروايات او الاقوال مالم يخرج عن المذهب فان له اختيارات خالف فيها المذهب فلا يتابع عليها كما قاله تلميذه العلامة قاسم وكيف لايكون اهلا لذلك وقد قال فيه بعض اقرانه وهو البرهان الانباسي لو طلبت حجج الدين ما كان في بلد نا من يقوم بها غيره اه.

(قلت) بل قد صرح العلامة المحقق شيخ الاسلام على المقدسي في شرحه على نظم الكنز في باب النكاح الرقيق بان ابن الهمام بلغ رتبة الاجتهاد.

امام ابن ہمام کا مقام

تنبیہ :بحرالرائق کا کلام اس بارے میں صریح ہے کہ محقق ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام اہل ترجیح میں سے ہیں۔علامہ ابن نجیم نے محقق علی الاطلاق کے بارے میں فرمایا:یہ دلیل میں نظر کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اوراس صورت میں ہمارے لیے جن روایات واقوال کی تحقیق کرتے ہیں اور جسے راجح قرار دیتے ہیں ہمارے لیے ان کی پیروی کرنا جائز ہے جب کہ محقق کا وہ قول مذہب سے خارج نہ ہو، پس بلاشبہ محقق ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے بعض اقوال وہ اختیار کیے ہیں جن میں انہوں نے صاحب مذہب سے اختلاف کیا ہے۔ان مسائل میں ان کی پیروی نہیں کی جائے گی جیسا کہ محقق کے شاگرد علامہ قاسم کا قول ہے اور محقق ابن ہمام کیونکر اہل ترجیح سے نہ ہوں گے کہ ان کے بارے میں ہم عصر علماء میں سے برہان انباسی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے فرمایا"لو طلبت حجج الدين ما كان في بلد نا من يقوم بها غيره یعنی اگر دین کے دلائل کا مطالبہ کیا جائے تو امام ابن ہمام کے سوا ہمارے شہر میں کوئی ایسا نہیں جو ان دلائل کو قائم کرسکے"۔

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں کہ علامہ محقق شیخ الاسلام علی مقدسی نے نظم الکنز کی شرح میں باب نکاح الرقیق میں لکھا۔ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچے ہوئے تھے۔

ضمنی فائدہ

......[1]......البحر الرائق، کتاب القضاء، ج۶،ص۳۸۸۔

مکانة العلامة قاسم

وکذلک نفس العلامة قاسم من اهل تلک الکتیبة، فانه قال فی اول رسالته المسماة" رفع الاشتباه عن مسئلة المیاه" :"لما منع علماؤنا رضی اللہ تعالی عنهم من کان له اهلیة النظر من محض تقلیدهم علی ماروا ه الشیخ الامام العالم العلامة ابو اسحق ابراهیم بن یوسف قال حدثنا ابو یوسف عن ابی حنیفة رحمه اللہ تعالی انه قال لایحل لاحد ان یفتی بقولنامالم یعرف من این قلناه، تتبعت ماخذهم وحصلت منها بحمداللہ تعالی علی الکثیر ولم اقنع بتقلیدمافی صحف کثیر من المصنفین ......الخ. وقال فی رسالة اخری وانی ولله الحمد لأقول کما قال الطحاوی لابن حربویة "لایقلد الاعصبی اوغبی" انتهی .

علامہ قاسم کا مقام

اور یونہی علامہ قاسم شہہ سواروں کے اسی دستہ کے ایک فرد ہیں، آپ علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالے رفع لاشتباہ عن مسئلہ المیاہ کے شروع میں لکھا" جب ہمارے علماء نے ایسے شخص کو جو دلیل میں نظر کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، اسے محض علماء کی تقلید کرنے سے منع کر دیا اس قول کے مطابق جسے شیخ امام عالم، علامہ ابوالحق ابراہیم بن یوسف نے روایت کیا فرمایا ہمیں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے حوالے سے اس قول کی خبر دی کہ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کسی شخص کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ ہمارے قول پر فتوی دے جب تک کہ وہ ہمارے قول کے ماخذ کو نہ جان لے۔ پس میں نے اقوال علماء کے ماخذ کی تلاش شروع کی اور الحمد للہ کئی اقوال کے ماخذ میں نے تلاش کر لیے۔ میں نے مصنفین کی کتب میں مذکور باتوں کی محض تقلید کرنے پر قناعت نہیں کی...... الخ"۔ علامہ قاسم علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک دوسرے رسالہ میں فرمایا:"للہ الحمد میں وہی بات کہتا ہوں جو امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے ابن حربویہ علیہ الرحمۃ سے کہی تھی کہ تقلید نہیں کرے گا مگر متشدد یا غبی"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

مکانة العلامة ابن نجیم

ویؤخذ من قول صاحب البحر: " یجب علینا الافتاء بقول الامام......
......الخ. انہ نفسہ لیس من اھل النظر فی الدلیل فاذا صحح قولا مخالفا لتصحیح غیرہ لایعتبر فضلا عن الاستنباط والتخریج علی القواعد خلافا لما ذکرہ البیری عندہ قول صاحب البحر فی کتابہ الاشباہ النوع الاول معرفۃ القواعد التی یرد الیھا وفرعوا الاحکام علیھا وھی اصول الفقہ فی الحقیقۃ وبھا یرتقی الفقیہ الی درجۃ الاجتھاد ولو فی الفتوی، واکثر فروعہ ظفرت بہ...... الخ، فقال البیری بعد ان عرف المجتھد فی المذھب بما قدمناہ عنہ: " وفی ھذا اشارۃ الی ان المؤلف قد بلغ ھذہ المرتبۃ فی الفتوی وزیادۃ وھو فی الحقیقۃ قد من اللہ تعالی علیہ بالاطلاع علی خبایا الزوایا وکان من جملۃ الحفاظ المطلعین" انتھی. **اذ لایخفی** ان ظفرہ باکثر فروع ھذا النوع لایلزم منہ ان یکون لہ اھلیۃ النظر فی الادلۃ التی دل کلامہ فی البحر علی انھا لم تحصل لہ وعلی انھا شرط للاجتھاد فی المذھب فتأمل.

علامہ ابن نجیم کا مقام

خود صاحب بحر الرائق کے اس قول "ہم پر امام اعظم کے قول کے مطابق فتوی دینا واجب ہے ......الخ" سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ دلیل میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہذا اگر وہ کسی قول کی تصحیح کریں اور کوئی دوسرا عالم ان کے مخالف قول کی تصحیح کرے، تو علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ کی تصحیح معتبر نہیں ہوگی چہ جائے کہ قواعد واصول کے مطابق ان کی استنباط اور تخریج کا اعتبار کیا جائے، یہ باتیں علامہ بیری علیہ الرحمۃ کی ذکر کردہ ان باتوں کے خلاف ہیں جو آپ علیہ الرحمۃ نے شرح الاشباہ میں علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ کے قول " النوع الاول معرفۃ القواعد التی یرد الیھا وفرعوا الاحکام علیھا یعنی پہلی نوع ان قواعد کے سلسلہ میں ہے جن کی طرف جزئیات لوٹائی جاتی ہے اور جن پر احکام کی تفریع کی جاتی ہے" اور وہ قواعد حقیقت میں اصول فقہ ہیں۔ انہی کے ذریعے فقیہ اجتہاد کے درجہ تک ترقی کرتا ہے اگر چہ وہ اجتہاد فتوی میں ہو اور اصول فقہ کی ان اکثر فروعات میں ہم کامیاب ہوئے ہیں ......الخ۔ ہم نے ماقبل علامہ بیری علیہ رحمۃ اللہ القوی کے حوالے سے مجتہد فی المذہب کی تعریف بیان کی۔ اس تعریف کو بیان کرنے کے بعد علامہ بیری علیہ رحمۃ اللہ القوی نے فرمایا: "اس میں نے اس بات کی طرف

اشارہ ہے کہ مؤلف فتوی میں اس مقام کو پہنچ چکے ہیں بلکہ یہ اس سے بھی بڑے منصب پر فائز ہیں (۱) اور حقیقت میں یہ اللہ ﷻ کا ان پر احسان ہے کہ اللہ ﷻ نے انہیں علم فقہ کے مخفی گوشوں پر مطلع فرما دیا۔ یہ مذہب کی زبردست معلومات رکھنے والے حفاظ میں سے ہیں"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

کیونکہ یہ مخفی نہیں کہ اس نوع کی اکثر تفریعات میں علامہ ابن نجیم کے کامیاب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دلائل میں غور وفکر کرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔ بحر الرائق میں مذکور بات اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں یہ ملکہ حاصل نہیں تھا اور اجتہاد فی المذہب کیلئے یہ ملکہ ہونا شرط ہے اب آپ غور کر لیجئے۔

ضمنی فوائد

......۱......البحر الرائق ، کتاب القضاء ،فصل یحوز التقلید /من شاء من المجتھدین ،ج۶،ص۳۸۸

(۱) امام اہلسنت نے فرمایا: اقول: یعنی اس معنی کے اعتبار سے جس سے بیری زادہ نے تعریف کی ہے یہ (تعریف) مجتہد فی المسائل، اہلِ تخریج، اور مجتہد فی الفتوی کو بھی شامل ہے۔ انہوں نے مجتہد فی المذہب کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ ایسا عالم ہوتا ہے جو اپنے امام کے بیان کردہ مسئلہ کی وجوہ کی تخریج پر قادر ہو، اور مذہب امام کا متبحر عالم ہو، اس کے ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دے سکتا ہو، نہ کہ مجتہد فی المذہب جو دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے جو باقی تین پر فائق ہوتا ہے کیونکہ بحر نے فرمایا: "ولو فی الفتوی" اگرچہ فتوی میں۔

اقول: بحر نے یہ دعوی نہیں کیا کہ جو شخص بھی فروع کو جانے گا وہ مرتبہ اجتہاد پر فائز ہو جائے گا۔ فروع کا یاد کرنا اور ہے اور فکر ونظر چیز دگر است یہ بالکل ایسا ہے جیسے دوا فروش اور طبیب کا فرق ہوتا ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص ان قواعد کو پہچاننے لگے اور ان سے استنباط مسائل کا طریقہ معلوم کر لے تو یہ اجتہاد کے ادنی درجہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور انہوں نے محض یہ کہا ہے کہ وہ اکثر فروع کے جاننے میں کامیاب ہوئے ہیں، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حقیقت علامہ بیری پر کیسے مخفی رہی؟ حالانکہ یہ بالکل واضح ہے پھر علامہ بیری نے ان کے لیے درجہ اجتہاد فی الفتوی کا دعوی بھی نہیں، کیا صرف یہ کہا ہے کہ بحر کے کلام میں اس طرف اشارہ ہے اور علامہ بیری

نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ وہ علم واطلاع رکھنے والے حفاظ میں سے ہیں اوراس میں کچھ شک بھی نہیں ۔ ابوالسعو د ازہری نے فتح اللہ المعین میں فرمایا: نہ تو ابن نجیم کے فتاوی پر اعتماد کیا جائے اور نہ ہی طوری کے فتاوی پر، اوراس کو شامی نے برقرار رکھا۔ یہ چیز ردالمحتار کے کئی مقامات پر مذکور ہے اور طحطاوی میں انہی سے منقول ہے کہ ہم نے اپنے شیخ سے بکثرت سنا ہے (اس سے مراد ان کے والد گرامی سید علی ہیں) وہ فرماتے تھے: فتاوی طوری شیخ زین کے فتاوی کی طرح ہے ان دونوں کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں! اگر کسی اور نقل سے ان کی تائید ہو جائے تو اور بات ہے اور ایک مجتہد فی الفتوی کے فتوی پر عمل کرنے سے کیونکر روکا جا سکتا ہے؟ (تو معلوم ہوا کہ علامہ ابن نجیم مجتہد فی الفتوی کے منصب پر فائز نہیں ہیں)۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ: ج:۲ ،ص: ۴۳۸۔۴۳۶)

☆...... ثم اذا لم توجد الرواية عن علمائنا ذوی الدراية

پھر جب ہمارے صاحب بصیرت علماء کی کوئی روایت موجود نہ ہو۔

☆...... واختلف الذين قد تأخروا يرجح الذی عليه الاكثر.

اور متاخرین علماء کا بھی اختلاف ہو تو اس قول کو ترجیح دی جائیگی جس پر اکثر علماء ہوں۔

☆...... مثل الطحاوی وابی حفص الكبير وابوی جعفر والليث الشهير.

جیسے امام طحاوی، ابوحفص کبیر، امام ابوجعفر طحاوی اور مشہور امام ابولیث سمرقندی۔

☆...... وحيث لم توجد لهؤلاء مقالة واحتيج للافتاء.

اور جہاں ان کا قول بھی موجود نہ ہو اور فتوی دینے کی حاجت ہو۔

☆...... فلينظر المفتی بجدواجتهاد وليخش بطش ربه يوم المعاد.

تو مفتی سخت کوشش ومحنت سے نظر کرے اور روز قیامت میں رب کی پکڑ کرنے سے ڈرے۔

☆...... فليس يجسرعلى الاحكام سوى شقی خاسر المرام.

بد بخت اور مقصود میں ناکام رہنے کے سوا (بغیر علم کے) احکام شرعیہ بتانے میں کوئی جرات نہیں کرے گا۔

ای قول يؤخذ عند عدم رواية المتقدمين؟

قال فی آخر الحاوی القدسی: "ومتی لم یوجد فی المسئلة عن ابی حنیفة روایة،یؤخذ بظاھر قول ابی یوسف ،ثم بظاھر قول محمد، ثم بظاھر قول زفر والحسن وغیرھم ،الاکبر فالاکبر ،ھکذا الی آخر من کان من کبار الاصحاب واذا لم یوجد فی الحادثة عن واحد منھم جواب ظاھر وتکلم فیه المشایخ المتاخرون قولا واحدا یؤخذ به، فان اختلفوا یؤخذ بقول الاکثرین مما اعتمد علیه الکبار المعروفون کابی حفص وابی جعفر وابی اللیث والطحاوی وغیرھم فیعتمد علیه......

متقدمین کا قول نہ ہونے کی صورت میں کونسا قول لیا جائے؟

الحاوی القدسی کے آخر میں فرمایا: "جب کسی مسئلہ میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے منقول روایت نہ مل پائے تو اس صورت میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے ظاہر قول کو لیا جائے گا۔ پھر امام محمد علیہ الرحمۃ کے ظاہر قول کو لیا جائے گا، اس کے بعد امام زفر علیہ الرحمۃ، امام حسن علیہ الرحمۃ وغیرہ۔ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے بڑے بڑے شاگردوں کے اقوال کو درجہ بدرجہ لیا جائے گا۔ جب کسی مسئلہ کے بارے میں ان حضرات میں کسی کا جواب نہ مل سکے تو اس صورت میں اگر متاخرین مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کا اس مسئلہ کے بارے میں ایک ہی قول ہو تو اسے لے لیا جائے گا۔ اور اگر متاخرین مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے درمیان بھی اختلاف ہو اس قول کو لیا جائے گا جو مشہور اکابر متاخرین علماء جیسے امام ابو حفص، ابو جعفر، ابو لیث، امام طحاوی رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ نے اختیار کیا ہو۔ پس ان کے قول پر اعتماد کیا جائے گا۔

عھدة المفتی عند عدم قول المتأخرین

......وان لم یوجدمنھم جواب البتة نصا ینظر المفتی فیھا نظر تأمل وتدبر واجتھاد ،لیجد فیھا مایقرب الی الخروج عن العھدة ولا یتکلم فیھا جزافا لمنصبه وحرمته ،ولیخش الله تعالی ویراقبه فانه امر عظیم لایتجاسر علیه الاکل جاھل شقی انتھی.

متاخرین کا قول نہ ہونے کی صورت میں مفتی کی

عہدۂ ذمہ داری!

اور اگر ان حضرات سے بھی اس مسئلہ کا صریح جواب منقول نہ ہو تو مفتی خود مسئلہ کے بارے میں اچھی طرح تأمل وتدبر واجتہاد کرے گا تاکہ مسئلہ کے جواب کے بارے میں اس شق کو پہنچ سکے جس کے ذریعے وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآں ہو سکے۔ اور اس مسئلہ کے بارے میں اپنے منصب اور اس کی حرمت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اٹکل پچو سے کام نہ لے، اور اللہ عزوجل سے ڈرے اور خوف کرے بلاشبہ فتوی دینا ایک بڑا کام ہے بغیر علم فتوی دینے کی جرأت ہر جاہل اور بد بخت ہی کرے گا۔ (۱) (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

(وفی) الخانیة :" وان کانت المسئلة فی غیر ظاهر الروایة ان کانت توافق اصول اصحابنا یعمل بها، فان لم یجد لها روایة عن اصحابنا واتفق فیها المتاخرون علی شیء یعمل به ،وان اختلفوا یجتهد ویفتی بما هو صواب عنده، وان کان المفتی مقلدا غیر مجتهد یأخذ بقول من هو افقه الناس عنده ویضیف الجواب الیه، فان کان افقه الناس عنده فی مصر آخر یرجع الیه بالکتاب ویکتب بالجواب ولا یجازف خوفا من الافتراء علی الله تعالی بتحریم الحلال وضده" انتهی.

فتاوی خانیہ میں ہے: "اگر وہ مسئلہ ظاهر الروایة کے علاوہ دیگر کتب میں موجود ہو تو اگر وہ مسئلہ ہمارے ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے اصول کے موافق ہے تو اسی پر عمل کیا جائے گا اور اگر مسئلہ کے بارے میں ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام سے کوئی روایت منقول نہ ہو تو پھر جس رائے پر اکثر متاخرین علماء کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام متفق ہوں اس پر عمل کیا جائے گا۔ اگر متاخرین علماء کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہو تو مفتی خود اجتہاد کرے گا اور اس قول کے مطابق فتوی دے گا جو اس کے نزدیک درست ہو۔ اگر مفتی مقلد ہے مجتہد نہیں ہے تو اس صورت میں وہ اُس مفتی کا قول لے گا جو اس کے نزدیک افقہ ہے اور اسی کی طرف جواب منسوب کرے گا۔ اگر مقلد مفتی کے نزدیک افقہ مفتی کسی دوسرے شہر میں ہو تو خط لکھ کر اس سے رجوع کرے گا اور اس کا جواب لکھے حلال کو حرام بنا کر یا اس کے برعکس کلام کر کے اللہ عزوجل پر جھوٹ باندھنے سے ڈرتے ہوئے بے تکی بات نہ کرے

ضمنی فائدہ

(۱) بے تحقیق مسئلہ کا جواب دینا حرام ہے۔ (فتاوی رضویه مخرجه، ج۱٤، ص٦١٢)۔

لابد للافتاء من نص صريح

قلت: وان كان المفتى مقلدا غير مجتهد...... الخ يفيد ان المقلد المحض ليس له ان يفتى فيما لم يجد فيه نصا عن احد ويؤيده مافى البحر عن التاترخانية :"وان اختلف المتأخرون اخذبقول واحد، فلو لم يجد من المتاخرين يجتهد برأيه اذا كان يعرف وجوه الفقه ويشاور اهله"......[1] انتهى.

فقوله اذا كان يعرف ...... الخ: دليل على ان من لم يعرف ذلك بل قرأ كتابا او اكثر وفهمه وصار له اهلية المراجعة والوقوف على موضع الحادثة من كتاب مشهور معتمد اذا لم يجد تلك الحادثة فى كتاب ليس له ان يفتى فيها برأيه بل عليه ان يقول لاادرى كما قال من هو اجل منه قدرا من مجتهدى الصحابة ومن بعدهم بل من ايد بالوحى ﷺ والغالب ان عدم وجدانه النص لقلة اطلاعه او عدم معرفته بموضع المسئلة المذكورة فيه اذ قل ماتقع حادثة الا ولها ذكر فى كتب المذهب اما بعينهااو بذكر قاعدة كلية تشملها.

نص صریح سے فتوی دینا ضروری ہے

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں قاضی خان کا قول "وان كان المفتى مقلدا غير مجتهد" یعنی مفتی مقلد ہو مجتہد نہ...... الخ" اس قول سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ مقلد محض کے لئے اس بارے میں فتوی دینا جائز نہیں، جس کی صراحت اس نے کسی فقیہ کے حوالے سے نہ پائی ہو، اس قول کی تائید تتار خانیہ کی وہ عبارت بھی کرتی ہے جو بحر الرائق میں نقل کی گئی ہے۔

"اور اگر اس مسئلہ میں متاخرین کا اختلاف ہو تو ان میں سے کسی ایک کے قول کو اخذ کرے، اور اگر متاخرین میں سے کسی کا بھی اس مسئلہ میں اجتہاد نہ پائے تو خود اجتہاد کرے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ فقہ کی وجوہات کو جانتا ہو اور چاہئے کہ اس منصب کے اہلیان سے مشورہ بھی کرلے"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

بحر الرائق کا قول "جب کہ وہ فقہ کی وجوہ کی معرفت رکھتا ہو...... الخ، یہ اس بات کی

دلیل ہے۔جو شخص مذکورہ معرفت نہ رکھتا ہو بلکہ اس نے چند یا زائد کتابیں پڑھ کر سمجھ لی ہوں اور اس میں کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی، مشورہ اور معتمد کتاب سے مسئلہ کے مقام تک پہنچنے کی صلاحیت ہو، تو ایسا شخص جب یہ مسئلہ کسی کتاب میں نہ پاسکے تو ایسی صورت میں اس کے لیے اپنی رائے سے فتوی دینا جائز نہیں (۱) بلکہ اس پر لازم ہے کہہ دے میں نہیں جانتا، جیسا کہ یہ بات اس سے کہیں زیادہ جلیل القدر ہستیوں نے کہی ہے، جیسا کہ مجتہد صحابہ کرام اور تابعین عظام علیہم الرحمۃ بلکہ یہ بات اس ذات عالی (یعنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمائی ہے جن کی تائید بذریعہ وحی کی گئی ہے۔(۲) ظن غالب یہ ہے کہ ایسے شخص کا نص کو نہ پاسکنے کا سبب اس کی کم علمی یا مذکورہ مسئلہ کے مقام سے ناواقفیت ہوتی ہے، کیونکہ کم ہی ایسا ہوا ہے کہ کوئی مسئلہ در پیش آیا مگر یہ کہ اس کا ذکر مذہب کی کتب میں نہ ہو یہ ذکر یا تو بعینہ ہوتا ہے یا کتب میں کوئی قاعدہ کلیہ مذکور ہوتا ہے جو اسے بھی شامل ہوتا ہے۔

ضمنی فوائد

۱:...... تتار خانیہ، مقدمۃ الکتاب، ج ۱، ص ۶۱۔

(۱) مفتی مقلد کی بحث تو کیا حجت ہوگی، امام ابن ہمام جو کہ رتبہ اجتہاد کو فائز ہیں ان کی بحث بھی منقولہ مذہب کے خلاف ہو تو معتبر نہیں، اعلی حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں: اسی طرح "جنایات الحج" میں نکاح الرقیق میں علامہ نور الدین علی مقدسی سے ہے: امام ابنِ ہمام رتبہ اجتہاد تک پہنچے ہوئے ہیں اگر چہ ان کی بحث مذہب پر فائق نہیں ہے۔ "طحطاوی" "باب العدۃ" میں ہے: نقل ہی کا اتباع ہے تو مسئلہ کے منقول ہوتے ہوئے بحث کا اعتبار نہ ہوگا۔

(فتاوی رضویہ مخرجہ: ج:۹، ص:۳۶۵، ۳۶۴)

ایک دوسرے مقام پر اعلی حضرت فاضل بریلوی مقلدِ محض جو کسی طبقہ اجتہاد میں سے نہ ہو اس کے بارے میں فرماتے ہیں: مقلّدین صرف کہ کسی طبقہ اجتہاد میں نہ خود اپنی بحث پر حکم لگا سکتے ہیں نہ دوسرے پر ان کی بحث حجت ہو سکتی ہے. والا لکان تقلید مقلد وھو باطل اجماعا. (ورنہ یہ تقلید مقلد ہوگی اور تقلیدِ مقلّد اجماعا باطل ہے)۔

(فتاوی رضویہ مخرجہ: ج:۸، ص:۴۱۹)

(۲) ماقبل بحث سے ایک بات جو واضح طور پر سامنے آئی کہ فتوی لکھنے میں مکمل احتیاط کرنی ہوگی

۔ایسا نہ ہو کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا بیٹھے۔ پتہ چلا کہ فتوی نویسی بڑا نازک کام ہے۔ انسان ہر وقت اللہ عزوجل سے خوف زدہ رہے اور جب فتوی دینے کی نوبت آئے تو احتیاط، احتیاط اور بس احتیاط کا دامن ہاتھ سے نا جانے دے۔ ہمارے اسلاف کی سوچ کیسی پاکیزہ ہوا کرتی تھی اور وہ کتنی احتیاط فرمایا کرتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ امام **شافعی** علیہ رحمۃ اللہ الکافی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ علیہ الرحمۃ خاموش رہے (حالانکہ امام کی حیثیت رکھتے تھے)، ان سے عرض کی گئی کہ آپ علیہ الرحمۃ جواب کیوں نہیں دیتے؟ اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے، جواباً فرمایا: ''میں نہیں جانتا، خاموشی بہتر ہے''۔ **ابی بکر اثرم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے روایت ہے کہ میں نے امام **احمد بن حنبل** علیہ الرحمۃ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو آپ علیہ الرحمۃ اکثر کے جواب میں لا ادری فرماتے رہے، اور راوی سے اس موضوع کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ **الھیثم بن جمیل** علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں **مالک بن انس** علیہ الرحمۃ کے پاس حاضر ہوا، ان سے اڑتالیس مسائل کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں سے انہوں نے بتیس سوالات کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ لاادری۔ امام **مالک** علیہ الرحمۃ ہی کے بارے میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ ان سے پچاس سوالات کئے گئے جس میں سے انہوں نے ایک کا جواب دیا، آپ علیہ الرحمۃ فرماتے کہ جو کوئی شخص کسی مسئلے کا جواب دے اس سے پہلے وہ یہ تصور کرلے کہ اس کے نفس کو جنت یا جہنم پر پیش کیا گیا ہے، پس آخرت میں خلاصی والا معاملہ کیسے ہوگا؟ پھر مسئلہ کا جواب دے۔ انہی کے بارے میں ملتا ہے کہ ان سے مسئلہ پوچھا گیا، فرمایا **لاادری**، ان سے کہا گیا: یہ تو نہایت ہلکا و آسان مسئلہ ہے؟ آپ علیہ الرحمۃ غصہ میں آگئے اور فرمایا: علم میں کوئی بات ہلکی و بھاری نہیں ہوتی، میں نے اللہ جل جلالہ کا فرمان سنا ہے ﴿**انا سنلقی علیک قولا ثقیلا**﴾۔

(آدب المفتی والمستفتی، ص ۱۲)

﴿حکم الافتاء بالنظیر والقواعد﴾

ولا یکتفی بوجود نظیرھا مما یقاربھا فانه لایأمن ان یکون بین حادثته وما وجده فرق، لا یصل الیه فهمه ،فکم من مسئلة فرقوا بینها وبین نظیرتها حتی ألفوا کتب الفروق لذلک، ولو وکل الامر الی افهامنا لم ندرک الفرق بینهما

بل قال العلامة ابن نجيم في الفوائد الزينية:" لايحل الافتاء من القواعد والضوابط وانما على المفتي حكاية النقل الصريح كما صرحوا به" انتهى. وقال ايضا :"ان المقرر في الاربعة المذاهب ان قواعد الفقه اكثر لا كلية" انتهى. نقله البيري فعلى من لم يجد نقلا صريحا ان يتوقف في الجواب او يسأل من هو اعلم منه ولو في بلدة اخرى كما يعلم ممانقلناه عن الخانية وفي الظهيرية وان لم يكن من اهل الاجتهاد لايحل له ان يفتي الا بطريق الحكاية فيحكي ما يحفظ من اقوال الفقهاء انتهى. **نعم** قد توجد حوادث عرفية غير مخالفة للنصوص الشرعية فيفتي المفتي بها، كماسنذكره آخر المنظومة.

نظائر وقواعد کی روشنی میں فتوی دینا

مسئلہ سے ملتی جلتی نظیر مل جانے پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ موجودہ مسئلہ اوراس کی نظیر کے مابین کوئی ایسا فرق ہو جس تک اس کے ذہن کی رسائی نہ ہوسکی ہو، کتنے ہی ایسے مسائل ہیں جن میں علماء نے ان کی نظیروں کو بیان کر کے دونوں میں موجود فرق بیان کیا ہے۔حتی کہ اس موضوع پر کتب فروق تصنیف کی گئی ہیں (۱)۔ اگر یہ معاملہ ہماری عقل کے سپرد کیا جاتا تو ہم ان کے مابین فرق نہ کر پاتے۔ بلکہ علامہ ابن نجیم نے الفوائد الزینیۃ میں فرمایا:''قواعد وضوابط کو دیکھ کرفتوی دینا حلال نہیں ہے مفتی پر فقط مشائخ کی تصریح کے مطابق صریح قول نقل کرنا چاہئے جیسا کہ اس بات کی صراحت مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے کردی ہے''۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ نے مزید فرمایا:''مذہب اربعہ میں یہ بات ثابت ہے کہ قواعد فقہ اکثریہ ہیں کلیہ نہیں'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔اس کو علامہ بیری علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے نقل کیا:''جو شخص کسی مسئلہ کے بارے میں صریح نقل نہ پائے اس پر لازم ہے کہ وہ جواب دینے میں توقف کرے یا اپنے سے بڑے عالم سے اس مسئلہ کا جواب دریافت کرے، اگرچہ وہ دوسرے شہر میں رہتا ہو جیسا کہ خانیہ کے حوالے سے نقل کردہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے''۔فتاوی ظہیریہ میں ہے:''اگر مفتی مجتہد نہ ہوتو اس کے لیے فتوی دینا حلال نہیں ہے مگر بطریق نقل، پس غیر مجتہد مفتی مسئلہ سے متعلق فقہاء کے جواقوال اسے یاد ہوں انہیں نقل کردے''۔(ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ہاں بسااوقات عرف سے متعلق مسائل درپیش آتے ہیں جونصوص شرعیہ کے مخالف

نہیں ہوتے، لہذا غیر مجتہد مفتی بھی ان کے بارے میں فتوی دے سکتا ہے جیسا کہ ہم اس بات کو نظم کے آخر میں ذکر کریں گے۔

ضمنی فائدہ

(ا) کتب فروق میں ان مسائل میں موجود فرق کی نشاندہی کی جاتی ہے جو بظاہر مشابہ ہونے کے باوجود حکم میں مختلف ہوتے ہیں۔ یہ فرق بسا اوقات اتنا باریک ہوتا ہے جس کی معرفت عام شخص کو تو کجا عالمِ دین کو بھی بغیر غور وفکر اور فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام کی تحقیقات کو سامنے رکھے نہیں ہو پاتی ۔اس کی کئی مثالیں کتب فروق میں ہیں۔ ہم بالاختصار ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ حضراتِ علماء بخوبی جانتے ہیں کہ وضو میں نیت کرنا سنت ہے، جب کہ تیمّم میں نیت کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ بظاہر دونوں یکساں ہیں کہ دونوں عبادت کے جائز ہونے کا سبب ہیں، لیکن بہر حال فقہائے کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے دونوں کے مابین فرق بیان کیا ہے۔ علامہ شامی بیان کرتے ہیں: قلت : وتقدم في الوضوء انه يكتفى نية الوضوء ،فما الفرق بينه وبين نية التيمم ؟ تأمل ،ولعل وجه الفرق انه لما كان بدلا عن الوضوء او عن آلته على ما مر من الخلاف ولم يكن مطهرا فى نفسه بطريق البدلية لم يصح ان يجعل مقصودا ،بخلاف الوضوء فانه طهارة اصلية۔

(ردالمحتار على الدرالمختار ،كتاب الطهارة ،باب التيمم ،ج ١، ص ٤١٦)

☆......وههنا ضوابط محررة غدت لدى اهل النهى مقررة .

اور یہاں کچھ واضح قواعد کا بیان ہے جو دانش مندوں کے نزدیک ثابت ہیں۔

☆...... في كل ابواب العبادات رجح قول الامام مطلقا مالم تصح .

عبادات کے تمام ہی ابواب میں مطلقا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کو ترجیح دی گئی ہے جب کہ بطریق تصحیح شدہ نہ ہو۔

☆...... عنه رواية بها الغير اخذ مثل تيمم لمن تمرا نبذ.

ان سے کوئی روایت جسے کسی دوسرے امام نے لیا ہو، جیسے اس شخص کا تیمّم کرنا جس نے کھجوروں کو پانی میں بھگو رکھا ہو۔

☆...... وكل فرع بالقضاء تعلقا قول ابی یوسف فیه ینتقی.

اور ہر وہ مسئلہ جو قضاء سے متعلق ہو اس میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول کو اختیار کیا جائے گا۔

☆...... وفی مسائل ذوی الارحام قد افتوا بما یقوله محمد.

اور ذوی الارحام کے مسائل میں بلاشبہ فقہاء نے امام محمد علیہ الرحمۃ کے قول پر فتوی دیا ہے۔

☆...... ورجحوا استحسانهم علی القیاس الا مسائل ومافیها التباس.

اور علماء نے مجتہدین کے استحسان کو قیاس پر ترجیح دی ہے سوائے چند مسائل کے، اور ان مسائل میں کوئی التباس نہیں ہے۔

☆...... وظاهر المروی لیس یعدل عنه الی خلافه اذ ینقل.

اور ظاهر الروایۃ کے مطابق قول منقول ہو اس کے برخلاف نہیں کیا جائے گا۔

☆...... لاینبغی العدول عن درایة اذا اتی بوفقها روایة

درایت سے عدول نہیں کرنا چاہئے جب کہ روایت بھی اس کے موافق آجائے۔

☆...... وكل قول جاء ینفی الكفرا عن مسلم ولو ضعیفاً احری

اور ہر وہ قول جو مسلم سے کفر کی نفی کرتے ہوئے آئے، اگرچہ ضعیف ہو زیادہ قبول کرنے کے لائق ہے

☆...... وكل مارجع عنه المجتهد صار كمنسوخ فغیره اعتمد.

اور ہر وہ قول جس سے مجتہد نے رجوع کرلیا ہو وہ منسوخ کی مانند ہے اور اس کے مقابل دوسرا قول قابلِ اعتماد ہے۔

☆...... وكل قول فی المتون اثبتا فذاك ترجیح له ضمنا اتی.

اور ہر وہ قول جو متون میں ذکر کیا گیا ہے پس یہی ذکر کرنا اس کی ضمنی ترجیح ہے۔

☆...... فرجحت علی الشروح والشروح علی الفتاوی القدم من ذات رجوح.

پس متون کو شروحات اور شروحات کو متقدمین کے فتاوی پر اصحابِ ترجیح کی طرف سے ترجیح دی گئی ہے

☆...... مالم یكن سواه لفظا صححا فالارجح الذی به قد صرحا.

جب کہ متون کے ماسوا قول کے ساتھ الفاظِ تصحیح میں سے کوئی نہ ہو ورنہ راجح قول وہی ہوگا جس کی صراحۃً تصحیح کی گئی ہو۔

جمعت فی هذه الابیات قواعد ذكروها مفرقة فی الكتب وجعلوها علامة

على المرجح من الاقوال .

میں (علامہ شامی) نے اشعار میں ان قواعد کو جمع کیا ہے جنہیں علماء نے اپنی کتب میں علیحدہ علیحدہ بیان کیا تھا، علماء نے ان قواعد کو راجح قول کی علامت قرار دیا ہے۔

الفتوى على قول الامام فى العبادات

(الاولى) مافى شرح المنية للبرهان ابراهيم الحلبى من فصل التيمم حيث قال: "فلله در الامام الاعظم ما أدق نظره وما أسد فكره والا ما جعل العلماء الفتوى على قوله فى العبادات مطلقا وهو الواقع بالاستقراء مالم يكن عنه رواية كقول المخالف كما فى طهارة الماء المستعمل والتيمم فقط عند عدم غير نبيذ التمر".

عبادات کے معاملے میں امام اعظم کے قول پر فتوی ہوگا!

پہلا قاعدہ...... برھان الدین ابراہیم حلبی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے شرح المنیۃ کی فصل التیمم میں ذکر کیا ہے، آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔"امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کیسے دقیق النظر اور صاحب الرائے تھے، یہی وجہ ہے کہ عبادات میں علماء نے مطلقا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے()۔ مختلف کتب کے تتبع سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے، جب کہ ان سے کوئی ایسی روایت منقول نہ ہو جو مخالف کے قول کی مثل ہو جیسا کہ مستعمل پانی کی طہارت، اور نبیذ تمر کے سوا دوسرا پانی موجود نہ ہونے کی صورت میں فقط تیمم کرنے کے مسئلہ میں ہے۔

ضمنی فوائد

(ا)وفى ردالمحتار : (ويقدم التيمم على نبيذ التمر) اعلم انه روى فى النبيذ عن الامام ثلاث روايات :

☆...... وهو قوله الاول انه يتوضأ به ويستحب ان يضيف اليه التيمم ☆...... الجمع بينهما كسؤر الحمار، وبه قال محمد، ورجحه فى غاية البيان . ☆...... التيمم فقط، وهو قول الاخير ، وقد رجع اليه ، وبه قال ابويوسف والآئمة الثلاثة

واختاره الطحاوی ،وهو المذهب المصحح المختار المعتمد عندنا بحر۔
(ردالمحتار علی درمختار ، کتاب الطهارة ،باب المیاه ،ج ۱،ص ۳۸۸)

اسی طرح کنویں کے مسائل کے حوالے سے **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم ہی کے قول پر اعتماد ہے، کہ عبادات کے معاملے میں **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول ہی کو ترجیح ہوتی ہے۔

ہدایۃ میں ہے:ومسائل الآبار مبنية علی اتباع الآثار دون القیاس فان وقعت فیها بعرة او بعرتان من بعر الابل او الغنم :لم تفسد الماء استحساناً، والقیاس: ان تفسده ،لوقوع النجاسة فی الماء القلیل وجه الاستحسان :ان آبار الفلوات لیست لها رؤوس حاجزة ،والمواشی تبعر حولها، فتلقیها الریح فیها، فجعل القلیل عفوا للضرورة ،ولا ضرورة فی کثیر، وهو مایستکثره الناظر الیه فی المروی عن ابی حنیفة علیه الرحمة ،وعلیه الاعتماد ۔(هدایة مع بدایة المبتدی ،کتاب الطهارة ،باب الماء الذی یجوز به الوضوء ومالا یجوز ،ج ۱، ص ٦٦)۔

الفتوی علی قول ابی یوسف فی القضاء

(الثانیة) مافی البحر قبیل فصل الحبس قال: "وفی القنیة من باب المفتی الفتوی علی قول ابی یوسف فیما یتعلق بالقضاء لزیادة تجربته و کذا فی البزازیة من القضاء"......[1]...... انتهی.

ای لحصول زیادة العلم له بتجربته ولهذا رجع ابو حنیفة عن القول بان الصدقة افضل من حج التطوع لما حج وعرف مشقته ،زاد فی شرح البیری علی الاشباه:" ان الفتوی علی قول ابی یوسف ایضا فی الشهادات "قلت: لکن هی من توابع القضاء.

(و)**فی البحر** من کتاب الدعوی:" لوسکت المدعی علیه ولم یجب ینزله منکرا عندهما اما عند ابی یوسف فیحبس الی ان یجیب کما قال الامام السرخسی...... والفتوی علی قول ابی یوسف فیما یتعلق بالقضاء کما فی القنیة والبزازیة فلذا افتیت بانه یحبس الی ان یجیب......[2]......".

قضاء سے متعلق امور میں امام ابویوسف کے قول پر فتوی ھے

دوسرا قاعدہ...... جسے علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ نے بحر الرائق کی فصل الحبس سے کچھ پہلے ذکر کیا، آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ''قنیۃ، باب المفتی میں ہے قضاء سے متعلق امور میں امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے قول پر فتوی ہے کیونکہ آپ علیہ الرحمۃ کو قضاء سے متعلق امور کا زیادہ تجربہ تھا''۔ایسا ہی فتاوی بزازیہ کی کتاب القضاء میں ہے۔

مراد یہ ہے کہ عہدہ قضاء پر فائز ہونے کی وجہ سے امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کو قضاء سے متعلق زیادہ علم تھا اسی بناء پر باب القضاء میں آپ علیہ الرحمۃ کے قول پر فتوی دیا جائے گا، اسی تجربہ اور علم کی زیادتی کی بناء پر امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم نے اپنے اس قول سے کہ ''صدقہ کرنا نفلی حج سے افضل ہے'' سے اس وقت رجوع کرلیا جب آپ علیہ الرحمۃ نے حج کی سعادت حاصل کی اور اس راہ میں آنے والی مشقتوں کو جان لیا۔ شرح بیری میں ہے ''شہادات کے باب میں بھی فتوی امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے قول پر ہے''۔میں (علامہ شامی) کہتا ہوں اسے الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ شہادت قضاء کے تابع ہے۔

بحر الرائق، کتاب الدعوی میں ہے: ''اگر مدعی علیہ سکوت اختیار کرلے اور جواب نہ دے، تو طرفین کے نزدیک اسے منکر قرار دیا جائے گا۔ امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کا موقف یہ ہے کہ سکوت اختیار کرنے کی صورت میں مدعی علیہ کو قید کردیا جائیگا حتی کہ وہ جواب دے''، جیسا کہ امام سرخسی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے فرمایا کہ ''قضاء سے متعلق امور میں فتوی امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے قول پر ہے''۔(۱) ایسا ہی قنیۃ اور بزازیہ میں ہے۔اسی بناء پر میں (علامہ شامی) نے بھی یہی فتوی دیا ہے کہ اگر مدعی علیہ خاموشی اختیار کرلے تو اسے قید میں ڈال دیا جائے گا حتی کہ وہ جواب دینے پر آمادہ ہوجائے۔

ضمنی فوائد

(۱) امور قضاء میں امام ابویوسف کے قول پر فتوی دیا جائے

۱...... البحر الرائق، کتاب القضاء، فصل یجوز تقلید من شاء من المجتھدین، ج۶، ص ۴۰۶۔

۲...... البحر الرائق، کتاب الدعوی، ج۸، ص ۲۸۸۔

ہم بطورِ استشہاد چند مسائل ذکر کرتے ہیں جن سے واضح ہوجائے گا کہ بالعموم قضاء کے مسئلے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا قول معتبر ہے۔

مسئلہ: اگر مجتہد قاضی اپنے مذہب کے مخالف بھول کر فیصلہ سنائے یا جان بوجھ کر، اس بارے میں کس کے قول پر فتوی دیا جائے گا؟ چونکہ اس مسئلہ کا تعلق مسائل قضاء سے ہے لہذا امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول پر فتوی ہے اور اس مسئلے میں امام محمد علیہ الرحمۃ بھی امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے ساتھ ہیں

وفی الھدایۃ : ولو قضی فی المجتھد فیہ مخالفا لرأیہ ناسیا لمذھبہ :نفذ عند ابی حنیفۃ علیہ الرحمۃ ،وان کان عامداً :ففیہ روایتان ،ووجہ النفاذ : انہ لیس بخطاء بیقین ،وعندھما لا ینفذ فی الوجھین ،لانہ قضی بماھو خطاء عندہ ،وعلیہ الفتوی

(ھدایۃ مع بدایۃ المبتدی ،کتاب ادب القاضی ،باب القاضی الی القاضی ،ج ۵، ص ۳٦٤)۔

قاضی اگر کوئی مسئلہ دوسرے قاضی کو بصورتِ خط بھیجتا ہے تو اس کی صورت کیا بنے گی؟

اس میں فقہائے احناف کا اختلاف ہے۔امامِ اعظم اور امامِ محمد کا نظریہ یہ ہے کہ اپنی تحریر اولاً حاضرین کو سنائے اور پھر سب کے سامنے اسے بند کرکے مہر لگائے۔جبکہ امام ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ قاضی کو سب کے سامنے خط پڑھنے اور بند کرکے مہر لگانی کی ضرورت نہیں ہے۔اس مسئلہ کا تعلق قضاء سے ہے اور مسائلِ قضاء میں چونکہ سب سے زیادہ تجربہ امامِ ثانی کو ہے لہذا فتوی انہی کے قول پر ہوگا۔صاحبِ ھدایہ فرماتے ہیں:قال ویجب ان یقراء الکتاب علیھم ،لیعرفوا ما فیہ ،او یعلمھم بہ ،لامہ لا شھادۃ بدون العلم ،ثم ...... وقال ابو یوسف علیہ الرحمۃ آخرا ،ولیس شیء من ذلک بشرط۔ (المرجع السابق ،ص ۳۵۹)

والفتوی علی قول محمد فی القسمۃ

(الثالثۃ) مافی متن الملتقی وغیرہ فی مسئلۃ القسمۃ علی ذوی الارحام :"وبقول محمد یفتی". **قال** فی سکب الانھر:" ای فی جمیع توریث ذوی الارحام وھو اشھر الروایتین عن الامام ابی حنیفۃ وبہ یفتی". **کذا** قالہ الشیخ سراج الدین فی شرح فرائضہ . **وقال** فی الکافی:" وقول محمد اشھر الروایتین عن ابی حنیفۃ فی جمیع ذوی الارحام وعلیہ الفتوی".

قسامت کے مسائل میں فتوی امام محمد کے قول پر ھے

تیسرا قاعدہ...... ملتقی الابحر وغیرہ متون میں ذوی الارحام کے حوالے سے مال تقسیم کرنے کے مسئلہ سے متعلق فرمایا: "یہاں امام محمد علیہ الرحمۃ کے قول پر فتوی دیا جائے گا"۔(۱) سکب الانھر میں ہے: "ذوی الارحام کو وارث بنانے کے تمام ہی مسائل میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی دو میں زیادہ مشہور روایت کے مطابق فتوی دیا جائیگا"۔ جیسا کہ اس بات کو شیخ سراج الدین علیہ رحمۃ اللہ المبین نے اپنی شرح فرائض میں بیان کیا۔ اور کافی میں فرمایا: "تمام ہی ذوی الارحام کو وارث بنانے کے باب میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے منقول دو روایتوں میں سے جو زیادہ مشہور روایت ہے وہی امام محمد علیہ الرحمۃ کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے"۔

ضمنی فائدہ

(۱) فاضل بریلوی فرماتے ہیں: (مسائلِ ذوی الارحام میں) اصل فتوی قولِ امام محمد علیہ الرحمۃ پر ہے فقیر کا اسی پر عمل ہے، مگر اس کے استخراج میں قدرے دشواری ہوتی ہے، لہٰذا بعض مشائخ نے بغرضِ آسانی قولِ امام ثانی علیہ الرحمۃ پر فتوی دیا۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ: ج:۲۶، ص:۳۵۶)

الاستحسان راجح علی القیاس

(الرابعة) مافی عامة الکتب من انه اذا کان فی مسئلة قیاس واستحسان، ترجح الاستحسان علی القیاس الا فی مسائل وھی احدی عشرة مسئلة علی مافی اجناس الناطفی وذکرھا العلامة ابن نجیم فی شرحه علی المنار، ثم ذکر ان نجم الدین النسفی اوصلھا الی اثنتین وعشرین وذکر قبله عن التلویح ان الصحیح ان معنی الرجحان ھنا تعین العمل بالراجح، وترک العمل بالمرجوح ،وظاھر کلام فخر الاسلام انه الاولویة حتی یجوز العمل بالمرجوح .

استحسان قیاس کے مقابلے میں راجح ھے!

چوتھا قاعدہ...... جو اکثر کتب میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں قیاس واستحسان جمع ہوجائیں تو استحسان کو قیاس پر ترجیح حاصل ہوگی (۱)، سوائے بعض مسائل کے، جن کی تعداد گیارہ ہے اسے ناطفی نے اجناس میں ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ نے اسے اپنی شرح

منار میں ذکر کیا ہے، پھر آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: نجم الدین نسفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے ان مسائل کی تعداد بائیس تک پہنچائی ہے۔اس سے ماقبل انہوں نے تلویح کے حوالے سے ذکر کیا کہ درست قول یہ ہے کہ یہاں رجحان کا معنی یہ ہے کہ اسی راجح پر عمل کرنا متعین ولازم ہے اور مرجوح پر عمل متروک ہے۔امام فخر الاسلام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں رجحان بمعنی اولویت ہے تو اس صورت میں مرجوح یعنی قیاس پر عمل کرنا بھی جائز ہوگا۔

ضمنی فوائد

(۱) قیاس کی لغوی وشرعی تعریف: فی اللغة التقدیر وفی الشرع تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلة یعنی لغوی اعتبار سے قیاس کے معنی اندازہ کرنا ہے، جب کہ شرعی لحاظ سے حکم اور علت میں اصل کے ذریعے فرع کا اندازہ کرنا قیاس کہلاتا ہے۔

(نور الانوار ،مبحث القیاس ،ص ۲۲۴)

صاحب توضیح قیاس کی تعریف یوں کرتے ہیں: ھو تعدیة الحکم من الاصل الی الفرع لعلة متحدة لا تدرک بمجرد اللغة یعنی اصل کا حکم کسی ایسی علت کی بناء پر فرع کی جانب متعدی کرنا جو دونوں (یعنی اصل وفرع) میں مشترک ہو، اس کا ادراک محض لغت سے نہ ہو سکے۔

(التوضیح مع التلویح ،مبحث القیاس ،ج۵، ص ۵۳۵)

استحسان کی تعریف: صاحب نورالانوار فرماتے ہیں "الاستحسان یکون بالاثر یعنی استحسان اثر (یعنی قرآن وسنت) میں (گہری نظر وفکر) سے حاصل ہونے والی چیز استحسان ہے۔اس کی تین قسمیں ہیں۔ استحسان بالنص، استحسان بالضرورة، استحسان بالقیاس خفی۔

/استحسان بالنص/ یہ ہے کہ بیع سلم ناجائز قرار دی جائے کہ معدوم کی بیع ہے مگر چونکہ حدیث میں اس کے جواز پر صراحت ہے لہذا قیاس کو ترک کر کے استحسان بالنص کو قبول کیا جائے گا۔

/استحسان بالضرورة/ عموم بلوی کی وجہ سے قیاس کو ترک کرنے کی ضرورت پڑے، جیسے کنویں میں کسی چیر پھاڑ کرنے والے درندے کی غلاظت گر جائے۔اب قیاس کے تقاضے کے تحت کنواں ناپاک مانا جاسکتا ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے قیاس خفی کا سہارا لیتے ہوئے پاک مانا جائے گا۔ بعض پرندے چیر پھاڑ کرنے والے ہوتے ہیں جنہیں ہم سباع الطیور کہتے ہیں۔ان کے جھوٹے کا کیا حکم ہے؟ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا جھوٹا ناپاک ہو جس طرح اور پرندوں کا ناپاک ہوتا ہے لیکن استحسان کا تقاضا یہ

ہے کہ ان پرندوں کا جھوٹا پاک مانا جائے۔ قیاس کی علت یہ ہے کہ تھوک کا تعلق گوشت سے ہوا کرتا ہے اور ان پرندوں کا گوشت ناپاک ہے لہذا ان کا جھوٹا بھی ناپاک مانا جائے۔ استحسان کی علت یہ ہے کہ چونکہ ان پرندوں کی چونچ ہوتی ہے جس کے ذریعے دانہ کھاتے ہیں اور چونچ کا گوشت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے لہذا ان کا جھوٹا پاک ہے۔ اب دونوں علتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ یہ ہوا کہ استحسان کو ترجیح حاصل ہوئی۔/ استحسان بالاجماع/کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قیاس کے تقاضے کے علاوہ علماء کا اجماع جیسے استصناع کا مسئلہ ہے، اب قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ جائز نہ ہولیکن یہ بیع بالمعدوم ہے لہذا اس کے جواز پر اجماع ہے جس کی وجہ سے قیاس کو ترک کردیں گے

(نورالانوار ،مبحث الاستحسان ملتقطا ،ص ۲۴۳)

ماقبل استحسان کی اقسام کے تحت وہ مثالیں پیش کی گئیں جن میں استحسان کو قیاس پر مقدم رکھا گیا ہے یعنی استحسان کی علت کو قیاس کی علت پر ترجیح دیتے ہوئے استحسان کو ترجیح دی گئی ہے۔

اب وہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں قیاس کو استحسان پر ترجیح دی گئی ہے۔

مثال نمبر ۱: کسی شخص نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی، پھر رکوع کے ذریعے سے سجدہ کرتا ہے، آیا اس کا سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟ استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا سجدہ ادا نہ ہو اس لئے کہ نماز کا اپنا سجدہ رکوع کرنے سے ادا نہیں ہوتا، قیاس یہ ہے کہ سجدہ تلاوت رکوع سے ادا ہو جائے گا اس لئے کہ سجدے کا مقصد تعظیم ہے اور تعظیم رکوع سے ادا ہو جاتی ہے۔

وفي البحر الرائق :وحاصله: على ماذهب اليه الاصوليون ان الركوع ينوب عن سجدة التلاوة قياساً لما فيه من معنى الخضوع ،ولاينوب استحساناً لانه خلاف المامور به ،وقدم القياس هنا على الاستحسان لقوة اثره الباطن ۔

(البحرالرائق ،کتاب الصلاة ،باب سجود التلاوة، ج۲،ص ۱۹۴)

مثال نمبر ۲: کسی مرنے والے شخص نے اپنی موت سے قبل اپنے مکان کے بارے یہ وصیت کی کہ یہ میرے مرنے کے بعد میرے پڑوسی کا ہے، اس کے پڑوسی ہونے کا اطلاق کس پر ہوگا؟ استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ محلے کی جامع مسجد میں جتنے بھی افراد ہوتے ہیں سب اس کے پڑوسی کہلائیں گے لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ اس مرنے والے شخص کے گھر سے متصل جو شخص رہتا ہے وہ اس کا پڑوسی کہلائے گا اور ترجیح قیاس کو ہے۔ وفي الهداية: ومن اوصى بجيرانه ،فهم الملاصقون

...... یسکن محلة الموصی ویجمعهم مسجد المحلة وهذا استحسانا وقوله القیاس (هدایة مع بدایة المبتدی ، کتاب الوصایا ، باب الوصیة للاقارب وغیرهم ، ج۸، ص ۳۸۱)

مثال نمبر۳: زید نے نماز کی دونوں رکعتوں میں دو آیات سجدہ تلاوت کیں، آیا اس پر دو سجدے واجب ہوئے یا ایک؟ **استحسان** کا تقاضا یہ ہے کہ دو ہی سجدہ واجب ہوں، **لیکن قیاس** یہ ہے کہ پوری نماز ایک ہی مجلس کہلاتی ہے لہذا ایک ہی سجدہ لازم ہوگا اور اسی **قیاسی قول کو ترجیح حاصل** ہے۔

وفی البحر الرائق : ولو تلاها خارج الصلاة فسجد واعادها فیها...... سجدة اخری کفته واحدة کمن کررها فی مجلس لا فی مجلسین ...... اما اذا کان کررها فی رکعتین فالقیاس ان تکفیه واحدة وهو قول ابی یوسف ...... الاستحسان ان یلزمه لکل تلاوة سجدة. (البحر الرائق ، کتاب الصلوة، باب سجود التلاوة، ج۲، ص ۱۹۶)

مثال نمبر۴: ایک شخص نے دوسرے کی زمین غصب کرلی، پھر زمین کسی طرح ہلاک ہوگئی، تو غاصب اصل مالک کو تاوان دے گا یا نہیں؟ **استحسان** کے مطابق غاصب ضامن ہونا چاہیے **لیکن قیاس** یہ کہتا ہے کہ ضامن نہ ہو اور **ترجیح قیاس** کو ہے۔

وفی الهدایة: واذا غصب عقارا فهلک فی یده لم یضمنه وهذا عند ابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد یضمنه (هدایة مع بدایة المبتدی ، کتاب الغصب ، ج۶، ص ۴۹۴)

مثال نمبر۵: کسی شخص کا اپنی بیوی سے برہنہ حالت میں یوں گلے لگنا کہ شرمگاہیں آپس میں ٹکرا جائیں اور مرد کے عضو میں تندی ہو تو کیا اس مباشرت فاحشہ سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟ **استحسان** کا تقاضا یہی ہے کہ ناقض وضو ہو **لیکن قیاس کو ترجیح حاصل** ہے اور **قیاس** یہ ہے کہ ناقض وضو نہ ہوگا۔

وفی التتارخانیه :واذا باشر امراته مباشرة فاحشة بتجرد وانتشار آلة وملاقاة الفرج بالفرج ففیه الوضوء فی قول ابی حنیفة وابی یوسف استحسانا...... وقال محمد لا وضوء علیه وهو القیاس ......وعلیه الفتوی ۔

(تتارخانیه ، کتاب الطهارة ، نوع آخر من هذا الفصل ، ج۱، ص ۱۰۸)۔

الفتوی علی ظاهر الروایة لا غیر

(الخامسة) ما فی قضاء البحر:" من ان ماخرج عن ظاهر الروایة فهو مرجوع

عنه والمرجوع عنه لم يبق قولا للمجتهد كما ذكروه ......[1] "انتهى. وقدمنا عن انفع الوسائل:" ان القاضى المقلد لايجوز له ان يحكم الابماهو ظاهر المذهب لا بالرواية الشاذة الا ان ينصوا على ان الفتوى عليها" انتهى. وفى قضاء الفوائت من البحر:" ان المسئلة اذا لم تذكر فى الظاهر الرواية وثبت فى رواية اخرى تعين المصير اليها......[2] " انتهى.

ظاہر الروایة کے علاوہ فتوی نہ دیا جائے!

پانچواں قاعدہ...... بحر الرائق، کتاب القضاء میں مذکور ہے:"جو اقوال ظاہر الروایة سے خارج ہیں وہ مرجوع عنہ ہیں اور مرجوع عنہ قول مجتہد کے قول کی حیثیت سے باقی نہیں رہتا جیسا کہ مشائخ نے اس بات کو ذکر کیا ہے" (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ انفع الوسائل کے حوالے سے ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے کہ:"مقلد قاضی کے لئے ظاہر الروایت ہی پر فیصلہ کرنا ضروری ہے، روایت شاذہ پر فیصلہ نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر فقہاء نے صراحت کر دی ہو تو روایت شاذہ پر بھی فیصلہ ہوسکتا ہے"۔

بحر الرائق، قضاء الفوائت میں ہے:"جب کہ مسئلہ ظاہر الروایة میں مذکور نہ ہو اور دوسری روایت میں ثابت ہو تو اسی دوسری روایت کی طرف رجوع کرنا متعین ہے"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)

ضمنی فوائد

[1]......البحرا لرائق، كتاب القضاء، فصل يحوز تقليد/من شاء من المقلدين، ج٦، ص ٣٨٨۔

[2]......البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت، ج٢، ص ١٣٩۔

حكم الدراية عند اختلاف الرواية

(السادسة) مافى شرح المنية فى بحث تعديل الاركان بعد ماذكر اختلاف الرواية عن الامام فى الطمانينة، هل هى سنة اوواجبة؟ وكذا القومة والجلسة ،قال: "وانت علمت ان مقتضى الدليل الوجوب كما قاله الشيخ كمال الدين(ابن همام) ولا ينبغى ان يعدل عن الدراية اذا وافقتها رواية "انتهى.

والدراية بالدال المهملة تستعمل بمعنى الدليل كمافى المستصفى ويؤيده

مافی آخر الحاوی القدسی، اذا اختلف الروایات عن ابی حنیفة فی مسئلة فالاولی بالأخذ اقواها حجة.

روایت کے اختلاف کی صورت میں درایت کا حکم!

چھٹا قاعدہ...... شرح منیة (شرح کبیری) میں تعدیل ارکان کی بحث میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی مختلف روایات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا "تعدیل ارکان یونہی قومہ، جلسہ واجب ہے یا سنت ہے؟ اس بحث سے آپ نے جان لیا کہ یہاں دلیل کا مقتضی وجوب ہے جیسا کہ شیخ کمال الدین ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے فرمایا اور درایت سے عدول نہیں کرنا چاہیے جب کہ روایت بھی اس کے موافق ہو" (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

لفظ درایت (بغیر نکتہ والی دال کے ساتھ مستعمل ہے) بمعنی دلیل استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کتاب المستصفی میں ہے۔ درایت بمعنی دلیل ہے اس کی تائید الحاوی القدسی کے آخر میں مذکور یہ عبارت بھی کرتی ہے جب کسی مسئلہ میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے منقول روایات مختلف ہوں تو اس روایت کو لینا اولی ہے جو باعتبار دلیل زیادہ قوی ہو۔

الاحتیاط فی مسئلة التکفیر

(السابعة) مافی البحر من باب المرتد نقلا عن الفتاوی الصغری:" الکفر شی عظیم فلا اجعل المؤمن کافرا متی وجدت روایة انه لایکفر......" انتھی ثم قال :"والذی تحرر انه لایفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن او کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة......الخ".

تکفیر کے مسئلہ میں احتیاط!

ساتواں قاعدہ...... بحر الرائق، باب المرتد میں فتاوی صغری کے حوالے سے ہے کہ "کفر بہت بڑی بلا ہے، میں کسی مومن کو کافر قرار نہیں دیتا جب کہ مجھے کوئی ایک ایسی روایت مل جائے جو عدم تکفیر کررہی ہو" (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ پھر آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: "ثابت ہو چکا کہ کسی مسلمان کے کفر کا فتوی نہیں دیا جائے گا جب کہ اس کے کلام کو درست معنی پر محمول کرنا ممکن ہو یا وہ کفر

اختلافی ہو، اگر چہ تکفیر کی روایت کے مقابل کوئی ضعیف روایت ہی کیوں نہ ہو(۱)"۔

ضمنی فائدہ

۱......البحر الرائق، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج۵، ص ۲۰۱۔

(۱) امام اہلسنت فاضل بریلوی فرماتے ہیں: "در مختار" میں ہے: الفاظ کفر کتب فقہ میں معروف ہیں بلکہ ان کے بیان میں مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں، اس کے ساتھ ہی یہ کہ ان میں سے کسی (قول) کی بناء پر فتوی کفر نہ دیا جائے گا مگر جہاں مشائخ کا اتفاق ثابت ہو۔ بحر الرائق میں فرمایا: میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا کہ ان میں کسی پر فتوی نہ دوں۔ تنویر الابصار میں ہے: کسی مسلمان کے کفر پر فتوی نہ دیا جائے۔ جبکہ اس کے کلام کو اچھے پہلو پر محمول کرنا ممکن ہو، یا کفر اختلافی ہو اگر ضعیف روایت ہی ہو۔ فتاوی شامی میں ہے: علامہ خیر الدین رملی نے فرمایا: اگر چہ وہ روایت دوسرے مذہب مثلاً شافعیہ یا مالکیہ کی ہو اس لیے کہ تکفیر کے لیے اس بات کے کفر ہونے پر اجماع شرط ہے۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ: ج:۹، ص:۹۴۳،۹۴۲)

القول المرجوح عنه بمنزلة المنسوخ

(الثامنة) مافی البحر مما قدمناه قریبا من "ان المرجوع عنه لم یبق مذهبا للمجتهد وح فیجب طلب القول الذی رجع الیه والعمل به لان الاول صار بمنزلة الحکم المنسوخ ......۱" وفی البحر ایضا عن التوشیح" ان مارجع عنه لا یجوز الاخذ به" ......۲ انتهی. وذکر فی شرح التحریر:" ان علم المتأخر فهو مذهبه ویکون الاول منسوخا والا حکی عنه قولان غیران یحکم علی احدهما بالرجوع ......۳".

مرجوح قول منسوخ کے مرتبے میں ہوتا ہے!

آٹھواں قاعدہ...... بحر الرائق میں ہے یہ قاعدہ پانچویں قاعدے سے قریبی تعلق رکھتا ہے "جس قول سے مجتہد نے رجوع کرلیا ہو وہ مجتہد کا مذہب نہیں رہتا، ایسی صورت میں اس قول کو تلاش کرنا لازم ہوتا ہے جس کی طرف مجتہد نے رجوع کیا ہے اور اسی قول پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے

کیونکہ اس صورت میں پہلا قول حکم کے اعتبار سے منسوخ کے درجے میں ہوتا ہے"۔ بحر الرائق میں التوشیح کے حوالے سے ہے "جس قول سے مجتہد رجوع کر لے اسے لینا نا جائز ہے"۔

شرح تحریر (التقریر والتحبیر) میں ہے کہ "اگر مجتہد کا قول متاخر معلوم ہو جائے تو اسی کو مذہب قرار دیا جائے گا اور پہلا قول منسوخ شمار ہوگا۔ اگر متاخر قول کا علم نہ ہو سکے تو بغیر رجوع کے حکم لگائے دونوں اقوال کو نقل کر دیا جائیگا"۔

ضمنی فوائد

۱...... بحر الرائق، کتاب القضاء، باب یجوز تقلید /من شاء من المجتهدین، ج۶، ص۳۸۸۔

۲...... ردالمحتار علی الدر المختار، مقدمة الکتاب، ج۱، ص ۱۶۶۔

۳......التقریر والتحبیر شرح التحریر، المقالة الثالثة: فی الاجتهاد وما یتبعه من التقلید و الافتاء، مسئلة :لا یصح فی مسئلة لمجتهد بل لعاقل فی وقت واحد قولان، ج۳، ص ۴۲۴۔

حکم ما فی المتون المعتبرة

(التاسعة) ماذکره العلامة قاسم فی تصحیحه :"ان مافی المتون مصحح تصحیحا التزامیا والتصحیح الصریح مقدم علی التصحیح الالتزامی، قلت: حاصله ان اصحاب المتون التزموا وضع القول الصحیح فیکون مافی غیرها مقابل الصحیح مالم یصرح بتصحیحه فیقدم علها لانه تصحیح صریح فیقدم علی التصحیح الالتزامی". وفی شهادات الخیریة فی جواب سوال:" المذهب الصحیح المفتی به الذی مشت علیه اصحاب المتون الموضوعة لنقل الصحیح من المذهب الذی هو ظاهر الروایة، ان شهادة الاعمی لاتصح".

کسی قول کا متون میں ہونا اس کے معتبر ہونے کی دلیل ہے!

نواں قاعدہ...... اسے علامہ قاسم علیہ الرحمۃ نے تصحیح القدوری میں ذکر کیا کہ "متون میں مذکور مسائل تصحیح شدہ ہیں اور ان کی تصحیح التزامی ہے اور قاعدہ یہ ہے صریح تصحیح، التزامی تصحیح پر مقدم ہے"۔ میں (علامہ شامی) کہتا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اصحاب متون نے اس بات کا

التزام کیا ہے کہ وہ اپنی کتب میں قول صحیح کو جگہ دیں۔ پس متون کے علاوہ دیگر کتب میں جو اقوال ہیں وہ صحیح کے مقابل ہوں گے بشرطیکہ مشائخ نے ان کی تصحیح کی صراحت نہ کی ہو ورنہ وہی مقدم ہوں گے کیونکہ یہ صریح تصحیح ہے، پس یہ التزامی تصحیح پر مقدم ہوگی۔

فتاوی خیریہ کتاب الشہادات میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا "صحیح مفتی بہ قول وہی ہے جس پر اصحاب متون چلتے ہیں کہ متون مذہب صحیح یعنی ظاهر الرواية کو نقل کرنے کیلئے وضع کئے گئے ہیں اور ظاهر الرواية یہ ہے کہ اندھے کی گواہی درست نہیں ہے"۔

الترتيب فی المتون وغيرها عند التعارض

ثم قال :وحيث علم ان القول هو الذی تواردت عليه المتون فهو المعتمد المعمول به اذ صرحوا بانه اذا تعارض مافی المتون و الفتاوی فالمعتمد مافی المتون وكذا يقدم ما فی الشروح علی مافی الفتاوی انتهی.

وفی فصل الحبس من البحر:" والعمل علی مافی المتون لانه اذا تعارض مافی المتون والفتاوی فالمعتمد مافی المتون كما فی انفع الوسائل وكذا يقدم ما فی الشروح علی ما فی الفتاوی......لـ......" انتهی.

ای لما صرح به فی انفع الوسائل ايضا فی مسئلة قسمة الوقف حيث قال:" لايفتی بنقول الفتاوی بل نقول الفتاوی انما يستأنس بها اذا لم يوجد مايعارضها من كتب الاصول ونقل المذهب امامع وجود غيرها لايلتفت اليها خصوصا اذالم يكن نص فيها علی الفتوی" اه.

(و)رأيت فی بعض كتب المتأخرين نقلا عن ايضاح الاستدلال علی ابطال الاستبدال لقاضی القضاة شمس الدين الحريری احدشراح الهداية ان صدر الدين سليمان قال:" ان هذه الفتاوی هی اختيارات المشايخ فلا تعارض كتب المذهب قال: وكذا كان يقول غيره من مشايخنا وبه اقول"انتهی.

تعارض کی صورت میں متون ،شروح اور فتاوی کی درجہ بندی!

پھر فرمایا ''جب جان لیا کہ قول وہی معتبر ہوتا ہے جس پر متون متفق ہوں، تو یہی قول معتمد اور معمول بہ ہے کیونکہ مشائخ نے تصریح کی ہے کہ جب متون اور فتاوی میں مذکور مسائل کے مابین تعارض ہو تو قابلِ اعتماد وہ قول ہوگا جو متون میں ہو(۱) اور اسی طرح جو باتیں شروحات میں مذکور ہیں وہ فتاوی پر مقدم ہونگی''۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

بحر الرائق ،فصل الحبس میں ہے: ''معتمد وہی قول ہے جو متون میں مذکور ہو کیونکہ جب متون اور شروحات میں مذکور مسائل کے مابین تعارض ہو تو معتمد وہی ہے جو متون میں ہو(۲) جیسا کہ **انفع الوسائل** میں ہے۔ یونہی شروحات میں مذکور قول فتاوی میں ذکر کردہ قول پر مقدم ہوتا ہے'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

مراد یہ ہے کہ اسی طرح **انفع الوسائل** میں وقف کی تقسیم کے مسئلہ میں اس بات کو یوں ذکر کیا: ''فتاوی کی نقول کے مطابق فتوی نہیں دیا جائیگا بلکہ فتاوی کی نقول کو صرف تقویت و تائید کے لئے پیش کیا جائے گا جب کہ کتب اصول میں مذکور قول اس کے معارض نہ ہو اور کتب اصول میں مسئلہ موجود ہونے کی صورت میں نقلِ مذہب کے لئے فتاوی کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا خصوصا جب کہ فتاوی میں اس بات کی صراحت بھی نہ ہو کہ اس قول پر فتوی ہے''۔

میں (علامہ شامی) نے بعض متاخرین علماء کی کتب میں دیکھا، انہوں شارح **ھدایہ** چیف جسٹس شمس الدین حریری علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی کتاب **ایضاح الاستدلال علی ابطال الاستبدال** کے حوالے سے نقل کیا کہ صدر الدین سلیمان علیہ رحمۃ اللہ الحنان نے فرمایا ''یہ فتاوی مشائخ کے اختیار کردہ ہیں، یہ کتبِ مذہب کے معارض نہیں بن سکتے، یہی بات ہمارے مشائخ نے بھی کہی ہے اور میں خود بھی اسی کا قائل ہوں'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فائدہ

......۱......البحر الرائق، کتاب القضاء ،فصل فی الحبس ،ج۶، ص ۴۱۰۔

(۱) اتفاقِ متون کی شان بیان کرتے ہوئے امام اہلسنت نے ارشاد فرمایا: اجماع متون جن کی عظمتِ مکان سب جانتے ہیں ان کا اطباق و اتفاق کیسا ہوگا؟ لہذا بارہا دیکھا گیا ہے کہ علماء نے شروح و فتاوی کی بعض صریح تصریحات صرف اس وجہ سے رد کردی ہیں کہ متون کے خلاف ہیں ۔درمختار کی کتاب القسمة میں ہے کہ ''قال فی الخانیه وعلیه الفتوی لکن المتون

علی الاول فعلیه المعول ''یعنی خانیہ میں فرمایا:''فتوی اسی پر ہے لیکن متون پہلے قول پر ہے تو اُسی پر اعتماد ہوگا''۔

دیکھو امام اجل قاضی خان جیسا مرجح (ترجیح دینے والا) اور علیه الفتوی سالفظِ ترجیح جسے علماء آکد الفاظِ تصحیح سے شمار کرتے ہیں، بایں ہمہ کہا گیا ہے کہ متون اول پر ہیں تو وہی معتمد ہے ،امام کے نزدیک عصبات کے بعد ولایتِ نکاح ماں کو ہے۔قہستانی نے شرح مختصر الوقایه میں لکھا کہ صاحبین کے نزدیک غیر عصبہ ولی نہیں ،اور یہی ایک روایت امام سے ہے ،پھر مضمرات شرح قدوری سے نقل کیا:وعلیه الفتوی یعنی اسی پر فتوی ہے،مگر محققین نے نہ مانا کہ خلاف متون ہے۔

بحر الرائق ونہر الفائق دونوں میں فرمایا:ماقیل من ان الفتوی علی الثانی غریب لمخالفته الموضوعة لبیان الفتوی اه یعنی جو کہا جاتا ہے کہ فتوی ثانی پر ہے یہ غریب ہے کیونکہ یہ متون کے مخالف ہے جو کہ فتوی کو بیان کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں اھ۔

علامہ شامی نے ردالمحتار میں اسے نقل کرکے مقرر رکھا،کنوئیں سے نجاست نکلے اور وقتِ وقوع نہ معلوم ہو تو امام ایک یا تین دن سے تجنیس مانتے ہیں (امام صاحب فرماتے ہیں کہ کنواں ایک یا تین دن سے ناپاک مانا جائے گا) اور صاحبین فرماتے ہیں (کہ جب نجاست نظر آئی تب سے ناپاک مانیں گے)۔صاحب محیط کہ ائمہ ترجیح سے ہیں دربارۂ وضو وغسل وعجین قولِ امام اور ان کے ماورا میں قولِ صاحبین اختیار کرتے اور وہ امام زیلعی علیہ رحمۃ اللہ القوی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں اسی تفصیل کو ھو الصحیح کہتے ہیں اور اسی پر بحر الرائق ومنح الغفار وتنویر الابصار میں جزم کیا،بایں ہمہ کہ علامہ شامی علیہ رحمۃ اللہ السامی رد کرتے اور عدمِ تسلیم کی پہلی وجہ یہی لکھتے ہیں کہ مخالف لاطلاق المتون قاطبة یعنی یہ تمام متون کے اطلاق کے مخالف ہے۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ ،ج۱۲،ص ۱۱۴ وغیرہ)۔

(۲) امام اہلسنت فاضل بریلوی فرماتے ہیں:متون کی تصریح تو بڑی بات ہے،یہ چیز مخفی نہیں کہ جو متون اور شروح میں ہو اگرچہ بطریقِ مفہوم ہی ہو وہ فتاوی میں مذکور پر مقدم ہے اگرچہ فتاوی کی عبارات میں اضطراب نہ بھی ہو۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ ،ج۱۲،ص۱۱۳)

المتون المعتبرة

(ثم) لایخفی ان المراد بالمتون المتون المعتبرة کالبدایة ومختصر القدوری والمختار والنقایة والوقایة والکنز والملتقٰی، فانها الموضوعة لنقل المذهب مما هو ظاهر الروایة بخلاف متن الغرر منلا خسرو ومتن التنویر للتمرتاشی الغزی فان فیهما کثیرا من مسائل الفتاوی.

متون معتبر ہوتا ہے!

پھر مخفی نہ رہے کہ متون سے مراد متون معتبرہ ہیں جیسا کہ البدایة، المختصر القدوری، المختار، النقایة، الوقایة، الکنز، الملتقٰی، یہ سب نقل مذہب یعنی ظاہر الروایة کو نقل کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں، برخلاف منلا خسرو کے متن الغرر اور علامہ تمرتاشی غزنوی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کے متن تنویر الابصار کے، پس بلاشبہ ان میں بہت سے مسائل فتاوی کے ہیں۔

☆...... وسابق الاقوال فی الخانیة وملتقی الابحر ذو مزیة.

فتاوی خانیہ اور ملتقی الابحر میں پہلے ذکر کردہ اقوال فضیلت رکھنے والے ہیں۔

☆...... وفی سواهما اعتمد ما اخروا دلیله لانه المحرر.

ان دو کتابوں کے ماسوا دیگر کتابوں میں علماء جس قول کی دلیل آخر میں ذکر کرتے ہیں وہ معتمد ہوتا ہے کیونکہ وہی قول تنقیح شدہ ہوتا ہے۔

☆...... کما هو العادة فی الهدایة ونحوها لراجح الدرایة.

جیسا کہ یہ ھدایۃ اور اس کی مثل دیگر کتب کی عادت ہے دلیل کے راجح ہونے کے سبب۔

☆...... کذا اذا ما واحدا قد عللوا له وتعلیل سواه اهملوا.

اور یونہی جب بھی مصنفین فقہاء کسی ایک قول کی علت بیان کریں اور اس کے علاوہ دوسرے قول کی علت کو ترک کردیں۔

اسلوب الترجیح فی قاضی خان وملتقی الابحر

ای ان اول الاقوال الواقعة فی فتاوی الامام قاضی خان له مزیة علی غیره فی

الرجحان لانه قال فی اول الفتاوی :"وفیما کثرت فیه الاقاویل من المتأخرین اقتصرت علی قول اوقولین وقدمت ما هوالاظهر وافتتحت بما هو الاشهر اجابة للطالبین وتیسیرا علی الراغبین......[1]" انتهی.

وکذا صاحب ملتقی الابحر التزم تقدیم القول المعتمد.

"قاضی خان" اور "ملتقی الابحر" کا ترجیح شدہ قول کے ذکر کرنے کا اسلوب!

خانیہ میں مذکور پہلے قول کو دیگر اقوال پر خاص ترجیح حاصل ہے کہ آپ علیہ الرحمۃ نے فتاوی کی ابتداء میں فرمایا: "جس مسئلہ کے بارے میں متاخرین کے کئی اقوال تھے میں نے ان میں سے ایک یا دو قول ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔اور اظہر قول کو مقدم ذکر کیا ہے۔طلباء کی خواہش کی تکمیل اور اس فن میں دلچسپی رکھنے والوں کی آسانی کے لئے مشہور قول کے ذکر سے ابتداء کی ہے"۔

"یونہی ملتقی الابحر نے معتمد قول کو مقدم کرنے کا التزام کیا ہے"۔

ضمنی فائدہ

[1]......فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندیة ،خطبة الکتاب، ج۱، ص ۲۔

اسلوب الترجیح فی الهدایة وغیرها

وما عداهما من الکتب التی تذکر فیها الاقوال بادلتها کالهدایة وشروحها وشروح الکنز وکافی النسفی والبدائع وغیرها من الکتب المبسوطة فقد جرت العادة فیها عند حکایة الاقوال انهم یؤخرون قول الامام ثم یذکرون دلیل کل قول ثم یذکرون دلیل الامام متضمناللجواب عما استدل به غیره وهذا ترجیح له الاان ینصوا علی ترجیح غیره .

(قال) شیخ الاسلام العلامة ابن شلبی فی فتاواه :"الاصل ان العمل علی قول ابی حنیفة ولذا ترجع المشایخ دلیله فی الاغلب علی دلیل من خالفه من اصحابه ویجیبون عما استدل به مخالفه وهذا امارة العمل بقوله وان لم یصرحوا بالفتوی علیه اذ الترجیح کصریح التصحیح "انتهی .

''ھدایۃ'' وغیرھا کتب میں ترجیح شدہ قول کو ذکر کرنے کا اسلوب!

اور ان کے سوا دیگر وہ کتب جن میں اقوال کو دلائل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے جیسے الھدایۃ اور اس کی شروحات(ا)، کنز الدقائق کی شروحات اور یونہی امام نسفی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی الکافی ،البدائع الصنائع وغیرہ۔ المبسوط کی شروح میں مصنفین کے اقوال کو نقل کرتے وقت طرز یہ ہوتا ہے کہ وہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کو آخر میں ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد اُس قول کی دلیل ذکر کرتے ہیں پھر امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی دلیل کو یوں ذکر کرتے ہیں کہ وہ دیگر آئمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے دلائل کے جواب کو بھی متضمن ہوتا ہے اور یہی طرز امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کی ترجیح ہے۔ الا یہ کہ وہ کسی دوسرے امام کے قول کی ترجیح کو صراحۃً بیان کردیں۔

شیخ الاسلام علامہ ابن شلبی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے اپنے فتاوی میں فرمایا:''اصل یہ ہے کہ عمل امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول پر ہے اور اسی بناء پر مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے اغلب مقامات پر آپ علیہ الرحمۃ کی دلیل کو آپ سے اختلاف کرنے والے شاگردوں کی دلیل پر راجح قرار دیا ہے ۔اور آپ علیہ الرحمۃ کے مخالفین کے دلائل کا جواب دیا ہے۔ یہ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول پر عمل کی نشانی ہے اگرچہ انہوں نے اس کی صراحت نہ کی ہو کہ فتوی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول پر ہے کیونکہ ترجیح گویا صریح تصحیح ہی ہے'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فوائد

(۱)ھدایہ کی عبارتوں سے مفتوی بہ قول کا جائزہ:

﴿۱﴾...... قال شعر الانسان وعظمه طاهر ،امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے نزدیک اس لئے نجس ہیں کہ قابل نفع چیز نہیں اور نہ ہی ان کی بیع جائز ہے۔اور ہمارے نزدیک ان کی بیع اور پھر اس بیع سے نفع ان کی تعظیم کی وجہ سے نہیں اٹھایا جاتا اور یہ بات ان کے نجس ہونے پر دلیل نہیں ہے۔

(هداية مع بداية المبتدی ، كتاب الطهارة ،باب الماء الذی يجوز به ،ج ۱، ص ٦٥)

﴿۲﴾...... اینٹ بنانے کے حوالے سے کہ جب تک اینٹ خشک نہ ہوجائے مزدور اس کی اجرت کا حقدار نہیں ہوتا، اور یہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔اسی لئے صاحب ھدایۃ نے پہلے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا قول ذکر کیا، پھر صاحبین کا قول ذکر کیا اس لئے کہ فتوی صاحبین کے قول پر

ہے۔ (هداية مع بداية المبتدی، کتاب الاجارة، ج٦، ص ٢٧٥)

حكم القول الوسط

وفی آخر المستصفی للامام النسفی: "اذا ذكر فی المسئلة ثلاثة اقوال فالراجح هو الاول او الاخير لا الوسط" انتهى. (قلت) وينبغی تقييده بما اذا لم تعلم عادة صاحب ذلك الكتاب ولم يذكر الادلة، اما اذا علمت كما مر عن الخانية والملتقی فتتبع واما اذا ذكرت الادلة فالمرجح الاخير كما قلنا. (وكذا) لو ذكروا قولين مثلا وعللوا لاحدهما كان ترجيحا له على غير المعلل كما افاده الخير الرملی فی كتاب الغصب من فتاواه الخيرية ونظيره ما فی التحرير وشرحه فی فصل الترجيح فی المتعارضين: "ان الحكم الذی تعرض فيه للعلة يترجح على الحكم الذی لم يتعرض فيه لها لان ذكر علته يدل على الاهتمام به والحث عليه" انتهى.

درمیانے قول کا حکم!

امام نسفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی المستصفی میں ہے: "جب کسی مسئلہ کے بارے میں تین اقوال ذکر کئے جائیں تو ان میں سے راجح قول پہلا، یا آخری ہوگا درمیانی قول راجح نہیں ہوسکتا"۔

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں اس قاعدہ کو اس قید سے مقید کرنا چاہیے کہ جب کہ اس مصنف کا طرز معلوم نہ ہو اور دلائل بھی مذکور نہ ہوں۔ بہر حال جب کہ مصنف کا طرز آپ کو معلوم ہو جیسا کہ خانیہ اور ملتقی الابحر کے حوالے سے گزرا تو اس کی پیروی کی جائی گی۔ اور جب کہ دلائل مذکور ہوں تو اس صورت میں آخری قول راجح ہوگا جیسا کہ ہم نے ماقبل ذکر کیا۔ یونہی اگر کسی مسئلہ میں مشائخ کرام علیہم رحمۃ اللہ السلام دو اقوال ذکر کریں تو ان میں ایک قول کی تعلیل دوسرے غیر معلل قول پر اس کی ترجیح شمار ہوگی، جیسا کہ خیر الدین رملی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے فتاوی خیریہ کی کتاب الغصب میں یہ فائدہ بیان کیا۔ اور اسی کی مثل التحریر اور اس کی شرح (التحریر والتحبیر) کی فصل الترجیح فی المتعارضین میں ہے "جس حکم کی دلیل کو ذکر کیا گیا ہو وہ اس حکم پر راجح ہے جس کی دلیل سے تعرض نہ کیا گیا ہو کیونکہ حکم کے ساتھ علت کو ذکر کرنا اس کی

اہمیت ظاہر کرنے اور اس پر عمل کی ترغیب دلانے کی دلیل ہے(۱)''۔

ضمنی فائدہ

(۱) اور یہی بات ''عقود الدراية'' کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے امام اہلسنت نے فرمایا: عقود الدراية میں ہے: علت کو بیان کرنا ترجیح کی دلیل ہے۔

(فتاوی رضویه مخرجه، ج۱۲،ص۱۰۶)

☆......وحيثما وجدت قولين وقد صحح واحد فذاك المعتمد.

اور جہاں بھی دو اقوال پائے جائیں اور ایک کی تصحیح کی گئی ہو وہی قول معتمد ہوتا ہے۔

☆...... بنحو ذاالفتوى عليه الاشبه والاظهر المختار ذا والاوجه.

تصحیح اس طرح کے الفاظ سے کی گئی ہو الفتوى عليه، هذاالاشبه ،هو الاظهر، وهذا المختار، هذاالاوجه.

☆......او الصحيح والاصح آكد منه وقيل عكسه المؤكد.

یا صحیح اور اصح کے لفظ کے ساتھ اور اصح، صحیح سے زیادہ مؤکد ہے اور کہا گیا ہے صحیح اصح سے زیادہ قوی ہے۔

☆...... كذا به يفتي عليه الفتوى وذان من جميع تلك اقوى.

یونہی تصحیح یوں کی گئی جیسے به يفتي ،عليه الفتوى، اور یہ دو الفاظ دیگر تمام الفاظ سے زیادہ قوی ہیں۔

الاصطلاحات فی تصحیح المسائل

قال فی آخر الفتاوى الخيرية:" وفي الاول المضمرات :اما العلامات للافتاء فقوله وعليه الفتوى، وبه يفتي،وبه نأخذ وعليه الاعتماد وعليه عمل اليوم وعليه عمل الامة وهو الصحيح وهو الاصح وهو الاظهروهو المختار في زماننا وفتوى مشايخنا وهو الاشبه وهو الاوجه وغيرها من الالفاظ المذكورة في متن هذاالكتاب في محلها في حاشية البزدوي ......انتهى. وبعض هذه الالفاظ آكد من بعض فلفظ الفتوى آكد من لفظ الصحيح والاصح والاشبه وغيرها ولفظ به

یفتی آکد من لفظ الفتوی علیه والاصح آکد من الصحیح والاحوط آکد من الاحتیاط......ا......" انتهی.

تصحیح مسائل کے حوالے سے اصطلاحات!

فتاوی خیریه کے آخر میں، المضمرات کی ابتداء میں ہے افتاء کی علامات یہ ہیں۔
(۱)علیه الفتوی (اسی پر فتوی ہے)، (۲)به یفتی (اسی قول پر فتوی دیا جاتا ہے)، (۳)به ناخذ (ہم اسی قول کو لیتے ہیں)، (۴)علیه الاعتماد (اسی قول پر اعتماد ہے)، (۵)علیه عمل الیوم (آج کے دور میں اسی قول پر عمل ہے)، (۶)علیه عمل الامة (اسی قول پر امت کا عمل ہے)، (۷)هو الصحیح (یہی صحیح ہے)، (۸)هو الاصح (یہی اصح ہے)، (۹)هو الاظهر (یہی اظہر ہے)، (۱۰)هو المختار فی زماننا (ہمارے زمانہ میں یہی مختار ہے)(۱۱)فتوی مشایخنا (یہ ہمارے مشائخ کا فتوی ہے)(۱۲)هو الاشبه (یہ قول زیادہ مشابہ ہے)(۱۳)هو الاوجه (یہی قول زیادہ مدلل ہے)اسی طرح دیگر الفاظ جو کہ اس کتاب کے متن میں ہیں اور حاشیہ بزدوی میں اپنے مقامات پر ان کو ذکر کیا گیا ہے۔(ان کا کلام مکمل ہوا)۔ان میں سے بعض الفاظ بعض سے زیادہ مؤکد ہیں جیسے لفظ فتوی، زیادہ مؤکد ہے صحیح اصح اور اشبہ وغیرہ سے۔لفظ به یفتی، الفتوی علیه سے مؤکد، اصح صحیح سے اور احوط احتیاط سے زیادہ مؤکد ہے۔

ضمنی فائدہ

......ا...... كذا فی ردالمحتار علی الدرالمختار ،مقدمة الكتاب ،ج ۱، ص ۱۷۳ وغیرہ۔

ماهو الآكد من الصحیح والاصح

(لكن)فی شرح المنية فی بحث مس المصحف :"والذی اخذناه من المشايخ انه اذا تعارض اما مان معتبران فی التصحيح فقال احدهما الصحيح كذا، وقال الاخر الاصح كذا ،فالأخذ بقول من قال الصحيح اولی من الأخذ بقول من قال الاصح ،لان الصحيح مقابله الفاسد والاصح مقابله الصحيح فقد وافق من قال الاصح قائل الصحيح علی انه صحيح، واما من قال الصحيح فعنده ذلك

الحكم الآخر فاسد، فالاخذ بما اتفقا على انه صحيح اولى من الاخذ بما هو عند احدهما فاسد "انتهى. (وذكر) العلامة ابن عبد الرزاق فى شرحه على الدر المختار: " ان المشهور عند الجمهور ان الاصح آكد من الصحيح".
(وفى) شرح البيرى: " قال فى الطراز المذهب ناقلا عن حاشية البزدوى قوله هو الصحيح يقتضى ان يكون غيره غير صحيح ،ولفظ الاصح يقتضى ان يكون غيره صحيحا. اقول ينبغى ان يقيد ذلك بالغالب لانا وجدنا مقابل الاصح الرواية الشاذة كما فى شرح المجمع" انتهى. (وفى) الدر المختار بعد نقله حاصل مامر: " ثم رأيت فى رسالة آداب المفتين اذا ذيلت رواية فى كتاب معتمد بالاصح اوالاولى اوالارفق ونحوها فله ان يفتى بها وبمخالفتها ايضا اياشاء، واذاذيلت بالصحيح اوالمأخوذ به اوبه يفتى او عليه الفتوى لم يفت بمخالفها الا اذا كان فى الهداية مثلا هو الصحيح وفى الكافى بمخالفه هو الصحيح فيخير فيختار الاقوى عنده والا ليق والا صلح...... اه فليحفظ......اه...... ". انتهى.

لفظ صحیح اور اصح میں سے کونسا زیادہ مؤکدھے؟

منية کی شرح کی بحث مس المصحف میں ہے: ''ہم نے اپنے مشائخ عظام علیہ رحمۃ اللہ السلام سے یہ بات لی ہے کہ جب دو مستند ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کا کسی مسئلہ کی تصحیح میں تعارض ہو، ان میں سے ایک یوں فرمائے کہ صحیح یہ ہے اور دوسرے امام کہیں اصح قول یہ ہے، تو جو صحیح کا لفظ استعمال کر رہے ہیں ان کے قول کو لینا اصح کہنے والے امام کے قول کو لینے سے اولیٰ ہے کیونکہ صحیح کا مقابل فاسد ہے اور اصح کا مقابل صحیح ہے۔ پس جو اصح کہہ رہے ہیں وہ لفظ صحیح کہنے والے کی اس بات میں موافق ہیں کہ یہ قول بھی صحیح ہے اور جو صحیح کا لفظ استعمال کر رہے ہیں ان کے نزدیک وہ دوسرا حکم فاسد ہے۔ تو جس قول کے صحیح کہنے پر اتفاق ہے اسے دوسرے قول کے مقابلے میں لینا بہتر ہے جو ان ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام میں سے ایک کے نزدیک فاسد ہے۔

علامہ ابن عبدالرزاق نے درمختار کی شرح (مفاتیح الاسرار) میں ذکر کیا

''جمہور کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ لفظ اصح، صحیح سے زیادہ مؤکد ہے''۔

بیری کی شرح (الاشباہ) میں ہے: ''فقہ شافعی کی کتاب الطراز المذہب میں حاشیہ بزدوی کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے فرمایا مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کا قول ھوالصحیح کا مقتضی یہ ہے کہ دوسرا قول غیر صحیح اور لفظ اصح اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا غیر صحیح ہو''۔ میں (علامہ شامی) کہتا ہوں اس بات کو غالبًا کی قید کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے کیونکہ ہم نے اصح کے مقابلے میں روایت شاذہ بھی پائی ہے جیسا کہ شرح المجمع میں ہے''۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

درمختار میں بیری کی مذکورہ عبارت کا خلاصہ کرنے کے بعد علامہ حصکفی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے فرمایا کہ ''پھر میں (علامہ حصکفی) نے رسالہ آداب المفتین میں لکھا دیکھا کسی معتمد کتاب میں موجود کسی روایت کے آخر میں لفظِ اصح، اولی، ارفق وغیرہ ذکر کئے جائیں تو مفتی کے لئے اس روایت کے مطابق فتوی دینا اور اس روایت کے برخلاف جس قول پر فتوی دینا چاہیں جائز ہے۔ اور جب روایت کے آخر میں صحیح، ماخوذ بہ، بہ یفتی، علیہ الفتوی کے الفاظ ہوں تو مفتی اس کے برخلاف فتوی نہیں دے سکتا، ہاں مثلاً جب ھدایۃ میں ایک روایت کے بعد فرمایا ھوالصحیح اور الکافی میں اس کے برخلاف روایت کے بعد فرمایا ھو الصحیح تو اس صورت میں مفتی کو اختیار ہوگا کہ جو روایت اس کے نزدیک زیادہ قوی، زیادہ مناسب اور درست ہو وہ اسے اختیار کرلے (آداب المفتین کا کلام مکمل ہوا)۔ اسے حفظ کرلینا چاہیے'' (صاحب درمختار کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فائدہ

[1]...... ردالمحتار علی الدر مختار، مقدمۃ الکتاب، ج۱، ص ۱۷۵۔

خلاصۃ البحث

(قلت) وحاصل ھذا کلہ أنہ اذا صحح کل من الروایتین بلفظ واحد کأن ذکر فی کل واحدۃ منھما ھو الصحیح أو الاصح أو بہ یفتی تخیر المفتی واذ اختلف اللفظ فان کان احدھما لفظ الفتوی فھو اولی لأنہ لا یفتی الابما ھو صحیح

ولیس کل صحیح یفتی به لأن الصحیح فی نفسه قد لایفتی به لکون غیره أوفق لتغیر الزمان وللضرورة ونحو ذلک فما فیه لفظ الفتوی یتضمن شیئین.

احدهما الاذن بالفتوی به والآخر صحته، لأن الافتاء به تصحیح له بخلاف مافیه لفظ الصحیح أو الأصح مثلا، وان کان لفظ الفتوی فی کل منهما، فان کان أحدهما یفید الحصر مثل به یفتی أو علیه الفتوی فهو الاولی، ومثله بل اولی لفظ علیه عمل الأمة لانه یفید الاجماع، وان لم یکن لفظ الفتوی فی واحد منهما فان کان احدهما بلفظ الاصح والآخر بلفظ الصحیح فعلی الخلاف السابق، لکن هذا فیما اذا کان التصحیحان فی کتابین.

اما لو کانا فی کتاب واحد من امام واحد فلا یتأتی الخلاف فی تقدیم الاصح علی الصحیح لأن اشعار الصحیح بأن مقابله فاسد لایتأتی فیه بعد التصریح بان مقابله أصح، الا اذا کان فی المسئلة قول ثالث یکون هو الفاسد ،وکذا لوذکر تصحیحین عن امامین ثم قال ان هذا التصحیح الثانی اصح من الاول مثلا فانه لاشک ان مراده ترجیح ماعبر عنه بکونه اصح ویقع ذلک کثیرا فی تصحیح العلامة قاسم. **وان کان** کل منهمابلفظ الأصح أو الصحیح فلا شبهة فی انه یتخیر بینهما اذا کان الامامان المصححان فی رتبة واحدة ،أما لو کان احدهما أعلم فانه یختار تصحیحه کما لو کان أحدهما فی الخانیة والآخر فی البزازیة مثلاً ،فان تصحیح قاضی خان اقوی، فقد قال العلامة قاسم: "ان قاضی خان من احق من یعتمد علی تصحیحه" . **وکذا** یتخیر اذا صرح بتصحیح احداهما فقط بلفظ الأصح او الأحوط أوالاولی أو الارفق وسکت عن تصحیح الأخری ،فان هذا اللفظ یفید صحة الاخری لکن الاولی الاخذ بما صرح بانها الأصح لزیادة صحتها وکذا لوصرح فی احداهمابالاصح وفی الاخری بالصحیح ،فان الاولی الأخذ بالاصح......اھ.

ماقبل بحث کا خلاصہ

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں: اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ

السلام جب دونوں ہی روایات کی تصحیح ایک ہی لفظ سے کریں مثلا دونوں ہی کے ساتھ لفظ هو الصحيح ،الاصح ،به يفتى مذکور ہو تو ایسی صورت میں مفتی کو اختیار ہو گا،اور جب تصحیح الفاظ مختلف ہوں تو اگر دونوں روایات میں سے ایک کے ساتھ لفظ الفتوی مذکور ہو تو وہی قول اولی ہو گا کیونکہ فتوی صحیح قول کے مطابق ہی دیا جاتا ہے۔اور ہر صحیح قول پر فتوی نہیں دیا جاتا اس لئے کہ کبھی صحیح فی نفسہ قول پر فتوی نہیں دیا جاتا کہ اُس صحیح فی نفسہ قول کا غیر تبدیلی زمانہ یا ضرورت وغیرہ کے سبب فتوی کے لیے زیادہ موافق ہوتا ہے۔پس جس تصحیح میں لفظ فتوی مذکور ہو گا وہ دو چیزوں کو متضمن ہو گا۔

پہلی شے کہ اس قول پر فتوی دینے کی اجازت ہے اور دوسری شے اس کا صحیح ہونا،کیونکہ اس قول کے مطابق فتوی دینا اس کی تصحیح کو بیان کرنا ہے بخلاف اس قول کے جس میں مثلاً لفظ صحيح یا اصح مذکور ہو اور اگر دونوں اقوال کے ساتھ لفظ فتوی ذکر کیا گیا ہو اور ان میں سے ایک میں مذکور کوئی کلمہ مفید حصر ہو مثلا به يفتى ،عليه الفتوى تو وہی قول اولیٰ ہو گا۔اسی کی مثل بلکہ اس سے بہتر لفظ عليه عمل الامة ہے کہ یہ الفاظ اجماع کا فائدہ دے رہے ہیں۔اور اگر دونوں میں سے ایک قول کے ساتھ لفظ فتوی مذکور نہ ہو اور اگر ان میں سے ایک کے ساتھ لفظ اصح اور دوسرے قول کے ساتھ لفظ صحيح ذکر کیا گیا ہو تو اس میں وہی سابقہ اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ دونوں تصحیحات دو الگ الگ کتابوں میں ہوں۔

اگر یہ دونوں تصحیحات ایک امام کی ایک ہی کتاب میں ہوں تو اصح کو صحیح پر مقدم کرنے کے بارے میں سابقہ اختلاف یہاں متحقق نہیں ہو گا کیونکہ لفظ صحیح اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ اس کا مقابل فاسد ہے۔اس صورت میں متحقق نہیں ہو گا کیونکہ اس صورت میں تصریح کر دی گئی ہے کہ اس کا مقابل اصح ہے۔ہاں اگر کسی مسئلہ میں تیسرا قول بھی ہو تو وہ فاسد ہے۔یونہی اگر کوئی عالم دو آئمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کی دو تصحیحات کو ذکر کرے پھر کہے کہ یہ دوسری تصحیح پہلی سے اصح ہے تو بلا شبہ اس صورت میں اس عالم کا مقصود اس روایت کو ترجیح دینا ہے۔جیسے اس نے لفظ اصح سے بیان کیا ہے اور یہ معاملہ با کثرت علامہ قاسم علیہ الرحمۃ کی تصحیحات میں ہے۔

اور اگر دونوں روایات کے ساتھ لفظ اصح یا لفظ صحیح ہو تو بلا شبہ ایسی صورت میں مفتی کو دونوں کے مابین اختیار ہو گا۔جب کہ تصحیح کرنے والے دونوں ائمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام ہم پلہ ہوں اگر ان میں سے ایک بڑا عالم ہو تو مفتی اس کے تصحیح کردہ قول کو اختیار کرلے گا،مثلا ایک

روایت کی تصحیح فتاوی خانیہ میں ہے جب کہ دوسری روایت کی تصحیح بزازیہ میں ہے۔علامہ قاسم علیہ الرحمۃ نے فرمایا:''قاضی خان علیہ رحمۃ اللہ الحنان زیادہ حقدار ہیں کہ ان کی تصحیح پر اعتماد کیا جائے (۱)''۔

اور یونہی جب فقط ایک روایت کی تصحیح کی صراحت لفظ اصح ،احوط ،اولی، ارفق سے کی ہو اور دوسری روایت کی تصحیح کے بارے میں سکوت کیا گیا ہو تو یہ الفاظ اس دوسری روایت کے صحیح ہونے کا فائدہ اگرچہ دے رہے ہیں لیکن اس صورت میں اس روایت کو لینا اولی ہے جس کے اصح ہونے کی تصریح اس کے زیادہ درست ہونے کی وجہ سے کی گئی ہے۔اور اسی طرح اگر ایک روایت کی تصحیح کی تصریح لفظ اصح کے ساتھ کی گئی ہو اور دوسری کی لفظ صحیح کے ساتھ کی گئی ہو تو اس صورت میں اصح روایت کو لینا اولیٰ ہے۔

ضمنی فائدہ

......۱...... ردالمحتار علی الدرالمختار ،مقدمة الكتاب ،ج ۱، ص ۱۷۳ ،ملخصا۔

(۱) امام فقیہ النفس (قاضی خان) جن کے بارے میں فقہاء کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے تصریح کی ہے کہ ان کی تصحیح سے عدول نہیں کیا جا سکتا ،امام محقق صاحب ھدایۃ اور ان کے معاصرین امام ،صاحب الخلاصہ اور نسفی ،صاحب الکنز ،پھر امام برھان الدین محمود اور ان کے پوتے امام صدر الشریعۃ ،امام محقق علی الاطلاق ،امام فخر زیلعی اور علامہ ابن کمال الوزیر اور یہ تمام بالوجہ ائمہ اجتہاد ہیں جس کا اقرار کرنے والے علماءِ معتمدین ہیں .پس ان عظیم علماء کی تصحیح اگرچہ التزاما ہو اس کا مقابلہ کوئی مجروح ومطروح قول نہیں کر سکتا۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ ،ج ۱۰ ،ص ۹۴)

☆......وان تجد تصحيح قولين ورد فاختر لماشئت فكل معتمد.

اور اگر تم دو تصحیح شدہ قول پاؤ تو اس میں سے جسے چاہو اختیار کر لو ان میں سے ہر ایک معتمد ہے۔

☆...... الا اذا كانا صحيحا واصح اوقيل ذا يفتى به فقد رجح.

مگر اس وقت جب کہ دونوں اقوال صحیح یا اصح ہوں یا کہا گیا ہو مفتی بہ ہے تو اس صورت میں وہی قول راجح ہوگا۔

☆...... او كان في المتون او قول الامام او ظاهر المروى اوجل العظام.

یا وہ قول متون میں ہو یا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا قول ہو یا ظاہر الروایۃ ہو یا جلیل القدر ائمہ۔

☆...... قال به او کان الاستحسانا او زاد للأوقاف نفعا بانا.

اس کے قائل ہوں یا وہ استحسان ہو یا اس کا اوقاف کے لئے زیادہ سودمند ہونا واضح ہو۔

☆...... او کان ذا اوفق للزمان او کان ذا اوضح فی البرهان.

یا وہ قول زمانہ کے زیادہ موافق ہو یا اس کی دلیل زیادہ واضح ہو۔

☆...... هذا اذا تعارض التصحیح اولم یکن اصلابه تصریح .

یہ مرجحات اس صورت میں ہیں جبکہ تصحیحات باہم متعارض ہوں یا اصلا کسی قول کی تصحیح کی صراحت نہ کی گئی ہو۔

☆...... فتاخذ الذی له مرجح مماعلمته فهذا الاوضح.

تو اس صورت میں تم ان مرجحات کو اختیار کروگے جن کا علم تمہیں ہو چکا پس یہ زیادہ واضح ہے۔

﴿الوجوه العشرة للترجیح عند التعارض﴾

لما ذکرت علامات التصحیح لقول من الاقوال وان بعض الالفاظ التصحیح آکد من بعض ،وهذا انما تظهر ثمرته عند التعارض ، بأن کان التصحیح لقولین فصلت ذلک تفصیلا حسنا لم أسبق الیه أخذا مما مهدته قبل هذا ، وذلک ان قولهم اذاکان فی المسئلة قولان مصححان فالمفتی بالخیار لیس علی اطلاقه بل ذاک اذا لم یکن لاحدهما مرجح قبل التصحیح او بعده .

تصحیح کو ترجیح دینے کی دس صورتیں!

جب کہ میں مختلف اقوال میں سے ایک قول کی تصحیح کی علامات بیان کر چکا اور بعض الفاظ تصحیح کا دیگر بعض سے مؤکد ہونے کا ذکر بھی کر چکا (تو جان لیجئے) کہ بعض الفاظ کا زیادہ تاکیدی ہونے کا نتیجہ تعارض کے وقت ہی ظاہر ہوتا ہے۔تعارض کا معنی یہ ہے کہ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے دونوں اقوال کی تصحیح کی ہو۔ میں نے اس کی ایسی بہترین تفصیل کی ہے کہ مجھ سے پہلے اس کی طرف کسی نے پہل نہیں کی۔ اس گفتگو کو میں نے ماقبل تمہید سے اخذ کیا ہے اور وہ تمہید فقہاء کا یہ قول ہے کہ جب کسی مسئلہ میں تصحیح شدہ دو اقوال ہوں تو اس صورت میں مفتی کو اختیار ہے ۔(یادرہے) یہ اختیار مطلق نہیں ہے بلکہ یہ اختیار اس وقت ہے جب کہ تصحیح سے قبل یا اس کے بعد

ان دونوں اقوال میں سے کسی کے لیے کوئی مرجح (وجہ ترجیح) نہ ہو۔

(الاول) من المرجحات ماإذا كان تصحيح احدهما بلفظ الصحيح والآخر بلفظ الاصح، وتقدم الكلام فيه، وان المشهور ترجيح الأصح على الصحيح.

پہلا مرجح...... جب دو اقوال میں سے ایک کی **تصحیح** لفظ **صحیح** سے اور دوسرے کی لفظ **اصح** سے کی گئی ہو تو اس بارے میں پہلے کلام ہو چکا اور مشہور یہ ہے کہ اس صورت میں **اصح** کو **صحیح** پر ترجیح حاصل ہوگی

(والثانی) ماإذا كان احدهما بلفظ الفتوى والآخر بغيره كما تقدم بيانه.

دوسرا مرجح...... جب ایک قول لفظ **فتوی** کے ساتھ ہو اور دوسرا قول اس کے بغیر ہو جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا۔

(الثالث) ما اذا كان أحد القولين المصححين في المتون، والآخر في غيرها ،لانه عند عدم التصحيح لأحد القولين يقدم مافي المتون ،لانها الموضوعة لنقل المذهب كما مر، فكذا اذا تعارض التصحيحان ولذا قال في البحر في باب قضاء الفوائت:" فقد اختلف التصحيح والفتوى والعمل بما وافق اطلاق المتون اولى.....الخ".

تیسرا مرجح...... جب **تصحیح** شدہ دونوں اقوال میں سے ایک **متون** میں ہو اور دوسرا غیر متون ہو کیونکہ دونوں میں سے ایک قول کی عدم **تصحیح** کے وقت متن میں مذکور قول مقدم ہوگا، اس لئے کہ متون کو نقل مذہب کے لئے مرتب کیا گیا ہے جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی۔ پس یہ اسی طرح اس صورت میں ہوگا جب کہ دو تصحیحات میں باہم تعارض ہو، اسی وجہ سے علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ نے بحر الرائق ،باب قضاء الفوائت میں فرمایا: "تصحیح میں اختلاف ہو تو متون کے موافق عمل کرنا اور فتوی دینا اولی ہے۔

(الرابع) ماإذا كان احدهما قول الامام الاعظم، والآخر قول بعض اصحابه، لأنه عند عدم الترجيح لأحدهما يقدم قول الامام كما مر بيانه فكذا بعده.

چوتھا مرجح...... جب ایک قول امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا ہو اور دوسرا قول آپ علیہ الرحمۃ کے کسی شاگرد کا ہو، کیونکہ ان دونوں اقوال میں سے کسی ایک کی عدم ترجیح کی صورت میں امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کو مقدم کیا جائے گا، جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا۔ پس **تصحیح** کے بعد بھی یہی حکم ہوگا۔

(الخامس) ما اذا كان احدهما ظاهر الرواية فيقدم على الآخر، قال في البحر من كتاب الرضاع "ان الفتوى اذا اختلفت كان الترجيح لظاهر الرواية......٢"

"وفيه من باب المصرف "اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع اليه......٣".

پانچواں مرجح...... جب دونوں اقوال میں سے ایک قول ظاهر الرواية ہوتو اسے دوسرے قول پر مقدم کیا جائے گا۔ بحر الرائق، کتاب الرضاع میں ہے "جب فتوی مختلف ہوتو ظاهر الرواية کو ترجیح ہوگی"۔ بحر الرائق، باب المصرف میں ہے "جب تصحیح میں اختلاف ہوتو ظاهر الرواية کو تلاش کرنا اور اس کی طرف رجوع واجب ہے"۔

(السادس) ما اذا كان احد القولين المصححين قال به جل المشايخ العظام ففي شرح البيرى على الاشباه: "ان المقرر عن المشايخ انه متى اختلف في المسئلة فالعبرة بما قاله الاكثر "انتهى. وقدمنا نحوه عن الحاوى القدسي.

چھٹا مرجح...... جب تصحیح شدہ دونوں اقوال میں سے ایک کی تصحیح جلیل القدر مشائخ نے کی ہو، شرح بیری علی الاشباہ میں ہے "مشائخ عظام علیہ رحمۃ اللہ السلام سے یہ بات ثابت ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتو اعتبار اکثر مشائخ کے قول کا ہے"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ اس کی مثل بات ہم الحاوی القدسی کے حوالے سے پہلے بیان کر چکے۔

(السابع) ما اذا كان احدهما الاستحسان والآخر القياس لما قدمناه من ان الارجح الاستحسان الا في مسائل.

ساتواں مرجح...... جب دونوں اقوال میں سے ایک استحسان اور دوسرا قیاس پر مبنی ہوتو ہم پہلے یہ بیان کر چکے کہ سوائے چند مسائل کے استحسان کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔

(الثامن) ما اذا كان احدهما انفع للوقف لما صرحوا به في الحاوى القدسي وغيره من انه يفتى بما هو انفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه.

آٹھواں مرجح...... دونوں اقوال میں سے ایک وقف کے لئے زیادہ سود مند ہو کہ مشائخ علیہ الرحمۃ نے اس کی تصریح کی ہے۔ الحاوی القدسی وغیرہ میں ہے جس مسئلہ وقف میں علماء کا اختلاف ہوتو فتوی اس قول کے مطابق دیا جائے گا جو وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہو۔

(التاسع) ما اذا كان احدهما اوفق لاهل الزمان فان ما كان اوفق لعرفهم او اسهل عليهم فهو اولى بالاعتماد عليه ،ولذا افتوا بقول الامامين فى مسئلة تزكية الشهود وعدم القضاء بظاهر العدالة لتغير احوال الزمان ،فان الامام كان فى القرن الذى شهدله رسول الله ﷺ بالخيرية بخلاف عصرهما فانه قد فشى فيه الكذب فلا بد فيه من التزكية وكذا عدلوا عن قول ائمتنا الثلاثة فى عدم جواز الاستئجار على التعليم ونحوه لتغير الزمان ووجود الضرورة الى القول بجوازه كما مر بيانه.

نواں مرجح...... جب دونوں اقوال میں سے ایک اہل زمانہ کے زیادہ موافق ہو، پس جو قول لوگوں کے عرف کے زیادہ موافق ہواور ان کے لیے زیادہ آسان ہواس پر اعتماد کرنا اولی ہے۔اسی بناء پر مشائخ نے گواہوں کے تزکیہ کے مسئلہ میں اور ظاہر عدالت کو دیکھ کر فیصلہ نہ کرنے کے بارے میں صاحبین کے قول پرفتوی دیا کہ زمانہ میں تغیر آ چکا تھا۔امام **اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اس زمانے میں تھے جس کے خیر ہونے کی گواہی نبی پاک ﷺ نے دی تھی جب کہ صاحبین کے زمانے میں جھوٹ عام ہو چکا تھا، لہذا ضروری ہو گیا کہ گواہوں کا تزکیہ کیا جائے۔ یونہی **مشائخ کرام** علیہ رحمۃ اللہ السلام نے تغیر زمانہ اور ضرورت کے متحقق ہونے کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ کے اس قول سے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجارہ کرنا جائز نہیں سے عدول کیا۔اور اس کے جواز کا قول کیا جیسا کہ اس کا بیان گزرا۔

(العاشر) ما اذا كان احدهما دليله اوضح واظهر كما تقدم ،ان الترجيح بقوة الدليل فحيث وجد تصحيحان ورأى من كان له اهلية النظرفى الدليل ،ان دليل احدهما اقوى فالعمل به اولى هذا كله اذا تعارض التصحيح لان كل واحد من القولين مساوٍ للآخر فى الصحة، فاذا كان فى احدهمازيادة قوة من جهة اخرى يكون العمل به أولى من العمل بالآخر وكذا اذا لم يصرح بتصحيح واحد من القولين فيقدم مافيه مرجح من هذه المرجحات ككونه فى المتون ،او قول الامام ،اوظاهر الرواية......الخ.

دسواں مرجح...... جب دونوں اقوال میں سے ایک کی دلیل زیادہ واضح اور زیادہ ظاہر ہو جیسا کہ گزر چکا کہ ترجیح قوت دلیل کے اعتبار سے ہے۔پس دو تصحیح شدہ اقوال پائے جائیں اور دلیل میں

غور وفکر کرنے کی اہلیت رکھنے والا عالم دیکھے کہ ان میں سے ایک قول کی دلیل زیادہ قوی ہے تو اس پر عمل کرنا اولی ہے۔ اور یہ تمام امور اس صورت میں ہیں جب تصحیح میں تعارض ہو کیونکہ صحت کے اعتبار سے دونوں اقوال باہم مساوی ہوتے ہیں۔ پس جب ان دونوں اقوال میں سے کسی ایک میں دوسری جہت کے مقابلے میں قوت زیادہ ہو تو دوسرے کے مقابلے میں اس قول پر عمل کرنا اولی ہوگا۔ اور یونہی جب کہ دونوں میں سے ایک قول کی تصحیح کی مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے تصریح نہ کی ہو تو اس صورت میں وہ قول مقدم ہوگا جس میں ان میں سے کوئی مرجح پایا جائے جیسا کہ "اقول" کا متون میں ہونا یا امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا قول ہونا یا ظاہر الروایۃ ہونا......الخ (۱)۔

ضمنی فوائد

۱......البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب قضاء الفوائت، ج۲، ص۱۴۴۔

۲...... البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الرضاع، ج۳، ص ۳۲۳۔

۳...... البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، ج۲، ص۳۹۶۔

(۱) **ان ترجیحات کے ساتھ بعض دیگر امور کا اضافہ کرنا بھی ممکن ہے جیسے** ☆ جب دو اقوالِ مختلفہ میں سے ایک قول فقراء کے لیے زیادہ نفع مند ہو تو زکوۃ کے معاملے میں اسی پر عمل ہوگا۔ ☆ جب دو مختلف اقوال میں سے ایک قول لینے کی صورت میں حدِ شرعی ساقط ہو سکتی ہو تو اسی قول کو لینا اولی ہے۔ ☆ جب حلت وحرمت کے درمیان اقوالِ مختلفہ کی بناء پر تعارض ہو جائے تو حرمت والا قول راجح ہوگا۔ (المصباح، ص۳۱۷، ملخصاً)۔

﴿المفهوم واقسامه﴾

☆......**واعمل بمفهوم روايات اتى مالم يخالف لصريح ثبتا.**

آپ روایات کے آنے والے مفہوم پر عمل کریں جب کہ وہ ثابت شدہ تصریح کے مخالف نہ ہوں۔

اعلم ان المفهوم قسمان.

جان لیں کہ مفہوم کی دو قسمیں ہیں۔

مفهوم موافقة: وهو دلالة اللفظ على ثبوت حكم المنطوق لمسكوت بمجرد فهم اللغة، اى بلاتوقف على رأى واجتهاد كدلالة ﴿فلاتقل لهما

اف (الاسراء:۲۳)﴾ علی تحریم الضرب .

☆...... مفہوم موافق: مسکوت (یعنی غیر مذکور) کے لئے منطوق (مذکور) کا حکم ثابت ہونے پر لفظ کا فقط عربی لغت کے اعتبار سے دلالت کرنا، یعنی اس کا سمجھنا رائے اور اجتہاد پر موقوف نہ ہو جیسے ﴿فلا تقل لهما اف (الاسراء:۲۳)﴾ کی دلالت ماں باپ کے ساتھ جھگڑا وڈانٹ ڈپٹ کرنے پر

ومفهوم مخالف: وهو دلالة اللفظ على ثبوت نقيض حكم المنطوق للمسكوت وهو على اقسام.

☆...... مفہوم مخالف : مسکوت کے لئے منطوق کے حکم کی نقیض (ضد) ثابت ہونے پر لفظ کا دلالت کرنا، اس کی (چند) اقسام ہیں۔

مفهوم الصفت : كفى السائمة زكاة .

(۱)...... مفہوم صفت جیسا کہ یہ قول سائمہ (چرنے والے جانوروں) میں زکوۃ ہے۔

ومفهوم الشرط: نحو ﴿وان كن اولات حمل فانفقوا عليهن (الطلاق:٦)﴾ .

(۲)...... مفہوم شرط جیسا کہ ﴿وان كن اولات حمل فانفقوا عليهن (الطلاق:٦)﴾

ومفهوم الغاية: نحو ﴿حتى تنكح زوجا غيره (البقرة:۲۳۰)﴾

(۳)...... مفہوم غایت جیسے ﴿حتى تنكح زوجا غيره (البقرة:۲۳۰)﴾.

ومفهوم العدد: نحو ﴿ثمانين جلدة (النور:٤)﴾

(۴)...... مفہوم عدد جیسے ﴿ثمانين جلدة (النور:٤)﴾ .

ومفهوم اللقب :وهو تعليق الحكم بجامد، كفى الغنم زكاة.

(۵)...... مفہوم لقب: اس سے مراد حکم کو کسی اسم جامد کے ساتھ معلق کر دینا ہے جیسے فی الغنم زکوۃ۔

ضمنی فوائد

مفاہیم مختلفہ مذکورہ کی تعریفات کا بیان :

☆مفهوم الصفة :وهو مادل عليه لفظ وقع صفة لموصوف.

ترجمہ: اس سے مراد وہ مفہوم ہے جس پر وہ لفظ دلالت کرتا ہے جو موصوف کی صفت بن رہا ہو۔

☆مفهوم الشرط: وهو ما يدل على انتفاء الحكم عند انتفاء الشرط.

ترجمہ: اس سے مراد وہ مفہوم ہے جو انتفائے شرط کے وقت انتفائے حکم پر دلالت کرتا ہے۔

☆مفهوم الغاية: وهو ما دل علی ان حکم المنطوق منتف فيما بعد الغا ية.

ترجمہ: اس سے مراد وہ مفہوم ہے جو دلالت کرتا ہے منطوق کا حکم غایت مابعد کے لیے ثابت نہیں ہے۔

☆مفهوم العدد: وهو مادل علی ان حکم المنطوق مقتصر علی العدد الملفوظ ويثبت نقيض ذلک الحکم علی ماوراء ذلک العدد۔

ترجمہ: اس سے مراد وہ مفہوم ہے جو دلالت کرتا ہے کہ منطوق کا حکم مذکورہ عدد پر مقصود ہے اور اس عدد کے ماسوا پر اس حکم کی نقیض ثابت ہے (المصباح فی رسم المفتی ومناهج الافتاء، ص ۱۸۳)۔

حکم المفهوم

واعتبار القسم الاول من القسمين متفق عليه، واختلف فی الثانی باقسامه، فعند الشافعية معتبر سوی الاخير، فيدل علی نفی الزکاة عن العلوفة وعلی انه لانفقة لمبانة غير حامل، وعلی الحل اذا نکحت غيره، وعلی نفی الزائد علی الثمانين، وعندالحنفية غير معتبر باقسامه فی کلام الشارع فقط، وتمام تحقيقه فی کتب الاصول.

مفہوم کا حکم

مفہوم کی دو قسمیں ہیں ان میں پہلی قسم بالاتفاق معتبر ہے۔ اختلاف دوسری قسم اور اس کی اقسام میں ہے۔ **شوافع** کے نزدیک ماسوا **مفہوم لقب** کے مفہوم مخالف کی تمام ہی اقسام معتبر ہیں، اسی بناء پر **شوافع** علوفۃ (جس جانور کو گھر پر چارہ دیکر پالا گیا ہو) پر زکوۃ نہ ہونے، **غیر حاملہ** بائنہ کو نفقہ نہ دیے جانے، مطلقہ ثلاثہ کا نکاح کر لینے کے بعد پہلے شوہر کے حق میں حلال ہو جانے، اور تہمت کی سزا اسی کوڑوں سے زائد نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ **احناف** کے نزدیک یہ تمام ہی اقسام فقط کلام شارع میں معتبر نہیں ہیں۔ اس کی مکمل تحقیق **کتب اصول** میں ہے۔

اعتبار المفهوم المخالفة فی متفاهم الناس

قال فی شرح التحرير بعد قوله" غير معتبر فی کلام الشارع فقط". "فقد نقل

الشیخ جلال الدین الخبازی فی حاشیة الهدایة عن شمس الائمة الکردری، ان تخصیص الشیئ بالذکر لایدل علی نفی الحکم عماعداه فی خطابات الشارع، فأما فی متفاهم الناس وعرفهم وفی المعاملات والعقلیات یدل...... انتهی. وتداوله المتأخرون ویترائی ان علیه مافی خزانة الأکمل والخانیة لوقال :مالک علیّ اکثرمن مائة درهم کان اقرارا بالمائة ولا یشکل علیه عدم لزوم شیئ فی مالک علی اکثرمن مائة درهم ولا اقل کما لایخفی علی المتأمل" انتهی.

(وفی) حج النهر :"المفهوم معتبر فی الروایات اتفاقا ومنه اقوال الصحابة ......ثم قال وینبغی تقییده بما یدرک بالرأی لامالا یدرک به" انتهی. ای لان قول الصحابی اذا کان لایدرک بالرأی ای بالاجتهاد له حکم المرفوع، فیکون من کلام الشارع ﷺ، والمفهوم فیه غیر معتبر فالمراد بالروایات ماروی فی الکتب عن المجتهدین من الصحابة وغیرهم.

عام لوگوں کی بول چال میں مفہوم مخالف کا اعتبار

علامہ حلبی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے شرح، التحریر (التقریر و التحبیر) میں ماتن کے قول "غیر معتبر فی کلام الشارع فقط" کے بعد فرمایا: شیخ جلال الدین خبازی نے شمس الائمہ کردری علیہ رحمۃ اللہ القوی کے حوالے سے حاشیہ ھدایۃ میں نقل کیا، "کسی چیز کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا ماسوا سے حکم کی نفی پر دلالت نہیں کرتا، ہاں لوگوں کے باہمی کلام وعرف میں نیز معاملات و عقلیات میں کسی چیز کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس کے غیر سے حکم کی نفی پر دلالت کرتا ہے" (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ متاخرین نے اس بات کو بخوشی قبول کرلیا اور خزانۃ الاکمل اور خانیہ میں مذکور یہ مسئلہ مفہوم مخالف کی حجیت پر دلیل ہے۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ تمہارے مجھ پر سو درہم سے زیادہ لازم نہیں ہیں تو یہ قول سو درہم کا اقرار ہوگا، اس مسئلہ پر اس تفریع کے ذریعے اشکال وارد نہیں کیا جاسکتا ہے جس میں قائل کے ذمہ کچھ بھی لازم نہ ہونے کا بیان ہے، مثلاً کسی نے کہا تمہارے مجھ پر نہ تو سو درہم سے زائد ہیں اور نہ کم، جیسا کہ یہ بات غور وفکر کرنے والے پر مخفی نہیں۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

النہر الفائق، کتاب الحج میں ہے "مفہوم (مخالف) روایات میں اتفاقاً معتبر

ہے اور اقوال صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی من جملہ روایات میں سے ہیں فرمایا: اقوالِ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو روایات میں شامل کرنے کے لئے انہیں اس قید کے ساتھ مقید کرنا چاہئے کہ وہ اقوال جن کا ادراک رائے اور اجتہاد سے کیا جا سکتا ہو، نہ کہ وہ اقوال جن کا ادراک رائے اور اجتہاد سے نہ کیا جا سکتا ہو" (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کیونکہ صحابی کا قول جب کہ اس کا ادراک رائے یعنی اجتہاد سے نہ کیا جا سکے تو ایسا قول مرفوع حدیث کے حکم میں ہے، پس اس صورت میں وہ کلام شارع کے قبیل سے ہوگا۔ اور اس کے بارے میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا۔ یہاں روایات سے مراد مجتہدین اور صحابہ کرام علیہم الرضوان وغیرہ کے وہ اقوال ہیں جو کتب میں مذکور ہیں۔

اعتبار المفهوم فی کلام الصحابة والفقهاء

(وفی) النهر ایضا عند سنن الوضوء :"مفاهیم الکتب حجة بخلاف اکثر مفاهیم النصوص "انتهی. وفی غایة البیان عند قوله :"ولیس علی المرأة ان تنقض ضفائرها ،احترز بالمرأة عن الرجل". "وتخصیص الشیٔ فی الروایات یدل علی نفی ماعداه بالاتفاق بخلاف النصوص فان فیها لایدل علی نفی ماعداه عندنا".

(وفی) غایة البیان ایضا فی باب جنایات الحج عند قوله: "واذا صال السبع علی المحرم فقتله لاشیٔ علیه، لماروی ان عمر ﷺ قتل سبعا واهدی کبشا وقال: انا ابتدأناه،علل لاهدائه بابتداء نفسه، فعلم به ان المحرم اذا لم یبتدی بقتله ،بل قتله دفعا لصولته لایجب علیه شیٔ، والا لم یبق للتعلیل فائدة:"ولا یقال تخصیص الشیٔ بالذکر لایدل علی نفی ماعداه عندکم فکیف تستدلون بقول عمر ﷺ،لانا نقول ذاک فی خطابات الشرع، واما فی الروایات والمعقولات فیدل وتعلیل عمر من باب المعقولات" انتهی .

وحاصله : ان التعلیل للاحکام تارة یکون بالنص الشرعی من آیة اوحدیث ،وتارة یکون بالمعقول کما هنا، والعلل العقلیة لیست من کلام الشارع ،فمفهومها معتبر ولهذا تراهم یقولون مقتضی هذه العلة جواز و کذاحرمته،

فیستدلون بمفھومھا.

(فان قلت) قال فی الاشباہ من کتاب القضاء :"لایجوز الاحتجاج بالمفهوم فی کلام الناس فی ظاهر المذهب کالادلة...... واما مفهوم الروایة فحجة کما فی غایة البیان من الحج...... ا...... " انتهی. فهذا مخالف لما مر من انه غیر معتبر فی کلام الشارع فقط. قلتُ :الذی علیه المتأخرون ما قدمناه.

کلام صحابہ اور فقہاء میں مفہوم مخالف معتبر ھے

النهر الفائق، سنن وضوء میں ہے: "کتابوں کے مفاہیم حجت ہوتے ہیں (۱) بخلاف نصوص کے اکثر مفاہیم کے (کیونکہ یہ حجت نہیں ہوتے)"۔(۲) (ان کا کلام مکمل ہوا)۔غایۃ البیان میں ہے: "عورت پر (غسل جنابت اتارتے وقت) بٹی ہوئی چوٹی کھول کر پانی بہانا ضروری نہیں ہے، عورت کا لفظ ذکر کرنے سے مقصود مرد سے احتراز کرنا ہے"۔ "روایات میں کسی چیز کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کردینا بالاتفاق اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت کرتا ہے، بخلاف نصوص کے، کہ اس میں کسی چیز کو بالخصوص ذکر کردینا ہمارے نزدیک اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت نہیں کرتا"۔

غایۃ البیان باب جنایت الحج میں ہے: "جب محرم پر کوئی درندہ حملہ کردے اور محرم اس کو مار ڈالے تو محرم پر کوئی چیز لازم نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک بار حالت احرام میں ایک درندے کو ماڈالا پھر بطور دم ایک مینڈھا دیا اور فرمایا: "ہم نے اس پر حملہ کرنے میں پہل کی تھی"۔ شارح نے فرمایا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دم دینے کی علت یہ بیان کی کہ ہم نے اس درندے پر خود حملہ کرنے میں پہل کی تھی، اس سے معلوم ہوگیا کہ جب محرم نے درندے کو، مارنے میں ابتدا نہ کی ہو بلکہ اس کے وار دور کرنے کے لئے اس کو مار ڈالا ہو تو اس صورت میں محرم پر کچھ لازم نہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تعلیل کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ شبہ یہ ہے کہ: "یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کسی چیز کو بالخصوص ذکر کرنا احناف کے نزدیک اس کے ماسوا سے حکم کی نفی پر دلالت نہیں کرتا، پھر احناف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیسے کرسکتے ہیں؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کیونکہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ مفہوم مخالف کا حجت نہ ہونا یہ کلام شارع میں ہے البتہ روایات اور عقلیات میں کسی چیز کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس کے ماسوا کی نفی پر

دلالت کرتا ہے۔اور سیدنا عمر ﷺ کی تعلیل معقولات کے قبیل سے ہے"۔(ان کا کلام مکمل ہوا)۔

خلاصہ: یہ ہے کہ احکامات کی تعلیل کبھی نص شرعی یعنی قرآنی آیت یا حدیث سے ہوتی ہے اور کبھی تعلیل عقلی سے ہوتی ہے جیسا کہ اس مذکورہ مسئلہ میں ہے اور عقلی دلائل چونکہ کلام شارع کے قبیل سے نہیں ہیں اسلئے ان کا مفہوم مخالف معتبر ہے۔اسی بناء پر آپ کو فقہاء کا یہ قول نظر آئے گا کہ اس علت کا مقتضی فلاں چیز کا جائز یا ناجائز ہونا ہے۔پس اس صورت میں فقہاء مفہوم مخالف سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں۔

اگر آپ کہیں کہ **الاشباہ والنظائر، کتاب القضاء** میں ہے:"ظاہر مذہب میں لوگوں کے کلام میں بھی مفہوم مخالف سے دلیل لینا جائز ہے جیسا کہ نصوص میں لینا جائز ہے، ہاں روایات کا مفہوم مخالف بہر حال حجت ہے جیسا کہ **غایۃ البیان، کتاب الحج** میں ہے"(ان کا کلام مکمل ہوا)۔یہ عبارت تو سابقہ گفتگو کے مخالف ہے جس میں یہ مذکور تھا کہ مفہوم مخالف فقط کلام شارع میں لینا جائز ہے۔ میں (علامہ شامی) کہتا ہوں ہم نے جو بات پہلے ذکر کی وہی متاخرین کا مذہب ہے۔

ضمنی فائدہ

ل......الاشباہ والنظائر، الفن الثانی، فن الفوائد، کتاب القضاء، والشہادات والدعاوی، اختلاف الشاہدین مانع من قبولہا، ص ۲۱۹۔

(۱) امام اہلسنت فاضل بریلوی فرماتے ہیں: عباراتِ کتب میں مفہوم مخالف بلاشبہ معتبر ہے، شامی میں ہے: عباراتِ کتب میں مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے خواہ وہ مفہوم لقبی ہو۔علماءِ اصول نے یہی تصریح کی ہے نیز اسی میں ہے کہ سوال کے وقت اسی پر فتوی ہوگا کیونکہ عباراتِ کتب میں مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے یہ یاد رہے کہ مفاہمِ کتب حجت تو ہیں لیکن ان کی حجت قطعی نہیں ہے۔

(فتاوی رضویہ مخرجہ، ج:۵، ص:۲۹۴)

(۲) امام اہلسنت فاضل بریلوی فرماتے ہیں: یہ واضح طور پر معلوم ہے کہ مفہوم کی دلالت قطعی نہیں ہوتی کیونکہ کتب میں بہت سی قیود غیر احترازی آتی ہیں تو اب نصوص کو صحیح مذہب پر محمول کرنا اولی ہے

(فتاوی رضویہ مخرجہ، ج۳، ص۱۳۶)

قول الامام محمد وعدم اعتبار مفهوم المخالفة

(وقال) العلامة البيرى فى شرحه :"والذى فى الظهيرية الاحتجاج بالمفهوم لايجوزوهوظاهرالمذهب عند علمائنا رحمهم الله تعالى وما ذكره محمد فى السير الكبيرمن جواز الاحتجاج بالمفهوم فذلك خلاف ظاهرالرواية قال فى حواشى الكشف :رأيت فى الفوائد الظهيرية فى باب مايكره فى الصلاة "ان الاحتجاج بالمفهوم يجوز" .ذكره شمس الائمة السرخسى فى السيرالكبير، وقال بنى محمد مسائل السير على الاحتجاج بالمفهوم ،والى هذا مال الخصاف وبنى عليه مسائل الحيل وفى المصفى: "التخصيص بالذكرلايدل على نفى ماعداه". قلنا: التخصيص فى الروايات وفى متفاهم الناس وفى المعقولات يدل على نفى ماعداه ......اه من النكاح ،وفى خزانة الروايات: "القيد فى الرواية ينفى ماعداه". وفى السراجية:" اما فى متفاهم الناس من الاخبارات فان تخصيص الشئ بالذكر يدل على نفى ماعداه كذا ذكره السرخسى" انتهى .اقول: الظاهران العمل على مافى السير كما اختاره الخصاف فى الحيل ولم نر من خالفه والله تعالى اعلم(انتهى كلام البيرى).

اى ان العمل على جواز الاحتجاج بالمفهوم لكن لامطلقا بل فى غير كلام الشارع كما علمت مماقررناه، والا فالذى رأيته فى السير الكبيرجوازالعمل به حتى فى كلام الشارع، فانه ذكر فى باب آنية المشركين وذبائحهم:" ان تزوج نساء النصارى من اهل الحرب لايحرم واستدل عليه بحديث على ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب الى مجوس هجر، يدعوهم الى الاسلام، فمن اسلم قبل منه، ومن لم يسلم ضربت عليه الجزية فى ان لا يوكل له ذبيحة ولاينكح منهم امرأة، قال شمس الائمة السرخسى فى شرحه: فكانه اى محمدا استدل بتخصيص رسول الله صلى الله عليه وسلم المجوس بذلك على انه لاباس بنكاح نساء اهل الكتاب فانه بنى هذا الكتاب على ان المفهوم حجة ويأتى بيان ذلك فى موضعه ......اه......". ثم قال بعد اربعة ابواب:" فى باب ما يجب من طاعة الوالى

فی قول محمد لوقال منادی الامیر: من اراد العلف فلیخرج تحت لواء فلان ،فهذابمنزلة النهی، ای نهاهم عن ان یفارقوا صاحب اللواء بعد خروجهم معه ،وقد بینا انه بنی هذا الکتاب علی ان المفهوم حجة وظاهر المذهب عندنا ان المفهوم لیس بحجة، مفهوم الصفة ومفهوم الشرط فی ذلک سواء ،ولکنه اعتبر المقصود الذی یفهمه اکثر الناس فی هذاالموضوع (وفی نسخة النوع)،لان الغزاة فی الغالب لایقفون علی حقائق العلوم وان امیرهم بهذااللفظ انما نهی الناس عن الخروج الاتحت لواء فلان ،فجعل النهی المعلوم بدلالة کلامه کالمنصوص علیه......ﺍ...... " انتهی. **ومقتضاه** ان ظاهر المذهب ان المفهوم لیس بحجة حتی فی کلام الناس لان ماذکره فی هذاالباب من کلام الامیرفهومن کلام الناس لامن کلام الشارع وهذا موافق لما مرعن الاشباه، والظاهر ان القول بکونه حجة فی کلامهم قول المتأخرین کما یعلم من عبارة شرح التحریر السابقة، ولعل مستندهم فی ذلک ما نقلناه آنفا عن السیر الکبیر فانه من کتب ظاهر الروایة الستة بل هو آخرها تصنیفا فالعمل علیه کما قدمناه فی النظم.

امام محمد اور مفہوم مخالف کا اعتبار!

علامہ بیری نے شرح اشباہ میں فرمایا:"فتاوی ظهیریه میں مذکور یہ بات کہ مفہوم مخالف سے دلیل لینا ناجائز ہے اور ہمارے علماء کے نزدیک یہی **ظاہر الروایۃ** ہے اور وہ بات جسے **امام محمد** علیہ رحمۃ اللہ الصمد نے **السیر الکبیر** میں مفہوم مخالف سے استدلال کو جائز قرار دیا **ظاہر الروایۃ** کے خلاف ہے۔ حواشی کشف میں فرمایا: میں نے ظهیریه کے باب مایکره فی الصلاة میں لکھا دیکھا کہ "مفہوم مخالف سے دلیل لینا جائز ہے"۔اسے **شمس الائمہ سرخسی** علیہ رحمۃ اللہ القوی نے **السیر الکبیر** میں ذکر کیا اور فرمایا کہ **امام محمد** علیہ رحمۃ اللہ الصمد نے **السیر الکبیر** میں مذکور مسائل کی بناء مفہوم مخالف سے لینے کے جواز پر فرمائی ہے اور اسی طرف **علامہ خصاف** علیہ رحمۃ اللہ الوھاب کا میلان ہے، اور اسی پر آپ نے مسائل حیل کی بناء رکھی ہے۔ **المصفی** کتاب النکاح میں ہے "کسی چیز کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس کے ماعدا کی نفی پر دلالت نہیں کرتا"۔ ہم کہتے ہیں کسی چیز کو روایات میں، لوگوں کی عام گفتگو میں

اور معقولات میں بالخصوص ذکر کرنا اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت کرتا ہے، (المصفی کی عبارت مکمل ہوئی جو کہ کتاب النکاح میں مذکور ہے)۔ خزانۃ الروایات میں ہے: "روایت میں موجود قید سے اس کے ماسوا کی نفی ہو جاتی ہے"۔ اور سراجیہ میں ہے: بہر حال لوگوں کی باہمی گفتگو خبر کے قبیل سے ہے، پس بلاشبہ کسی چیز کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت کرتا ہے اسی طرح امام سرخسی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے ذکر کیا ہے" (ان کا کلا مکمل ہوا)۔ میں (علامہ بیری) کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ السیر الکبیر میں مذکور بات پر عمل ہونا چاہئے جیسا کہ امام خصاف علیہ رحمۃ اللہ التواب نے اسے کتاب الحیل میں اختیار کیا ہے اور ہم نے اس قول کی مخالفت کرتے کسی کو نہیں دیکھا "واللہ اعلم (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مفہوم مخالف سے دلیل لینے کے جواز پر عمل ہے، لیکن یہ مطلق نہیں بلکہ کلام شارع کے ماسوا کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ ہماری سابقہ تقریر سے آپ نے جان لیا، ورنہ السیر الکبیر میں ہم نے مفہوم مخالف پر مطلقاً عمل کرنے کا جواز دیکھا ہے حتی کہ کلام شارع میں بھی، چنانچہ امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد نے باب آنیہ المشرکین وذبائحھم میں ذکر کیا "کہ عیسائی حربی عورتوں سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے اور حضور علیہ السلام کی اس حدیث پاک سے استدلال کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ہجر کے مشرکوں کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں انہیں اسلام کی دعوت دی، ان میں سے جو اسلام لے آئے گا اس کا اسلام مقبول ہوگا، جو اسلام قبول نہیں کرے گا اس پر جزیہ مقرر ہوگا، اس مکتوب میں یہ بھی تھا کہ ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے۔ شمس الائمہ سرخسی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس کی شرح میں فرمایا: گویا امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجوس کے ساتھ ان امور کو خاص کر دینے سے اس بات پر استدلال کیا کہ کتابی عورتوں سے نکاح کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد نے اپنی اس کتاب کی بنیاد اس قاعدہ پر رکھی ہے کہ مفہوم مخالف حجت ہے اور اس بات کا بیان اپنے مقام پر آئے گا"۔

پھر چار ابواب کے بعد باب مایجب من طاعۃ الوالی میں امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد کا یہ قول مذکور ہے "اگر امیر لشکر کے منادی نے یہ اعلان کیا کہ جو جانوروں کا چارہ حاصل کرنا چاہتا ہے وہ فلاں کے جھنڈے کے تحت باہر نکل آئے، پس یہ قول بمنزلہ نہی کے ہے، معنی یہ ہے کہ جھنڈے

والے کے ساتھ نکلنے کے بعد اس جھنڈے والے سے علیحدہ ہونے کی ممانعت ہے۔ ہم یہ بات بیان کر چکے کہ امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد نے اس کتاب کی بنیاد اس قاعدہ پر رکھی ہے کہ مفہوم مخالف حجت ہے اور ہمارے نزدیک ظاہر مذہب یہ ہے کہ مفہوم مخالف حجت نہیں ہے، مفہوم صفت اور مفہوم شرط اس معاملے میں یکساں ہیں، لیکن امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد نے اس نوع میں اس مقصود کا اعتبار کیا ہے جیسے اکثر لوگ سمجھتے ہیں کیونکہ عموماً جنگجو لوگ حقائق علوم سے واقف نہیں ہوتے ان کے امیر نے ان الفاظ کے ذریعے لوگوں کو فلاں شخص کے جھنڈے کے تحت آئے بغیر نکلنے سے منع کیا ہے۔ اسی سبب سے امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد نے اس کلام کی دلالت النص کو صراحت کردہ بات کی طرح قرار دیا ہے"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

اس عبارت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ظاہر مذہب یہی ہے کہ مفہوم مخالف حجت نہیں ہے حتی کہ عام لوگوں کے کلام میں بھی یہ حجت نہیں ہے کیونکہ امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد نے اس باب میں جو مسئلہ بیان کیا ہے اس میں مذکور امیر کا کلام کلام الناس ہے کلام شارع کے قبیل سے نہیں ہے اور یہ بات اس بات کے موافق ہے، جو پہلے الاشباہ کے حوالے سے گزری چکی، ظاہر یہی ہے کہ مفہوم مخالف لوگوں کے کلام میں حجت ہونے کا قول متاخرین کا ہے جیسا کہ شرح التحریر کی ماقبل مذکور عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ شاید متاخرین مفہوم مخالف کو حجت قرار دینے کا ماخذ وہ قول ہے جسے ابھی ہم السیر الکبیر کے حوالے نقل کر چکے۔ السیر الکبیر ظاہر الروایت کی چھ کتب میں سے ایک ہے، بلکہ یہ ان میں کی آخری تصنیف ہے، پس اسی کتاب کے مشمولات پر عمل ہوگا جیسا کہ ہم ماقبل نظم میں یہ بات بیان کر چکے۔

ضمنی فوائد

۱......السیر الکبیر للامام محمد بن الحسن الشیبانی مع شرحہ للامام السرخسی، باب الثلاثون آنیۃ المشرکین وذبائحھم وطعامھم، ص ۱۰۵۔

۲......السیر الکبیر للامام محمد بن الحسن الشیبانی مع شرحہ للامام السرخسی، باب (۳۴) مایجب من طاعۃ الوالی ومالا یجب، ص ۱۰۵۔

لا اعتبار للمفہوم فی کلام الشارع

(والحاصل) ان العمل الآن على اعتبار المفهوم فى غير كلام الشارع لان التنصيص على الشئ فى كلامه لايلزم منه ان يكون فائدته النفى عما عداه، لأن كلامه معدن البلاغة فقد يكون مراده غير ذلك كما فى قوله تعالى ﴿وربائبكم اللاتى فى حجوركم﴾ فان فائدة التقييد بالحجور كون ذلك هو الغالب فى الربائب ،وأما كلام الناس فهو خال عن هذه المزية فيستدل بكلامهم على المفهوم لأنه المتعارف بينهم وقد صرح فى شرح السير الكبير" بان الثابت بالعرف كالثابت بالنص" وهو قريب من قول الفقهاء "المعروف كالمشروط" ......[1].

وحينئذٍ فماثبت بالعرف فكان قائله نص عليه فيعمل به و كذا يقال فى مفهوم الروايات فان العلماء جرت عادتهم فى كتبهم على انهم يذكرون القيود والشروط ونحوها تنبيها على اخراج ماليس فيه ذلك القيد ونحوه، وان حكمه مخالف لحكم المنطوق، وهذا مما شاع وذاع بينهم بلا نكير، ولذا لم ير من صرح بخلافه، نعم ذلك اغلبى كما عزاه القهستانى فى شرح النقاية الى حدود النهاية ومن غير الغالب قول الهداية: "وسنن الطهارة غسل اليدين قبل ادخالهما الاناء اذااستيقظ المتوضى من نومه ......[2]".

فان التقييد بالاستيقاظ اتفاقى وقع تبركا بلفظ الحديث فان السنة تشمل المستيقظ وغيره عند الأكثرين وقيل انه احترازى لاخراج غير المستيقظ واليه مال شمس الآئمة الكردرى. (وقولى) مالم يخالف لصريح ثبتا...... اى ان المفهوم حجة على ما قررناه اذا لم يخالف صريحا، فان الصريح مقدم على المفهوم كما صرح به الطرسوسى وغيره، وذكره الاصوليون فى ترجيح الادلة فان القائلين باعتبار المفهوم فى الأدلة الشرعية انما يعتبرونه اذا لم يأت صريح بخلافه فيقدم الصريح ويلغى المفهوم. والله تعالى اعلم.

کلام شارع میں مفہوم کا اعتبار!

خلاصہ: یہ ہے کہ اب عمل کلام شارع کے علاوہ میں مفہوم مخالف کے معتبر ہونے پر ہے، کیونکہ کلام شارع میں صراحۃً کسی چیز کے مذکور ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا فائدہ اس کے

ماسوا کی نفی کرنا ہے کیونکہ کلام شارع بلاغت کا سرچشمہ ہے، کبھی اس سے مراد کچھ اور ہوتا ہے جیسا کہ اللہ ﷻ کے اس فرمان میں ہے ﴿وربائبکم التی فی حجورکم (النساء:۲۳)﴾ اس آیت مبارکہ میں فی حجورکم کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ عموماً یہ لڑکیاں دوسرے شوہر کی پرورش میں رہتی ہیں اس لیے اسے ذکر کردیا، اور بہر حال لوگوں کا کلام اس طرح کے فوائد سے خالی ہوتا ہے اسی بناء پر ان (یعنی لوگوں) کے کلام سے مفہوم مخالف لینے پر استدلال کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ چیز خود ان کے مابین متعارف ہے۔ السیر الکبیر میں شارح نے تصریح کی ہے کہ ''جو شے عرف سے ثابت ہو نص سے ثابت شدہ سے کی طرح ہوتی ہے'' یہ قول فقہاء کے اس قول کے قریب ہے ''المعروف کالمشروط'' تو اس صورت میں جو چیز عرف سے ثابت ہوگی تو وہ اسی طرح ہوگی جیسا کہ خود قائل نے اس بات کی تصریح کی ہو، پس اس کے موافق عمل کیا جائے گا اور یہی بات روایات کے مفہوم مخالف کے بارے میں بھی کہی جائے گی کیونکہ علماء کی عادت جاریہ ہے کہ وہ اپنی کتب میں قیودات اور شرائط وغیرہ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے ذکر کرتے ہیں کہ جس شے میں یہ قید وغیرہ موجود نہ ہو وہ حکم سے خارج ہے اور اس کا حکم منطوق (مذکور) کے حکم کے برخلاف ہے اور یہ چیز علماء کے مابین بلانکیر عام و معروف ہے اسی سبب سے اس بات کا کوئی مخالف نظر نہیں آیا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ کوئی کلی بات نہیں بلکہ اغلبی ہے جیسا کہ قہستانی نے شرح نقایۃ میں اس بات کو نہایۃ کی کتاب الحدود کی طرف منسوب کیا ہے اور غیر غالب کے بارے میں صاحب ھدایۃ کا یہ قول ہے ''سنن الطھارۃ غسل الیدین قبل ادخالھما الاناء اذا استیقظ المتوضی من نومہ'' یہاں سو کر بیدار ہونے کی قید اتفاقی ہے جو کہ الفاظ حدیث سے برکت لینے کے لئے ذکر کی گئی ہے ورنہ یہ سنت اکثر علماء کے نزدیک دونوں طرح کے افراد کو شامل ہے، خواہ وہ نیند سے بیدار ہو کر وضو کر رہا ہو یا بغیر سوئے۔ ایک قول یہ ہے کہ قید احترازی ہے اور اس کا مقصد اس شخص کو اس حکم سے خارج کرنا ہے جو پہلے سے بیدار ہو اور شمس الائمہ کردری علیہ رحمۃ اللہ الغنی کا اسی قول کی طرف میلان ہے۔

میرے شعر کا یہ مصرع مالم یخالف لصریح ثبتا...... مفہوم مخالف جب کہ صریح ثابت شدہ بات کے مخالف نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تقریر کے مطابق مفہوم مخالف اس وقت لیا جاتا ہے جب کہ وہ کسی صریح بات کے مخالف نہ ہو کیونکہ صریح بات مفہوم مخالف پر مقدم ہے جیسا کہ علامہ طرطوسی علیہ رحمۃ اللہ الغنی وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے۔ اور اصولیین نے اسے

ترجیح الادلۃ کی بحث میں ذکر کیا ہے اور جو حضرات دلائل شرعیہ میں مفہوم مخالف کے معتبر ہونے کے قائل ہیں وہ بھی مفہوم مخالف کو اس وقت حجت مانتے ہیں جب کہ صریح بات اس کے برخلاف نہ ہو۔ اگر مفہوم مخالف کے مقابل صریح ہو تو صریح مقدم ہوگا اور مفہوم مخالف اس صورت میں لغو ہو جائے گا۔ واللہ تعالی اعلم.

ضمنی فوائد

1......الاشباہ والنظائر ،القاعدۃ السادسۃ،فصل فی تعارض العرف مع الشرع ،ص ۹۹۔

2......ھدایۃ مع بدایۃ المبتدی ، کتاب الطھارۃ ،ج ۱، ص ۲۴۔

☆......والعرف فی الشرع لہ اعتبار لذا علیہ الحکم قد یدار .

شریعت میں عرف معتبر ہے اسی بناء پر کبھی اس پر حکم کا مدار ہوتا ہے۔

حد العرف والعادۃ واعتبارھما

قال فی المستصفی :''العرف والعادۃ مااستقر فی النفوس من جھۃ العقول وتلقتہ الطباع السلیمۃ بالقبول'' انتھی. وفی شرح التحریر: ''العادۃ ھی الامر المتکرر من غیر علاقۃ عقلیۃ ''انتھی. (وفی) الاشباہ والنظائر:'' السادسۃ العادۃ محکمۃ واصلھا قولہ صلی اللہ علیہ وسلم (مارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن) 1......''واعلم ان اعتبار العادۃ والعرف یرجع الیہ فی مسائل کثیرۃ حتی جعلوا ذلک اصلا، فقالوا: تترک الحقیقۃ بدلالۃ الاستعمال والعادۃ.

عرف وعادت کی حد بندی اور ان کا اعتبار!

المستصفی میں فرمایا:''عرف وعادت (ا) وہ ہوتا ہے جو عقل کی جہت سے دلوں میں گھر کرلے اور طبیعت سلیمہ اسے قبول کرلے''۔(ان کا کلا مکمل ہوا)۔شرح التحریر میں ہے ''عادت وہ امر ہے جس کی تکرار بغیر کسی عقلی تعلق کے بار بار ہو''۔(ان کا کلام مکمل ہوا)۔

الاشباہ النظائر میں ہے:''چھٹا قاعدہ عادت کا فیصلہ کن ہونا ہے اور اس کی دلیل حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ فرمان ہے (مارآہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن) ہے یعنی جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی اچھی ہے۔'' جان لیجئے! کہ کئی مسائل میں

عادت وعرف کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، حتی کہ فقہاء نے اسے باقاعدہ ایک اصل قرار دیکر فرمایا کہ ''استعمال اور عرف کی دلالت کے سبب لفظ کی حقیقت کو ترک کر دیا جائے گا''۔

ضمنی فائدہ

......۱ ......الاشباہ و النظائر ،القاعدۃ السادسۃ العادۃ المحکمۃ، ص ۹۳۔

(۱) **عرف کا لغوی معنی**: عرف ،عرفان، عارفہ اور معروف ، یہ سب ہم معنی ،اور نکر یعنی اجنبی کی ضد ہیں ۔اور لغت میں عرف ہر اس بھلائی کو کہتے ہیں ،جس کی معرفت نفس کو حاصل ہو،اور نفس اس سے مطمئن ہو۔اور نفس با ضمہ ہو تو اس کا معنی سخاوت ہے۔اور عُرف اس چیز کو بھی کہتے ہیں، جسے تو خرچ کرے، اور دوسرے کو عطا کرے۔ نیز عُرف اعتراف کو بھی کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے: مجھ پر عرف کے طور پر، ہزار روپے لازم ہیں یعنی :بطورِ اعتراف ہزار روپے لازم ہیں۔

توضیح التعریف: یہ تعریف ان اشیاء کو بھی شامل ہے جن کی معرفت نفوس حاصل کرتے ہیں اور ان سے مانوس ہو جاتے ہیں اب خواہ ان کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے ،اور ذوقِ سلیم رکھنے والے افراد ان کا انکار نہ کریں اور کسی چیز کا نفوس میں قرار پکڑنا اور طبیعتوں کا قبول کرنا بار بار استعمال کرنے کے سبب ہوتا ہے اور یہ چیز اس امر کی طرف مائل ہونے اور رغبت کرنے کے سبب صادر ہوتی ہے ۔اور عرف کی اس تعریف سے عرفِ فاسد خارج ہو جائیگا اور عرفِ فاسد سے مراد وہ چیزیں ہیں جو عقل کی جہت سے قرار نہ پکڑیں۔ جیسے: نشہ آور اشیاء کا لین دین کرنا،اور مختلف گناہ جو کہ بجہتِ عقل نہیں بلکہ ھوائے نفس اور خواہشاتِ نفسانی کی جہت سے نفوس میں قرار پکڑتے ہیں

بطریق ضبط و ترتیب اس تعریف سے چند امور واضح ہوئے :

☆ تعریف میں مذکور لفظِ **ما** عرفِ قولی اور فعلی دونوں کو شامل ہے کہ **ما** صیغہ عام ہے۔

☆ **استقر فی النفوس** کی قید سے وہ چیزیں نکل گئیں جو شاذ و نادر پائی جاتی ہوں اور انہیں لوگوں نے اپنی عادت نہ بنایا ہو کہ اسے بھی عرف شمار نہیں کیا جائیگا۔

☆ **من جھۃ العقول** کی قید سے وہ امور خارج ہو جائینگے جو نفس میں ھوی اور نفسانی خواہشات کی جہت سے قرار پکڑیں۔

☆ **تلقتہ الطباع السلیمۃ** کی قید سے وہ امور خارج ہو جائینگے جنہیں تمام یا بعض عقلِ سلیم ناپسند قرار دے اور ان کا انکار کر دے، کہ عقلِ سلیم جس کا انکار کر دے گی وہ امور بھی معروف نہیں،

بلکہ غیر معروف ہوں گے۔ (المصباح، ص۴۱۱،۴۱۰)

عادت کا لغوی معنی: طریقہ اور کسی ایک چیز پر ہمیشگی کرنا ہے۔ عادت کو عادت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عادت والا آدمی امرِ اوّل کی طرف واپس آتا ہے، یعنی دوبارہ سے اس کام کو انجام دیتا ہے۔ عادت کی جمع عادات اور عوائد آتی ہے۔ تاج العروس میں عادت کا معنی یوں بیان کیا گیا ہے: عادت یہ ہے کہ بار بار پائے جانے والے ایسے امور جو طبیعتِ سلیمہ کے حامل افراد کے نزدیک معقول ہوں انکا نفس میں قرار پکڑنا۔

توضیح التعریف: تعریف میں مذکور لفظ الامر عادتِ قولیہ، وفعلیہ دونوں کو شامل ہے۔

لفظ المتکرر سے مفہوم ہوتا ہے کہ عادت میں شے مکررہ کا حصول یکے بعد دیگرے ہو، اس قید سے وہ امر خارج ہوگیا جو ایک بار میں حاصل ہو یا جو کبھی کبھار حاصل ہوتا ہو، کہ ایسے امر سے نہ تو عادت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی اس پر حکم کی بناء ہوتی ہے۔

من غیر علاقہ عقلیہ کی قید سے وہ امور خارج ہوگئے جن میں علاقہ عقلیہ پایا جاتا ہو جیسا کہ مؤثر کی موجودگی کی وجہ سے حدوثِ اثر کا تکرار علیت کے علاقہ کی وجہ سے اور اس قید کی بناء پر تعریف عام ہو جائیگی اور ہر امر متکرر کو شامل ہوگی، خواہ وہ قول ہو یا فعل، کسی ایک فرد سے صادر ہو یا جماعت سے، خواہ وہ عادت طبعی سبب کی بناء پر پیدا ہوئی ہو جیسا کہ گرم علاقوں میں انسان کا جلد اور سرد علاقوں میں دیر سے بالغ ہونا، یا وہ عادت خواہشِ نفسانی کی وجہ سے، یا فاسد اخلاق یا کسی نو پید خاص سبب کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ (المصباح، ص۴۱۳،۴۱۲)

الاعتبار للعرف العام فقط

ثم ذکر فی الاشباہ: "اما العادۃ انما تعتبر اذا طردت او غلبت ولذا قالوا فی البیع لو باع بدراھم او دنانیر فی بلد اختلف فیھا النقود مع الاختلاف فی المالیۃ والرواج انصرف البیع الی الاغلب، قال فی الھدایۃ: لانہ ھو المتعارف فینصرف المطلق الیہ اھ "وفی شرح البیری عن المبسوط:" الثابت بالعرف کالثابت بالنص......اِ".

اعتبار فقط عام عرف کا ہے!

پھر علامہ ابن نجیم نے الاشبــــاہ میں فرمایا: ''عادت معتبر ہے جب کہ وہ باکثرت مستعمل ہو یا غالب آچکی ہو، اسی سبب سے علماء نے بیع کے مسئلہ میں فرمایا اگر کسی شخص نے دراہم ودنانیر کے بدلے کسی چیز کو ایسے شہر میں فروخت کیا جہاں مختلف نقدیاں رائج ہوں اوران کی مالیت بھی مختلف ہو تو ایسی صورت میں بیع کو غالب استعمال ہونے والی نقدی کی طرف پھیرا جائے گا''۔ علامہ برہان الدین علیہ رحمۃ اللہ المبین نے ھدایۃ میں فرمایا: ''کیونکہ غالب استعمال ہونے والی نقدی ہی متعارف ہے پس مطلق نقدی کو اسی کی طرف پھیرا جائے گا''۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ شـرح بیری: میں مبسوط کے حوالے سے ہے: ''عرف سے ثابت ہونے والی شے نص سے ثابت شدہ شے ہی کی طرح ہے''۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فوائد

......۱ الاشباہ والنظائر ،القاعدۃ السادسۃ :العادۃ محکمۃ، ص ۹۵۔

تتغیر الاحکام بالعرف والضرورۃ

(ثم اعلم) ان کثیرا من الاحکام التی نص علیها المجتهد صاحب المذهب بناء علی ما کان فی عرفه وزمانه قد تغیرت بتغیر الأزمان بسبب فساد أهل الزمان او عموم الضرورة کما قدمناه من افتاء المتأخرین بجواز الاستئجار علی تعلیم القرآن وعدم الاکتفاء بظاهر العدالة ......۱ ،مع أن ذلک مخالف لما نص علیه ابو حنیفة، ومن ذلک تحقق الاکراه من غیر السلطان مع مخالفته لقول الامام بناء علی ما کان فی عصره أن غیر السلطان لایمکنه الاکراه، ثم کثر الفساد فصار یتحقق الاکراه من غیره فقال محمد باعتباره وافتی به المتأخرون ......۲. ومن ذلک تضمین الساعی مع مخالفته لقاعدة المذهب من أن الضمان علی المباشر دون المتسبب، ولکن افتوا بضمانه زجرا لفساد الزمان بل افتوا بقتله زمن الفتنة ......۳. ومنه تضمین الاجیر المشترک ......۴، وقولهم ان الوصی لیس له المضاربة بمال الیتیم فی زماننا ......۵. وافتاؤهم بتضمین الغاصب عقار الیتیم والوقف ،وعدم اجارته اکثر من سنة فی الدور، واکثر من

ثلاث سنین فی الاراضی ......٦ ......، مع مخالفته لاصل المذهب من عدم الضمان وعدم التقدیر بمدة......٧......ومنعهم القاضی ان یقضی بعلمه......٨......، وافتاؤهم بمنع الزوج من السفر بزوجته وان اوفاها المعجل لفساد الزمان......٩......، وعدم سماع قوله انه استثنی بعد الحلف بطلاقها الا ببینة مع أنه خلاف ظاهر الروایة وعللوا بفساد الزمان ......١٠......وعدم تصدیقهابعد الدخول بها ،بانها لم تقبض ما اشترط لها تعجیله من المهر مع انها منکرة للقبض وقاعدة المذهب ان القول للمنکر لکنها فی العادة لاتسلم نفسها قبل قبضه ......١١......وکذا قالوا فی قوله" کل حل علی حرام" یقع به الطلاق للعرف ،قال مشایخ بلخ وقول محمد لایقع الا بالنیة، اجاب به علی عرف دیارهم اما فی عرف بلادنا فیریدون به تحریم المنکوحة فیحمل علیه ،نقله العلامة قاسم، نقل عن مختارات النوازل: "ان علیه الفتوی لغلبة الاستعمال بالعرف......١٢......، ثم قال: قلتُ :ومن الالفاظ المستعملة فی هذا فی مصرنا الطلاق یلزمنی، والحرام یلزمنی ،وعلی الطلاق ،وعلی الحرام ......١٣......"اه.

وکذا مسئلة دعوی الاب عدم تملکیه البنت الجهاز، فقد بنوها علی العرف مع ان القاعدة ان القول للمملک فی التملیک وعدمه.وکذا جعل القول للمرأة فی مؤخر صداقها مع أن القول للمنکر ......١٤......، وکذا قولهم المختار فی زماننا قولهما فی المزارعة والمعاملة والوقف، لمکان الضرورة والبلوی ......١٥......،وقول محمد بسقوط الشفعة اذا اخرطلب التملک شهرا دفعا للضرر عن المشتری ......١٦......،وروایة الحسن بان الحرة العاقلة البالغة لوزوجت نفسها من غیر کفو لایصح ......١٧......، وافتاؤهم بالعفو عن طین الشارع للضرورة ......١٨......، وببیع الوفاء ......١٩...... والاستصناع ......٢٠...... والشرب من السقابلابیان مقدارما یشرب ،ودخول الحمام بلا بیان مدة المکث......٢١...... ومقدار مایصب من الماء واستقراض العجین والخبز بلاوزن وغیر ذلک مما بنی علی العرف وقد ذکر من ذلک فی الاشباه مسائل کثیرة.

(فهذه) كلها قد تغيرت احكامها لتغير الزمان اما للضرورة واما للعرف ، واما القرائن الاحوال وكل ذلك غير خارج عن المذهب لان صاحب المذهب لو كان في هذا الزمان لقال بها، ولو حدث هذا التغير في زمانه لم ينص على خلافها وهذا الذى جرأ المجتهدين في المذهب واهل النظر الصحيح من المتأخرين على مخالفة المنصوص عليه من صاحب المذهب في كتب ظاهر الرواية بناء على ماكان في زمنه كما مرتصريحهم به في مسئلة كل حل على حرام من ان محمدابنى ماقاله على عرف زمانه وكذا ماقدمناه في الاستئجار على التعليم.

عرف اور ضرورت کی وجہ سے احکام میں تبدیلی

پھر جان لیجئے! کہ بہت سے احکام جن کی تصریح صاحب مذہب مجتہد نے اپنے عرف اور زمانے کی بناء پر کی تھی، وہ تغیر زمانہ کی وجہ سے تبدیل ہو گئے اور ان مسائل کے تغیر کا سبب یا تو اہل زمانہ میں فساد آجانا ہے یا پھر عمومی ضرورت کا درپیش آنا ہے، جیسا کہ ہم نے ماقبل متاخرین علماء کے فتاوی ذکر کئے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور گواہوں کی ظاہری عدالت کافی نہیں ہے حالانکہ یہ فتاوی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کی تصریحات کے خلاف ہیں۔

اور یونہی ایک مسئلہ غیر سلطان کی طرف سے اکراہ کا متحقق ہونا ہے حالانکہ یہ مسئلہ بھی امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کے بر خلاف ہے۔ امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے بیان کردہ مسئلہ کا مبنیٰ یہ تھا کہ ان کے زمانہ میں غیر سلطان کی طرف سے اکراہ کیا جانا ممکن نہیں تھا پھر اہل زمانہ کے حالات خراب ہو گئے تو غیر سلطان کی طرف سے بھی اکراہ متحقق ہونے لگا، پس امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد نے اس اکراہ کو معتبر قرار دیا اور متاخرین نے اسی قول پر فتوی دیا ہے۔

اور یونہی ایک مسئلہ ساعی کو ضامن بنانے کا ہے حالانکہ یہ مسئلہ بھی قواعد مذہب کے خلاف ہے کہ ضمان تو مباشر پر لازم ہوتا ہے نہ کہ سبب بننے والے پر، لیکن متاخرین علماء نے فسادِ زمانہ کی وجہ سے بطور زجر ساعی کے ضامن ہونے کا فتوی دیا بلکہ فتنہ کے زمانے میں اس کو قتل کر دینے کا فتوی دیا۔ یونہی اجیر مشترک (یعنی دھوبی وغیرہ) کو نقصان کا ضامن قرار دینے کا مسئلہ ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں وصی کے لئے مال یتیم کے ساتھ مضاربت

کرنا جائز نہیں ہے۔ یونہی متاخرین نے یتیم کی غیر منقول جائداد اور وقفی جائداد غصب کرنے والے کو بھی ضامن قرار دیا ہے۔ رہائشی مکانات ایک سال سے زیادہ اور صحرائی اراضی تین سال سے زائد عرصہ کیلئے اجارہ پر دینے کے عدمِ جواز کا فتوی دیا۔ حالانکہ اصل مذہب ضمان کا واجب نہ ہونا اور اجارہ کا مخصوص مدت کے ساتھ خاص نہ ہونا ہے۔

یونہی متاخرین فقہاء کا قاضی کو اپنے ذاتی علم کی بناء پر فیصلہ سنانے سے روک دینے کا فتوی دینا۔

یونہی متاخرین نے یہ فتوی دیا کہ بیوی کا مہر معجّل (۱) ادا کرنے کے باوجود شوہر اسے دور منتقل نہیں کرسکتا، فسادِ زمانہ کے سبب یہ فتوی دیا گیا ہے۔ یونہی متاخرین نے فتوی دیا کہ شوہر کی یہ بات بغیر گواہ کے نہیں مانی جائے گی کہ اس نے بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھانے کے بعد ان شاء اللہ کہہ دیا تھا حالانکہ یہ مسئلہ ظاہر الروایۃ کے برخلاف ہے۔ متاخرین نے اس مسئلہ کی علت فسادِ زمانہ کو قرار دیا۔

یونہی متاخرین کا یہ فتوی کہ بعد صحبت عورت کی اس بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی کہ میں نے مہر معجّل جو مشروط تھا اس پر قبضہ نہیں کیا، اس بات کے باوجود کہ عورت یہاں پر قبضہ کرنے کی منکر ہے اور ہمارے مذہب کا قاعدہ ہے کہ قول منکر کا ہوتا ہے (یعنی منکر کی بات قابل قبول ہوتی ہے)۔ لیکن عرف یہ ہے کہ عورت مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے تسلیم نفس نہیں کرتی۔ یونہی متاخرین فقہاء نے شوہر کے اس قول کے بارے میں فتوی دیا کہ اگر شوہر کہے "ہر حلال مجھ پر حرام ہے" تو عرف کی بناء پر کہنے والے کی بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی، یہ مشائخ بلخ کا قول ہے۔ امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد کا قول یہ ہے کہ بغیر نیت کے طلاق واقع نہ ہوگی۔ آپ علیہ الرحمۃ کا یہ جواب سائلین کے عرف کے مطابق تھا۔ بہر حال ہمارے شہروں میں ان الفاظ سے مراد منکوحہ کو حرام کرنا ہوتا ہے پس ان الفاظ کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ اس بات کو علامہ قاسم علیہ الرحمۃ نے نقل کیا اور مختارات النوازل کے حوالے سے منقول ہے کہ اسی قول پر فتوی ہے کہ عرف میں اس کا استعمال غالب ہو چکا ہے۔

پھر مزید فرمایا میں (علامہ قاسم) کہتا ہوں ہمارے شہروں میں بیوی کو حرام کرنے کے لئے جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں من جملہ ان میں سے یہ ہیں **الطلاق یلزمنی** مجھ پر طلاق دینا لازم ہے، **الحرام یلزمنی** مجھ پر حرام کرنا لازم ہے، **علی الطلاق** مجھ پر طلاق دینا لازم ہے، **علیّ الحرام** مجھ پر حرام (کرنا) لازم ہے۔

اور یونہی باپ کا دعوی دائر کرنے کا مسئلہ ہے کہ اس نے اپنی بیٹی کو جہیز کے سامان کا

مالک نہیں بنایا تھا، علماء نے اس مسئلہ کی بناء بھی عرف پر رکھی ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ مالک بنانے اور نہ بنانے میں مملک (اوّلا مالک بنانے والے) کا قول معتبر ہوتا ہے۔ ادھار مہر کے سلسلے میں عورت کی بات تسلیم کرنا حالانکہ منکر کی بات مانی جاتی ہے۔ یونہی متاخرین علماء کا یہ فرمانا کہ ہمارے زمانے میں ضرورت اور عموم بلوی کے سبب مزارعت معاملۃ اور وقف کے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتوی ہے۔ یونہی امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد کا حق شفعہ کو ساقط قرار دینا جب کہ شفیع نے ایک ماہ تک طلب تملک کو مؤخر کردیا ہو، فتوی مشتری سے ضرر دور کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اور امام حسن کی روایت کہ آزاد عاقل بالغ لڑکی اگر خود سے اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے تو وہ نکاح درست نہ ہوگا۔ اور یونہی متاخرین کا ضرورت کے پیشِ نظر راستے کی کیچڑ کو عفو قرار دینا۔

بیع الالوفاء اور استصناع کے جواز کا فتوی دینا، پانی پینے کی مقدار بیان کئے بغیر سقہ سے پانی پیئے، حمام میں ٹھرنے کی مدت اور استعمال کئے جانے والے پانی کی مقدار بیان کئے بغیر حمام میں جانا آنا اور روٹی بغیر وزن کئے ادھالے لینا وغیرہ مسائل، تغیر زمانہ کی وجہ سے تبدیل ہوتے ہیں اس تبدیلی کا سبب یا تو ضرورت ہے یا عرف یا قرائن احوال، لیکن یہ تمام ہی مسائل مذہب سے خارج نہیں ہیں کیونکہ اگر صاحبِ مذہب نے اس زمانے میں ہوتے تو یہی بات ارشاد فرماتے جو متاخرین علماء نے کہی ہے۔ اور اگر یہ تبدیلی ان کے زمانہ میں ہوئی ہوتی تو وہ اس کے برخلاف تصریح نہ کرتے اور یہی وہ بات ہے جس نے مجتہد فی المذہب اور نظر صحیح کے مالک متاخرین علماء میں، صاحب مذہب نے ظاہر الروایت میں صراحت کرکے مسائل کی مخالفت کرنے کی جرأت پیدا کی کہ صاحب مذہب ان مسائل کی بنیاد اپنے زمانے پر رکھی تھی جیسا کہ اس پر فقہاء کی تصریح "کل حل حرام" والے مسئلہ میں گزری کہ امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد کے قول کی بنیاد ان کے زمانے کے عرف پر تھی جیسا کہ ہم نے تعلیم القرآن پر اجارہ کا جواز بھی پہلے بیان کیا تھا

ضمنی فوائد

......1......ھدایۃ مع بدایۃ المبتدی، کتاب الاجارات، باب الاجارۃ الفاسدۃ، ج۶، ص ۲۹۷۔

......2......ھدایۃ مع بدایۃ المبتدی، کتاب الاکراہ، ج۶، ص ۴۳۲۔

......3......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الغصب، مطلب فی ضمان الساعی، ج۹، ص ۳۰۸۔

۴......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الاجارۃ وقد جوزھا فی القدور، ج۹، ص۲۲۔

۵......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الوصایا، باب الوصی وھو، ج۱۰، ص۴۲۶۔

۶......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الغصب، مطلب فی ضمان منافع، ج۹، ص۳۰۰۔

۷......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الاجارۃ، مطلب فی الاجیر الخاص، ج۹، ص۹۶۔

۸......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب القضاء، مطلب فی حکم القاضی، ج۸، ص۱۱۹۔

۹......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب النکاح، مطلب فی السفر بالزوجۃ، ج۴، ص۲۹۴۔

۱۰......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب التعلیق، مطلب فیمالوادعی الاستثناء، ج۴، ص۶۲۹۔

۱۱......ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المھر، مطلب فی احکام الخلوۃ، ج۴، ص۲۵۹، ملخصاً۔

۱۲......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب الکنایات، ج۴، ص۵۳۰۔

۱۳......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطلاق، مطلب سنن بوش یقع بہ، ج۴، ص۴۵۹۔

۱۴......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المھر مطلب فی دعوی الاب، ج۴، ص۳۰۹۔

۱۵......ردالمحتار علی الدرالمختار، مقدمۃ الکتاب، مطلب اذا تعارض التصحیح، ج۱، ص۱۷۳۔

۱۶......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الشفعۃ، باب مایبطلھا، ج۹، ص۳۵۲۔

۱۷......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب النکاح، باب الکفائۃ، ج۴، ص۲۰۶۔

۱۸......ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطھارۃ، مطلب فی العفو عن، ج۱، ص۵۳۰۔

۱۹......**بیع الوفاء:** بائع اور مشتری کے مابین ایک قسم کے عہد کا نام ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں نے اپنی یہ چیز تمہیں اتنے میں بیچی، جب میں تمہیں تمہارا دین لوٹا دوں تو تم مجھے میری چیز واپس کردینا۔ بعض فقہاء نے اس قسم کی بیع کو سود سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے ضرورت کی وجہ سے جائز کہا ہے۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب المصرف، مطلب فی بیع الوفاء، ج۷، ص۵۴۵، ملخصاً)

۲۰......استصناع: لغوی معنی کام کا عوض طلب کرنا ہے جب کہ شرعی معنی یہ ہیں کہ مخصوص ومعلوم (نوع، قدر، صفت وغیرہ کے حوالے سے) کام کا عوض طلب کرنا استصناع کہلاتا ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب السلم، مطلب فی الاستصناع، ج۷، ص ۴۷۴)۔

۲۱......هداية مع بداية المبتدی، کتاب الاجارات، باب اجارة الفاسدة، ج٦، ص ۲۹٤۔

(ا) مہر معجل وہ مہر، یا پارہ مہر کا ہے جس کا ادا کرنا فوراً قرار پایا ہو، خواہ ازروئے شرط کہ نفس عقد نکاح میں تعجیل مذکور ہو یا عقد کے بعد شرطِ تعجیل ٹھہری، خواہ ازروئے عرف جبکہ وہ شرط صحیح کے مخالف نہ واقع ہو یہ مہر فوراً واجب الاداء ہوتا ہے۔ (فتاوی رضویه مخرجه، ج۱۲، ص۱۴۲)

لابد للمفتی من اتباع العرف الحادث

(فان قلت) العرف يتغير مرة بعد مرة، فلو حدث عرف آخر لم يقع فی الزمان السابق فهل يسوغ للمفتی مخالفة المنصوص واتباع العرف الحادث. (قلت) نعم: فان المتأخرين الذين خالفوا المنصوص فی المسائل المارة لم يخالفوه الا لحدوث عرف بعد زمن الامام، فللمفتی اتباع عرفه الحادث فی الالفاظ العرفية، وكذا فی الأحكام التی بناها المجتهد على ما كان فی عرف زمانه وتغير عرفه الى عرف آخر اقتداء بهم.

مفتی کے لیے پرانے عرف کی پیروی ضروری ہے!

اگر آپ کہیں کہ عرف بار بار بدلتا ہے تو اگر کوئی جدید عرف ایسا پیدا ہو جائے جو سابقہ زمانے میں نہ ہو، کیا مفتی کے لئے صراحت کردہ مسئلہ کی مخالفت کرنا اور اس جدید عرف کی پیروی کرنا جائز ہوگا؟

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں، ہاں: کیونکہ جن متاخرین علماء نے سابقہ مسائل میں صراحت کردہ مسائل کی مخالفت کی، ان کے اس اختلاف کا سبب **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے زمانے کے بعد نئے عرف کا پیدا ہونا ہے۔ پس اس صورت میں الفاظ عرفیہ میں مفتی کے لئے عرف کی پیروی کرنا جائز ہے اور یونہی ان احکامات میں جن کی بنیاد مجتہد نے پرانے زمانے کے عرف پر

رکھی تھی اور اب وہ عرف دوسرے عرف کی صورت میں متغیر ہو چکا ہو تو مفتی ان حضرات کی پیروی کرتے ہوئے اب اس جدید عرف کی پیروی کرے گا۔

لا بد للمفتی من معرفة العرف المعتبر

لکن بعد ان یکون المفتی ممن له رأی ونظر صحیح ومعرفة بقواعد الشرع حتی یمیز بین العرف الذی یجوز بناء الاحکام علیه وبین غیره، فان المتقدمین شرطوافی المفتی الاجتهاد، وهذا مفقود فی زماننا، فلا قل من ان یشترط فیه معرفة المسائل بشروطها وقیودها التی کثیرا مایسقطونها ولا یصرحون بها، اعتمادا علی فهم المتفقه، وکذا لابد له من معرفة عرف زمانه واحوال اهله والتخرج فی ذلک علی استاذ ماهر ولذا قال فی آخر منیة المفتی: "لوان الرجل حفظ جمیع کتب اصحابنا لابد ان یتلمذ للفتوی حتی یهتدی الیه لان کثیرا من المسائل یجاب عنه علی عادات اهل الزمان فیما لایخالف الشریعة" انتهی .وفی القنیة :لیس للمفتی ولاللقاضی ان یحکما علی ظاهر المذهب ویترکا العرف" انتهی ونقله منها فی خزانة الروایات وهذا صریح فیما قلنا من ان المفتی لا یفتی بخلاف عرف اهل زمانه.

مفتی کے لئے معتبر عرف سے واقف ہونا ضروری ہے!

لیکن یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ مفتی صاحبُ الرائے اور نظرِ صحیح کا مالک ہو اور قواعد شرعیہ کی معرفت رکھتا ہو، تاکہ جس عرف پر احکامات کی بناء جائز ہے اسے غیر معتبر عرف سے تمیز دے سکے۔ متقدمین نے مفتی کے حق میں اجتہاد کی صلاحیت رکھنے کو شرط قرار دیا ہے۔ اور یہ شرط ہمارے زمانے میں مفقود ہے لیکن کم از کم اتنا تو ہو کہ مفتی مسائل کو ان شرائط اور قیودات کے ساتھ جانتا ہو، جن کا فقہاء فقہ حاصل کرنے والے کے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے عموماً ذکر نہیں کرتے اور ان کی تصریح نہیں کرتے، یونہی مفتی کے لئے اپنے زمانہ کے عرف اور اہل زمانہ کے حالات کی معرفت حاصل کرنا اور اس حوالے سے کسی ماہر مفتی سے تربیت لینے کے بعد ماہر ہونا ضروری ہے، اسی بناء پر منیة المفتی کے آخر میں فرمایا: "اگر کوئی شخص ہمارے آئمہ کی تمام کتب حفظ کرلے

تب بھی اس کے لیے کارِ افتاء سیکھنا ضروری ہے تا کہ وہ اس راہ تک رہنمائی پا سکے کیونکہ بہت سے مسائل کا جواب اہل زمانہ کی ان عادات کے مطابق دیا جاتا ہے جو کہ شریعت سے نہ ٹکراتی ہوں"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

قنیۃ میں ہے: "مفتی اور قاضی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ظاہر مذہب پر فیصلہ کریں (۱) اور عرف چھوڑ دیں"۔ اور خزانۃ الروایات میں بھی یہی عبارت منقول ہے اور یہ عبارت اس بارے میں صریح ہے جو ہم نے کہی کہ مفتی اپنے زمانے کے عرف کے برخلاف فتوی نہیں دے گا۔

ضمنی فوائد

(۱) امام اہلسنت فاضل بریلوی نے ایک استفتاء کے جواب میں فرمایا: اگرچہ ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے مگر اب عرف ومقاصدِ ناس قطعاً اسی پر، حاکم اور اتباعِ عرف واجب ولازم، تو یہ حقیقۃً مخالفت ظاہر نہیں بلکہ زمانِ برکت نشان حضرات آئمہ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام میں عرف دائر وسائر یوں ہوتا تو ہم جزم کرتے ہیں کہ حکم ظاہر الروایۃ ضرور مطابق روایت امام ابو یوسف ہوتا ہے، لہذا آئمہ تصحیح نے اس روایت پر اسی وجہ سے فتوی بھی دیا ہے کہ وہ اشبہ بعرف ناس ہے۔ اس لیے علماء نے فرمایا: من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل یعنی جو اہلِ زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔

(فتاوی رضویه مخرجه، ج ۱۷، ص ٦٥٦)

مصلحة ملحوظة فی الافتاء

ویقرب منه مانقله فی الأشباه عن البزازیة من ان: "المفتی انما بما یقع عنده من المصلحة"......الخ...... وکتبت فی ردالمحتار فی باب القسامة: "فیما لو ادعی الولی علی رجل من غیر اهل المحلة وشهد اثنان منهم علیه لم تقبل عنده وقالا تقبل...... "الخ. (تنبیه) :نقل سید الحموی عن العلامة المقدسی: "انه قال توقفت عن الفتوی بقول الامام ومنعت من اشاعته لما یترتب علیه من الضرر العام، فان من عرفه من المتمردین یتجاسر علی قتل النفس فی المحلات الخالیة من غیر اهلها معتمدا علی عدم قبول شهادتهم علیه حتی قلتُ :ینبغی الفتوی علی

قولهما لاسيما، والاحكام تختلف باختلاف الأيام "انتهى عبارت الرد.

فتوی دینے میں مصلحت کا لحاظ ہونا چاہیے!

اوراس کے قریب المعنی وہ عبارت ہے جسے علامہ ابن نجیم نے الاشباہ میں بزازیہ کے حوالے سے نقل کیا کہ "مفتی کے نزدیک جو مصلحت ہوگی وہ اس کے موافق فتوی دے گا"(۱)۔ میں (علامہ شامی) نے ردالمحتار، کتاب القسامة میں مسئلہ لکھا کہ "اگر مقتول شخص کے ولی نے ایسے شخص پر قتل کرنے کا دعوی دائر کروایا جو اس محلہ والوں میں سے نہ ہو اور دو شخص اس مدعیٰ علیہ کے خلاف گواہی بھی دیں تب بھی امام صاحب علیہ رحمۃ اللہ الوہاب کے نزدیک ان کی گواہی مقبول نہیں ہوگی، صاحبین فرماتے ہیں ان کی گواہی مقبول ہوگی......" الخ.

تنبیہ: سید حموی نے علامہ مقدسی رحمہما اللہ کے حوالے سے نقل کیا آپ فرماتے ہیں "میں نے امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے قول کے مطابق فتوی دینے سے توقف کیا اور اس فتوی کو عام کرنے سے روکا، کیونکہ اب اس قول پر عمل کرنے سے ضرر عام مرتب ہوگا جو بدمعاش اس مسئلہ کو جان لے گا وہ سنسان جگہوں پر لوگوں کو قتل کرنے کی جرأت کرے گا کیونکہ اسے اعتماد ہوگا کہ محلہ کے لوگوں کی گواہی اس کے خلاف قبول نہیں ہوگی، حتی کہ میں نے کہا کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہونا چاہیے خصوصا اس معاملے میں جب کہ احکامات دن کے بدلنے سے تبدیل ہو جاتے ہیں"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فوائد

.......ا...... وفی الاشباه والنظائر،فصل فی تعارض العرف مع الشرع:ویمكن ان يقال ان الارجح كون النظر لقاضي البلد الموقوفة ،لانه اعرف بمصالحها،ص ۱۰۲۔

(۱) امام اہلسنت فاضل بریلوی نے ارشاد فرمایا: مفتی و حاکم دونوں پر لازم ہے کہ جہاں کی نسبت حکم یا فتوی دیں خاص وہاں کے رسم و رواج پر لحاظ کریں دوسرا رواج اگرچہ کیسا ہی عام ہو وہاں کے اپنے رواج کا معارض نہیں ہوسکتا۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ، ج۱۸،ص ۳۵۱)

یہ جاننا فائدے سے خالی نہیں کہ عرف اور اجماع میں فرق ہے۔ عرف کہتے ہیں "ما استقر فی النفوس من جهة العقول وتلقيه الطباع السليمة بالقبول "۔کو جب کہ اجماع کہتے ہیں "اتفاق مجتهدين صالحين من امة محمد فی عصر واحد علی امر قولی اوفعلی.(نور الانوار ،ص ۲۱۹)

لابد للمفتی من معرفة احوال اھل زمانه

وقال فی فتح القدیر فی باب ما یوجب القضاء والکفارة من کتاب الصوم عند قول الھدایة: "ولو اکل لحمابین اسنانه لم یفطر وان کان کثیرا یفطر وقال زفر یفطر فی الوجھین" انتھی مانصه ."والتحقیق ان المفتی فی الوقائع لابد له من ضرب اجتھاد ومعرفة بأحوال الناس، وقد عرف ان الکفارة تفتقر الی کمال الجنایة فینظر الی صاحب الواقعة، ان کان ممن یعاف طبعه ذلک اخذ بقول ابی یوسف وان کان ممن لاثر لذلک عنده اخذ بقول زفر رحمه الله......[1]" انتھی .

مفتی کے لئے زمانے کے حالات کا جاننا ضروری ہے!

فتح القدیر، کتاب الصوم ،باب مایوجب القضاء والکفارة میں صاحب ھدایة کے اس قول کے تحت مذکور ہے "اگر روزے دار نے اپنے دانتوں کے درمیان پھنسے ہوئے گوشت کو کھالیا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر گوشت زائد ہو تو ٹوٹ جائیگا۔ امام زفر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا" صاحب ھدایة کی تصریح مکمل ہوئی "تحقیق یہ ہے کہ مسائل کے حوالے سے مفتی کو ایک طرح کا ملکہ اجتہاد اور لوگوں کے احوال کی معرفت ہونی چاہئے یہ بات معروف ہے کہ کفارہ کمال جنایت کا محتاج ہے تو جس شخص کو یہ مسئلہ در پیش آیا ہے مفتی اسے دیکھے گا اگر وہ شخص ایسا ہو جسے اس گوشت کو نگلنے سے گھن آتی ہو تو اس صورت میں مفتی امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول کو لے گا اور اگر اس شخص کو اس سے گھن نہ آتی ہو تو مفتی امام زفر علیہ الرحمۃ کے قول کو اختیار کرے گا"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

ضمنی فوائد

[1]...... فتح القدیر علی الھدایة ، کتاب الصوم ،باب مایوجب القضاء ،ج۲، ص ۳۳۸۔

معلوم ہوا ہے کہ علامہ ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے عرف پر مسئلہ کی بناء رکھی ہے۔ اگر مفتی سے متذکرہ بالا مسئلہ کسی ایسے شخص کے بارے میں کیا جارہا ہے جو اپنی طبیعت میں نفاست رکھتا ہے تو مفتی امام ابو یوسف کے قول کے مطابق فتوی دے گا اور اگر معاملہ برعکس ہے تو مفتی امام زفر کے قول کے مطابق فتوی دے گا۔

لا بد للمفتی من اعتبار تغیر الاحوال

(وفی) تصحیح العلامة قاسم :فان قلت: "قد یحکون اقوالا من غیر ترجیح وقد یختلفون فی التصحیح ،قلتُ :یعمل بمثل ماعملوا من اعتبار تغیر العرف واحوال الناس وما هو الارفق بالناس وماظهر علیه التعامل وما قوی وجهه ،ولا یخلوا الوجود من تمییز هذا حقیقة لاظناً بنفسه، ویرجع من لم یمیز الی من یمیز لبرائة ذمته ":انتهی.

مفتی کے لئے حالات کی تغیر پزیری جاننا ضروری ہے

علامہ قاسم علیہ الرحمۃ کی تصحیح القدوری میں ہے:''اگر آپ کہیں فقہاء کبھی بغیر ترجیح کے اقوال کونقل کردیتے ہیں اور کبھی ان کا تصحیح شدہ مسائل میں اختلاف ہوتا ہے،تو میں (علامہ شامی) اس کا جواب یہ دوں گا کہ اس صورت میں وہی کرنا چاہیے جوفقہاء کرتے ہیں یعنی بدلتے ہوئے عرف اورلوگوں کے بدلے ہوئے حالات کا اعتبار کرنا چاہئے اور اس قول کے مطابق فتوی دینا چاہئے جس میں لوگوں کے لئے زیادہ آسانی ہواور جس پرلوگوں کا عمل ہونا ظاہر ہواور جس کی دلیل قوی ہے، اور ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے جوحقیقۃً اس حوالے سے تمیز کرسکتے ہوں۔اور جو اس صورت حال میں تمیز کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہووہ اپنی ذمہ داری سے بخوبی سبکدوش ہونے کے لئے ایسے شخص کی طرف رجوع کرے جوایسی صورت میں تمیز کرسکتا ہو''۔(ان کا کلام مکمل ہوا)۔

العرف ملحوظ فی الافتاء مالم یخالف الشرع

(فهذا) کله صریح فیما قلنا من العمل بالعرف مالم یخالف الشریعة کالمکس والربا ونحو ذلک ،فلا بد للمفتی والقاضی بل والمجتهد من معرفة احوال الناس، وقد قالوا:" ومن جهل باهل زمانه فهو جاهل" وقد منا انهم قالوا: یفتی بقول ابی یوسف فیما یتعلق بالقضاء، لکونه جرب الوقایع وعرف احوال الناس. وفی البحر:" عن مناقب الامام محمد للکردری:" کان محمد یذهب الی الصباغین ویسئل عن معاملتهم وما یدیرونها فیما بینهم" انتهی. وقالوا: اذازرع صاحب الارض ارضه ماهو ادنی مع قدرته علی الاعلی وجب علیه خراج

الاعلی، قالوا وهذا يعلم ولا يفتى به كيلا يتجرى الظلمة على اخذ اموال الناس.

قال في العناية: "ورد بأنه كيف يجوز الكتمان ولواخذوا كان في موضعه لكونه واجبا. واجيب بانا لوافتينا بذلك لادعى كل ظالم في ارض ليس شانها ذلك انها قبل هذا كانت تزرع الزعفران مثلا فيأخذ خراج ذلك وهو ظلم وعدوان ...... الخ ". انتهى. وكذا قال في فتح القدير: قالوا لايفتى بهذا لما فيه من تسلط الظلمة على اموال المسلمين اذ يدعى كل ظالم ان الارض تصلح لزراعة الزعفران ونحوه وعلاجه صعب "انتهى. (فقد) ظهر لک ان جمود المفتى او القاضى على ظاهر المنقول مع ترك العرف والقرائن الواضحة والجهل باحوال الناس يلزم منه تضييع حقوق كثيرة وظلم خلق كثيرين.

عرف کو ملحوظ رکھنے میں شرع کی مخالفت نہیں ہونی چاہیے!

پس یہ تمام ہی گفتگو اس بارے میں صریح ہے جو بات ہم نے کہی، کہ عرف پر عمل کیا جائے گا بشرط یہ کہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہو جیسا کہ ٹیکس اور سود وغیرہ یہ (اگرچہ عام ہو چکے ہیں لیکن شرع کے خلاف ہونے کے باعث ممنوع ہیں اور رہیں گے۔) مفتی اور قاضی بلکہ مجتہد کے لئے بھی لوگوں کے حالات کی خبر رکھنا ضروری ہے۔ علماء فرماتے ہیں "جو اہل زمانہ کا علم نہ رکھتا ہو وہ جاہل ہے" اور ہم یہ بات پہلے بیان کر آئے کہ علماء کا قول یہ ہے کہ قضاء سے متعلق امور میں امام ابو یوسف علیہ رحمۃ اللہ الرؤف کے قول پر فتوی دیا جائے گا، کیونکہ انہیں اس طرح کے مسائل کا تجربہ تھا اور وہ لوگوں کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔

بحر الرائق میں امام کردری علیہ رحمۃ اللہ القوی کی مناقب امام اعظم کے حوالے سے ہے" امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الصمد رنگریزوں کے پاس جایا کرتے تھے اور ان سے ان کا طریقہ کار اور ان کے آپس کے لین دین کے بارے میں دریافت کرتے "۔ علماء فرماتے ہیں جب زمین کا مالک اپنی زمین میں اعلی چیز کاشت کرنے کی قدرت رکھتا ہو اس کے باوجود ادنی چیز کاشت کرے تو اس پر اعلی چیز کا خراج دینا واجب ہوگا۔ علماء فرماتے ہیں یہ مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود بھی اس پر فتوی نہیں دیا جائے گا تا کہ ظالم لوگ عوام کے اموال پر قبضہ کرنے کی جرأت نہ کریں۔

عنـــایة میں اس بات کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ''مسئلہ کو چھپانا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ اگر حکام ایسی صورت میں اعلی شے کا خراج وصول کریں تو یہ درست ہے کہ اس صورت میں اعلی شے کا خراج ہی واجب ہوتا ہے''۔

میں (علامہ شامی) اس کا جواب یہ دوں گا کہ اگر ہم اس قول کے مطابق فتوی دیں گے تو ہر ظالم حاکم، ناقص زمین کے بارے میں بھی یہ دعوی کرے گا۔ پہلے یہاں مثلاً زعفران کاشت کی جاتی تھی اور وہ زعفران کی پیداوار کے مطابق خراج وصول کرے گا اور یہ ظلم اور زیادتی ہوگی۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ اسی طرح فتح القدیر میں فرمایا: ''فقہاء فرماتے ہیں کہ اس قول کے مطابق فتوی نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس میں ظالم حکام کو لوگوں کے اموال پر مسلط کرنا ہے کیونکہ اس صورت میں ہر ظالم یہ دعوی کرے گا کہ یہ زمین زعفران وغیرہ فصلوں کی کاشت کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کا علاج دشوار ہوگا''۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ پس تم پر ظاہر ہو چکا کہ مفتی اور قاضی کا عرف اور قرائن واضحہ کو ترک کرکے ظاہر منقول قول پر فتوی دینا اور لوگوں کے احوال سے ناواقف ہونا کئی حقوق کے ضائع ہونے اور خلق خدا پر ظلم کثیر کو لازم کرتا ہے۔

ضمنی فائدہ

......[1] العناية شرح الهداية مع الشرح فتح القدير على الهداية، كتاب السير، باب العشر والخراج، ج ٦، ص ٣٧۔

اقسام العرف واحکامها

(ثم اعلم) ان العرف قسمان: عام وخاص.

پھر جان لیجئے! کہ عرف کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عرف عام (۲) عرف خاص۔

فالعام يثبت به الحكم العام ويصلح مخصصا للقياس والاثر، بخلاف الخاص، فانه يثبت به الحكم الخاص ما لم يخالف القياس او الاثر فانه لايصلح مخصصا.

عرف عام: اس سے عام حکم ثابت ہوتا ہے، یہ قیاس اور حدیث پاک کے لئے مخصص بن سکتا ہے، بخلاف عرف خاص کے، کیونکہ عرف خاص سے حکم خاص ثابت ہوتا ہے وہ بھی اس وقت جب کہ وہ قیاس یا کسی حدیث شریف کے مخالف نہ ہو، کیونکہ عرفِ خاص مخصص بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

(قال) فی الذخیرۃ فی الفصل الثامن من الاجارات فی مسئلۃ مالو دفع الی حائک غزلا لینسجه بثلث: ''ومشایخ بلخ کنصیربن یحیی ومحمد بن سلمۃ وغیرھما کانوا یجیزون ھذہ الاجارۃ فی الثیاب لتعامل اھل بلدھم فی الثیاب، والتعامل حجۃ یترک به القیاس ویخص به الاثر، وتجویز ھذہ الاجارۃ فی الثیاب للتعامل بمعنی تخصیص النص الذی ورد فی قفیز الطحان، لان النص ورد فی قفیز الطحان لا فی الحائک ،الا ان الحائک نظیرہ، فیکون واردا فیه دلالۃ، فمتی ترکنا العمل بدلالۃ ھذا النص فی الحائک وعملنا بالنص فی قفیز الطحان کان تخصیصا لا ترکا اصلا، وتخصیص النص بالتعامل جائز، الاتری انا جوزنا الاستصناع للتعامل، والاستصناع بیع مالیس عندہ وانه منھی عنه، وتجویز الاستصناع بالتعامل تخصیص منا،للنص الذی ورد فی النھی عن بیع مالیس عند الانسان، لاترک للنص اصلا لانا عملنا بالنص فی غیر الاستصناع ،قالوا: وھذا بخلاف مالو تعامل اھل بلدۃ قفیز الطحان فانه لایجوز ولاتکون معاملتھم معتبرۃ لانا لو اعتبرنا معاملتھم کان ترکا للنص اصلا، وبالتعامل لایجوز ترک النص اصلا، وانما یجوز تخصیصه، ولکن مشائخنا لم یجوزوا ھذا التخصیص لان ذلک تعامل اھل بلدۃ واحدۃ ،وتعامل اھل بلدۃ واحدۃ لایخص الاثر ،لان تعامل اھل بلدۃ ان اقتضی ان یجوز التخصیص فترک التعامل من اھل بلدۃ اخری یمنع التخصیص فلا یثبت التخصیص بالشک بخلاف التعامل فی الاستصناع فانه وجد فی البلاد کلھا'' انتھی کلام الذخیرۃ.

عرف کی اقسام و احکام

ذخیرہ کتاب الاجارات کی آٹھویں فصل میں فرمایا: ''اگر کسی کپڑے کی بنائی کرنے والے کو سوت دیا کہ بنے ہوئے کپڑے کا تہائی بطور اجرت رکھ لینا تو ایسی صورت میں مشائخ بلخ مثلاً نصیر بن یحیٰ، محمد بن سلمۃ وغیرہ کپڑوں میں اس طرح کا اجارہ کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں، کہ کپڑوں میں ان کے شہر والوں کا یہ معمول ہے اور تعامل ایک ایسی دلیل ہے جس کے سبب قیاس کو ترک کیا جاتا ہے اور حدیث کی تخصیص کی جاسکتی ہے، اسی طرح کے اجارہ کو تعامل

کی وجہ سے کپڑوں میں جائز قرار دینا بایں معنی کہ اس صورت میں قفیز طحان کے بارے میں نص (یعنی حدیث) میں تخصیص کی گئی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ نص قفیز طحان کے بارے میں وارد ہے کپڑا بننے والے کے بارے میں نہیں ہے، ہاں کپڑے بننے والا بھی اس کی مثل ہے تو اس صورت میں یہ نص کپڑا بننے والے کے حق میں بطور دلالت النص ثابت ہے۔ پس جب ہم نے اس نص کی دلالت پر کپڑے بننے والے کے حق میں عمل ترک کر دیا اور قفیز طحان کے بارے میں نص پر عمل کرلیا تو یہ تخصیص ہوئی نص کو اصلا ترک کرنا نہ ہوا۔ اور تعامل کی بناء پر نص میں تخصیص کرنا جائز ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے تعامل کی وجہ استصناع کو جائز قرار دیا حالانکہ استصناع معدوم چیز کو فروخت کرنے کا نام ہے اور اس بیع کی ممانعت وارد ہے لیکن تعامل کے سبب استصناع کو جائز قرار دینا ہماری جانب سے اس نص کی تخصیص کرنا ہے جو معدوم شے کی بیع کی ممانعت سے متعلق وارد ہے۔ اس تخصیص سے نص کو مطلقا ترک کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ استصناع کے علاوہ دیگر صورتوں میں ہم نص پر عمل کرتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں: استصناع کا مسئلہ اس صورت کے برخلاف ہے کہ اگر شہر کے لوگوں کا قفیز طحان والے مسئلہ میں تعامل ہو جائے تو اس تعامل کی وجہ سے قفیز طحان جائز نہیں ہوگا، بلکہ یہ تعامل غیر معتبر ہوگا کیونکہ اگر ہم یہاں تعامل کو معتبر قرار دیں تو مطلقا نص کو ترک کرنا لازم آئے گا اور تعامل کے سبب مطلقا نص کو ترک کر دینا نا جائز ہے، تعامل کی بناء پر فقط نص میں تخصیص جائز ہوتی ہے لیکن ہمارے مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے کپڑے کی بُنائی والے مسئلہ میں تخصیص کو بھی جائز قرار نہیں دیا کیونکہ یہ ایک شہر کے لوگوں کا تعامل ہے اور ایک شہر کے افراد کا تعامل نص کے لئے مخصص نہیں بن سکتا کیونکہ ایک شہر کے لوگوں کا تعامل اگر تخصیص کے جواز کا تقاضہ کرے گا تو دوسرے شہر کے لوگوں کا تعامل نہ ہونا تخصیص کا مانع ہوگا، پس شک کے سبب تخصیص ثابت نہیں ہوگی بخلاف استصناع میں ہونے والے تعامل کے، کہ یہ تعامل تمام ہی شہروں میں پایا جاتا ہے۔

الحاصل من بحث العرف

(والحاصل) ان العرف العام لایعتبر اذا لزم منه ترک المنصوص، وانما یعتبر اذالزم منه تخصیص النص، والعرف الخاص لایعتبر فی المؤضعین وانما یعتبر فی

حق اهله فقط ،اذا لم يلزم منه ترک النص ولا تخصيصه وان خالف ظاهر الرواية وذالک کما فی الالفاظ المتعارفه فی الأيمان والعادة الجارية فی العقود من بيع واجارة ونحوها فتجری تلک الالفاظ والعقود فی کل بلدة علی عادة اهلها، ويراد منها ذلک المعتاد بينهم ويعاملون دون غيرهم بما يقتضيه ذلک من صحة وفساد وتحريم وتحليل وغير ذلک، وان صرح الفقهاء بان مقتضاه خلاف مااقتضاه العرف لان المتکلم انما يتکلم علی عرفه وعادته، ويقصد ذلک بکلامه دون مااراده الفقهاء وانما يعامل کل احد بما اراده، والالفاظ العرفية حقائق اصطلاحية يصير بها المعنی الاصلی کالمجاز اللغوی. قال فی جامع الفصولين: "مطلق الکلام فيما بين الناس ينصرف الی المتعارف" انتهی. **وفی** فتاوی العلامة قاسم: التحقيق ان لفظ الواقف والموصی والحالف والناذر وکل عاقد يحمل علی عادته فی خطابه ولغته التی يتکلم بها وافقت لغة العرب ولغة الشارع اولا" انتهی. **(ثم اعلم)** انی لم ارمن تکلم علی هذه المسئلة بما يشفی العليل ،وکشفها يحتاج الی زيادة طويل ،لان الکلام عليها يطول ،لاحتياجه الی ذکر فروع واصول، واجوبة عما عسی يقال ،وتوضيح مابنی علی هذا المقال، فاقتصرت هناک علی ماذکرته .ثم اظهرت بعض مااضمرته فی رسالة جعلتها شرحالهذا البيت، وضمنتها بعض ماعنيت وسميتها" نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف "فمن رام الزيادة علی ذلک،فليراجع الی ماهنالک.

خلاصہ یہ ہے کہ: عرف عام اس صورت میں غیر معتبر ہوگا جب کہ اس سے منصوص شے کا ترک لازم آئے ،اوراگراس سے نص میں فقط تخصیص کرنا لازم آتا ہوتوایسی صورت میں عرف عام معتبر ہوگا۔اورعرف خاص ان دونوں ہی مقامات میں غیر معتبر ہے یہ فقط عرف خاص والے حضرات کے حق ہی میں معتبر ہے جب کہ اس سے نص کا ترک کرنا یااس کی وجہ سے نص میں تخصیص کرنا لازم نہ آتا ہواوراگرعرف خاص ظاہر الروایۃ کے خلاف ہوتواس کا اعتبار کیا جائے گا۔عرف خاص کا معتبر ہونا جیسا کہ قسم کے متعارف الفاظ اور عقود مثلا بیع اوراجارہ وغیرہ میں جاری عرف کا معاملہ ہے،پس یہ الفاظ قسم اورعقود ہر شہر میں اس کے رہائشی حضرات کے عرف وعادت کے مطابق جاری ہیں اوران

الفاظ سے مراد وہی شے لی جائے گی جو ان کے مابین معتاد ہو اور فقط اس علاقہ والوں کے ساتھ صحت وفساد حلال وحرام کے بارے میں ان کے عرف کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ اگرچہ فقہاء نے صراحت کی ہو کہ الفاظ قسم وعقود کا مقتضی لوگوں کے عرف کے برخلاف ہے کیونکہ متکلم اپنے عرف وعادت کے مطابق کلام کرتا ہے اور اس کلام سے وہ فقہاء کی **اصطلاحات** کا قصد نہیں کرتا اور ہر شخص کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔ تمام عرفی الفاظ کے اصطلاحی معنی ہوتے ہیں جس کے سب حقیقی معنی مجاز لغوی کی طرح ہو جاتے ہیں۔

جامع الفصولین میں فرمایا: ''لوگوں کے درمیان ہونے والے مطلق کلام کو متعارف معنی کی طرف پھیرا جائے'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ علامہ قاسم کے فتاوی میں ہے: ''تحقیق یہ ہے کہ لفظِ واقف، موصی، حالف (۱)، ناذر اور ہر عاقد کو اس کے کلام اور اس کی زبان جو وہ بولتا ہے اس پر محمول کیا جائے گا خواہ وہ لغتِ عربی اور لغتِ شارع کے موافق ہو یا نہ ہو'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

پھر جان لیجئے! میں (علامہ شامی) نے کسی عالم کو اس مسئلہ پر ایسی گفتگو کرتے نہیں دیکھا جو بیمار کو شفاء بخشے، مگر یہ کہ عرف وعادت کی وضاحت تفصیلی کلام کی احتیاج رکھتی ہے کیونکہ اس مسئلہ پر طویل کلام ہے۔ یہ مسئلہ فروعات اور اصول ذکر کئے جانے اور ان اعتراضات کے جوابات دیئے جانے کی حاجت رکھتا ہے جو اس مسئلہ پر وارد کئے جا سکتے ہیں اور ان مسائل کو واضح کرنے کی بھی ضرورت ہے جن کی بناء عرف وعادت پر ہے۔ اس نظم کی شرح میں ہم نے مذکورہ باتوں پر اکتفاء کیا ہے، پھر بعض وہ ابحاث جو میرے دل میں مضمر تھیں انہیں میں نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا جسے میں نے اس شعر کی شرح کی طور پر لکھا ہے۔ میں نے اس رسالے کا نام **نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف** رکھا، یہ رسالہ ان مسائل کے بارے میں ہے جن کا مدار عرف پر ہے جو شخص زائد معلومات حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے اس رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

ضمنی فائدہ

(۱) امام اہلسنت فاضل بریلوی کلامِ حالف کے حوالے سے فرماتے ہیں: اغراض ومقاصد جس قدر مفادِ لفظ سے زائد ہوں، یعنی عموم اطلاق بھی انہیں متناول نہ ہو ملحوظ نہیں ہوتے۔'' الایمان

مبنية علی الالفاظ لا علی الاغراض " (قسموں میں الفاظ کالحاظ ہوتا ہے اغراض کا نہیں ہوتا) کہ " تنویر " وغیرہ عامہ کتب مذہب میں ارشاد ہوا، اس سے یہی مراد ہے کہ لفظ کی تناول عرفی سے اجنبی خارج وبیگانہ وزائد بات اگرچہ عرفاً مقصودِ حالف ہو منظور نہ ہوگی مگر اغراض مخصص ضرور ہوسکتی ہیں۔ دلالتِ لفظ کہ عموم پر تھی بنظرِ غرض خاص پر مقصور ہو جائے گی یہ مدلولِ لفظ سے خروج نہیں بلکہ بعض مدلولات پر قصر ہے۔ (فتاوی رضویہ مخرجہ، ج ۱، ص ۱۴۴)

ہمارے نزدیک بنائے یمین عرف پر ہے لفظ سے جو معنی عرفاً مراد و مفہوم ہوتے ہیں ان پر قسم وارد ہوتی ہے نہ کہ معنی لغوی یا شرعی پر، تمام کتب مذہب میں اس امر کی تصریحاتِ جلیلہ ہیں مثلاً قسم کھائی کہ بچھونے پر نہ بیٹھے گا یا چراغ کی روشنی نہ لے گا یا چھت کے نیچے نہ آئے گا تو زمین پر یا دھوپ میں یا زیرِ آسمان بیٹھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی، اگرچہ قرآنِ عظیم میں زمین کو فرش اور آفتاب کو سراج اور آسمان کو سقف فرمایا۔ یوں ہی قسم کھائی کہ کسی گھر میں نہ جائے گا تو مسجد وغیرہ معابد میں جانے سے حانث نہ ہوگا اگرچہ لغتاً ان پر بھی گھر کا لفظ صادق وجہ وہی ہے اگرچہ شرعاً یا لغتاً یہ اشیاء ان الفاظ میں داخل مگر ایمان میں جو عرفاً شمول درکار ہے، وہ یہاں غیر حاصل ہے۔

(فتاوی رضویہ مخرجہ، ج:۹، ص:۸۳۸ ملتقطاً)

☆...... ولایجوز بالضعیف العمل ولا به یجاب من جاء یسئل.

اور ضعیف قول پر عمل کرنا جائز نہیں ہے ورنہ سائل کو اس کے مطابق جواب دیا جائے گا۔

☆...... الا لعامل له ضرورة او من له معرفة مشهورة.

مگر ضرورت مند عامل کو یا زبردست معرفتِ مسائل رکھنے والے مفتی کو۔

☆...... لکنما القاضی به لایقضی وان قضی فحکمه لایمضی.

قاضی ضعیف قول کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا اور اگر اس نے فیصلہ کیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا

☆...... لاسیما قضاتنا اذ قیدوا براجح المذهب حین قلدوا.

بالخصوص ہمارے (حنفی) قاضی کیونکہ وہ مقلد ہیں اس لیے وہ راجح مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے

کے پابند ہیں۔

☆...... وتم مانظمته فی سلک والحمد لله ختام مسک.

اور وہ موتی جنہیں میں دھاگے میں ترتیب وار پرورہا تھا مکمل ہوگئے اور الحمد للہ مشک کی مہر ہے۔

حکم جواز الافتاء بالقول الضعیف للضرورة

قدمنا اول الشرح عن العلامة قاسم:

☆ ان الحکم والفتیا بما هو مرجوح خلاف الاجماع. ☆ وان المرجوح فی مقابلة الراجح بمنزلة العدم. ☆ والترجیح بغیر مرجح فی المتقابلات ممنوع. ☆وان من یکتفی بان یکون فتواه او عمله موافقا لقول او وجه فی المسئلة ویعمل بماشاء من الاقوال والوجوه من غیر نظر فی الترجیح فقد جهل وخرق الاجماع. انتهی. **وقدمنا** هناک نحوه عن فتاوی العلامة ابن حجر ،لکن فیها ایضاقال الامام السبکی فی الوقف من فتاویه: "یجوز تقلید الوجه الضعیف فی نفس الامر بالنسبة للعمل فی حق نفسه، لا فی الفتوی والحکم فقد نقل ابن الصلاح الاجماع علی انه لایجوز" انتهی. **وقال** العلامة الشرنبلالی فی رسالته: "العقد الفرید فی جواز التقلید". "مقتضی مذهب الشافعی کما قاله السبکی منع العمل بالقول المرجوح فی القضاء والافتاء دون العمل لنفسه ،ومذهب الحنفیة المنع عن المرجوح حتی لنفسه، لکون المرجوح صار منسوخا" انتهی.

ضرورت کے وقت ضعیف قول پر فتوی دینا جائز ہے!

ہم اپنی شرح کے ابتداء میں علامہ قاسم کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ

☆......مرجوح قول کے مطابق حکم کرنا اور فتوی دینا اجماع کے خلاف ہے۔

☆......اور راجح قول کے مقابلے میں مرجوح قول کالعدم ہے۔

☆......اور متقابلات (یکساں قوت کے حامل مختلف اقوال) میں بغیر کسی مرجح کے ترجیح دینا ممنوع ہے۔

☆......جو حضرت اسی پر اکتفاء کرتے ہیں کہ ان کا فتوی یا ان کا عمل مسئلہ کے بارے میں کسی بھی

قول یا وجہ کے موافق ہو جائے اور ترجیح میں نظر کئے بغیر جس قول یا وجہ پر چاہتے ہیں عمل کر لیتے ہیں وہ جاہل ہیں اور اجماع کو توڑنے والے ہیں۔ (علامہ قاسم کا کلام مکمل ہوا۔)

اس کلام کی مثل عبارت فتاوی ابن حجر کے حوالے سے ہم پہلے بیان کر چکے لیکن اسی میں یہ بھی ہے کہ امام سبکی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اپنے فتاوی کتاب الوقف میں فرمایا "نفس الامر میں وجہِ ضعیف کی تقلید اپنے نفس کی خاطر عمل کرنے کے اعتبار سے جائز ہے، فتوی دینے اور فیصلہ کرنے کے حوالے سے جائز نہیں ہے۔ ابن صلاح نے اس کے ناجائز ہونے پر اجماع نقل کیا ہے"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ علامہ شرنبلالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی نے اپنے رسالے العقد الفرید فی جواز التقلید میں فرمایا "امام سبکی علیہ رحمۃ اللہ القوی کے قول کے مطابق امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے مذہب کا مقتضی یہ ہے کہ مرجوح قول کے مطابق حکم کرنا اور فتوی دینا ممنوع ہے، اپنی ذات کے لئے اس پر عمل کرنا ممنوع نہیں ہے۔ اور احناف کا مذہب یہ ہے کہ مرجوح قول پر عمل کرنا خود اپنے نفس کے لئے بھی جائز نہیں ہے کیونکہ مرجوح قول منسوخ ہوتا ہے"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

(قلت) التعليل بانه صار منسوخا ،انما يظهر فيما لو كان فى المسئلة قولان رجع المجتهد عن احدهما او علم تأخر احدهما عن الآخر والافلا كما لو كان فى المسئلة قول لابى يوسف وقول لمحمد، فانه لايظهر فيما النسخ، لكن مراده انه اذا صحح احدهما صارالآخر بمنزلة المنسوخ، وهو معنى مامر من قول العلامة قاسم "ان المرجوح فى مقابلة الراجح بمنزلة العدم".

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں یہ علت بیان کرنا کہ مرجوح قول منسوخ ہوتا ہے یہ صرف اس صورت میں ہے جب کہ کسی مسئلہ میں مجتہد کے دو قول ہوں اور مجتہد نے ان میں سے ایک سے رجوع کر لیا ہو اور متاخر قول کا بھی علم ہو، ورنہ وہ منسوخ نہیں کہلائے گا مثلاً کسی مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں کا قول ہو اور اس صورت میں ان میں سے ایک قول کا منسوخ ہونا ظاہر نہیں ہوتا، لیکن اس عبارت کی مراد یہ ہے کہ جب دو میں ایک قول کی تصحیح کر دی جائے تو دوسرا قول بمنزلہ منسوخ ہوتا ہے اور علامہ قاسم علیہ الرحمۃ کے مطابق مرجوح قول راجح کے مقابلہ میں کالعدم ہوتا ہے کا یہی مطلب ہے۔

(ثم) ان ماذكره السبكى من جواز العمل بالمرجوح فى حق نفسه عند

الشافعی مخالف لمامر عن العلامة قاسم ،وقدمنا مثله اول الشرح عن فتاوی ابن حجر من نقل الاجماع علی عدم الافتاء والعمل بماشاء من الاقوال ،الا ان یقال: المراد بالعمل الحکم والقضاء وهو بعید والاظهر فی الجواب اخذا من التعبیر بالتشهی ان یقال: ان الاجماع علی منع اطلاق التخییر ای بان یختار ویشتهی مهما اراد من الاقوال فی ای وقت اراد، امالو عمل بالضعیف فی بعض الاوقات لضرورة اقتضت ذلک لا یمنع منه وعلیه یحمل ماتقدم عن الشرنبلالی من ان مذهب الحنفیة المنع بدلیل انهم اجازوا للمسافر والضیف الذی خاف الریبة ان یأخذ بقول ابی یوسف بعدم وجوب الغسل علی المحتلم الذی امسک ذکره عند ماحس بالاحتلام الی ان فترت شهوته ثم ارسله مع ان قوله هذا خلاف الراجح فی المذهب لکن اجازوا الاخذ به للضرورة.

پھر امام سبکی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا امام شافعی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے یہ بیان کرنا کہ مرجوح قول پر بندہ خود عمل کرسکتا ہے یہ اس عبارت کے برخلاف ہے جو علامہ قاسم علیہ الرحمۃ کے حوالے سے گزری، اور اسی کی مثل عبارت فتاوی ابن حجر کے حوالے سے ہم شرح کی ابتداء میں (انہ لا یجوز للمفتی والعمل ان یفتی او یعمل بماشاء من القولین او الوجهین من غیر نظر) ذکر کرچکے کہ اس بات پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ ''بندہ جس قول پر چاہے فتوی دے یا عمل کرے یہ ناجائز ہے''۔ ہاں لیکن اس عبارت کی تاویل یوں کی جاسکتی ہے کہ یہاں عمل سے مراد فیصلہ کرنا قضا کرنا ہے لیکن یہ تاویل بعید ہے، اور جواب کے حوالے سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ تشہی کی تعبیر کو اخذ کرکے یوں کہا جائے کہ اجماع مطلق تخییر کے عدم جواز پر ہے یعنی جس وقت جس قول پر عمل کرنے کی خواہش اور ارادہ ہو اس پر عمل کرلے، ہاں اگر کسی وقت کسی ایسی ضرورت کے پیش نظر ضعیف قول پر عمل کرلے جو اس کا تقاضا کرتی ہو تو ایسی صورت میں ضعیف قول پر عمل کرنا ممنوع نہ ہوگا۔ اور اسی تاویل پر اس عبارت کو محمول کیا جائے گا جو علامہ شرنبلالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی کے حوالے سے گزری کہ احناف کے مذہب میں ممنوع ہے اس دلیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ فقہاء نے مسافر کو اور ایسے مہمان کو جسے شک کئے جانے کا خوف ہو انہیں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول پر عمل کی اجازت دی ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ کا قول یہ ہے کہ ''اگر محتلم نے بوقت خروج، آلہ کو پکڑ لیا حتی کہ شہوت

جاتی رہی پھر اس کو چھوڑ دیا پھر منی خارج ہوئی تو غسل فرض نہیں ہوگا(۱) اگرچہ یہ قول مذہب کے راجح قول کے خلاف ہے لیکن بر بنائے ضرورت فقہاء نے اس پر عمل کی اجازت دی ہے۔

(وینبغی) ان یکون من هذا القبیل ماذکره الامام المرغینانی صاحب الهدایة فی کتابه "مختارات النوازل" وهو کتاب مشهور ینقل عنه شراح الهدایة وغیرهم حیث قال فی فصل النجاسة: "والدم اذاخرج من القروح قلیلا قلیلا غیر سائل فذاک لیس بمانع وان کثر، وقیل لو کان بحال لو ترکه لسال یمنع "انتهی ثم اعاد المسئلة فی نواقض الوضوء:" فقال ولوخرج منه شیٔ قلیل ومسحه بخرقة حتی لو ترک یسیل لاینقض وقیل......" الخ .

وقد راجعت نسخة اخری فرایت العبارة فیها کذلک ،ولا یخفی ان المشهورفی عامة کتب المذهب هو القول الثانی المعبرعنه بقیل، واما ماختاره من القول الاول فلم ار من سبقه الیه ولا من تابعه علیه بعد المراجعة الکثیرة فهو قول شاذ .

ولکن صاحب الهدایة امام جلیل من عظم مشائخ المذهب من طبقة اصحاب التخریج والتصحیح کمامر ،فیجوز للمعذور تقلیده فی هذا القول عند الضرورة، فان فیه توسعة عظیمة لاهل الاعذار ،کمابینته فی رسالتی المسماة "الاحکام المخصصة بکی الحمصة".

وقد کنت ابتلیت مدة بکی الحمصة ولم اجد ماتصح به صلاتی علی مذهبنا بلامشقة الاعلی هذا القول لأن الخارج منه وان کان قلیلا لکنه لو ترک یسیل، وهو نجس وناقض للطهارة علی القول المشهور، خلاف لما قاله بعضهم کما قدبینته فی الرسالة المذکورة، ولا یصیر به صاحب عذر لانه یمکن دفع العذر بالغسل والربط بنحو جلدة مانعة للسیلان عند کل صلاة کما کنت افعله، ولکن فیه مشقة وحرج عظیم، فاضطررت الی تقلید هذا القول ،ثم لما عافانی الله تعالی منه اعدت صلاة تلک المدة ولله تعالی الحمد .

اسی قبیل سے وہ مسئلہ بھی ہونا چاہیے جیسے علامہ مرغینانی علیہ الرحمہ صاحب ھدایہ نے اپنی

کتاب المختارات النوازل میں ذکر کیا ہے۔ یہ ایک مشہور کتاب ہے، شارحین ھدایۃ وغیرہ اس کتاب سے مسائل نقل کرتے ہیں کہ ''اگر زخموں سے تھوڑا تھوڑا خون نکلے جو بہتا ہوا نہ ہو تو یہ ناقض نہیں ہے اگر چہ مقدار زیادہ ہی ہو اور ایک قول ضعیف یہ ہے کہ اگر زخم کا حال یہ ہو کہ اگر اس سے نکلنے والے خون کو صاف نہ کیا جائے تو بہہ جائے گا تو یہ ناقض وضو ہے''۔(ان کا کلام مکمل ہوا)۔صاحب ھدایۃ نے نواقض الوضوء میں دوبارہ اس مسئلہ کو ذکر کر کے فرمایا ''اگر زخم میں سے تھوڑا خون نکلا اور بندے نے کپڑے کی دھجی وغیرہ سے اسے صاف کرلیا اگر اس کی مقدار اتنی تھی کہ صاف نہ کرتا تو خون بہہ جاتا تب بھی وضو نہیں ٹوٹے گا اور یہ قول ضعیف ہے......الخ.''۔میں نے اس کتاب کے دوسرے نسخہ کی طرف رجوع کیا تو اس میں بھی اسی طرح کی عبارت موجود دیکھی مخفی نہ رہے کہ مذہب کی اکثر کتب میں مشہور و معتبر یہی دوسرا قول ہے جسے قیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور پہلا قول جسے صاحب ھدایۃ نے اختیار کیا یہ ہے، میں کئی کتب کی طرف رجوع کرنے کے بعد کہتا ہوں کہ میں نے نہ تو ان سے پہلے کسی فقیہ کو یہ قول اختیار کرتے دیکھا اور نہ کسی ایسے فقیہ کو دیکھا جس نے آپ علیہ الرحمۃ کی اس حوالے سے پیروی کی ہو وہ یہ قول شاذ ہے، لیکن چونکہ صاحب ھدایۃ جلیل القدر امام زبردست مشائخ مذہب میں سے ہیں، آپ علیہ الرحمۃ اصحاب تخریج وتصحیح کے طبقہ سے ہیں جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی، پس ضرورت کے وقت معذور شخص کے لئے صاحب ھدایۃ کے اس قول کی تقلید کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس میں معذور شرعی افراد کے لئے زبردست آسانی ہے جیسا کہ میں نے اس بات کو اپنے رسالے الاحکام المخصصۃ بکی الحمصۃ میں بیان کیا ہے، میں (علامہ شامی) خود بھی ایک عرصہ تک کی الحمصہ کے مرض میں بتلا رہا، مجھے کوئی ایسی روایت نہیں مل پائی جس کو اختیار کرنے سے بغیر کوئی مشقت اٹھائے ہمارے مذہب کے مطابق میری نماز درست ہو جائے ماسوا اس قول کے، کیونکہ میرے زخموں سے خارج ہونے والے مواد کی مقدار اگر چہ کم تھی لیکن اگر اسے صاف نہ کیا جاتا تو وہ بہنے لگتا اور یہ بہتا ہوا مواد قول مشہور کے مطابق نجس اور ناقض وضو تھا۔ ہاں یہ مسئلہ بعض حضرات کے قول کے برخلاف تھا جیسا کہ میں نے اسے اپنے مذکورہ رسالہ میں بیان کیا ہے مجھے جو زخم تھے ان کے سبب بندہ صاحبِ عذر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ہر نماز کے وقت اس زخم خوردہ حصہ کو دھو کر کسی ایسے چمڑے سے باندھ کر جو زخم کو بہنے سے روک دے نماز پڑھنا ممکن تھا اور میں ایسا ہی کرتا بھی رہا لیکن اس کام میں زبردست مشقت اور حرج

عظیم تھا جس کی بناء پر میں اس (ضعیف) قول پر عمل کرنے پر مجبور ہوگیا، پھر جب اللہ ﷻ نے مجھے اس مرض سے عافیت عطا فرمائی میں نے اس مرض کی تمام نمازوں کا اعادہ کرلیا۔

ضمنی فائدہ

(۱) مسئلہ کی صورت بیان کرتے ہوئے امام اہلسنت فاضل بریلوی بیان کرتے ہیں: منی کو اپنے محل یعنی مرد کی پشت، عورت کے سینہ سے جدا ہوتے وقت شہوت چاہیے پھر اگر چہ بلاشہوت نکلے غسل واجب ہوجائے گا۔ مثلاً احتلام ہوا، یا نظر یا فکر یا کسی اور طریق، سوائے ادخال سے منی بشہوت اتری اس نے عضو کو مضبوط تھاما نہ نکلنے دی یہاں تک کہ شہوت جاتی رہی، یا بعض لوگ سانس اوپر چڑھا کر اترتی ہوئی منی کو روک لیتے ہیں یا بعض میں ضعفِ شہوت کے سبب منی خیال بدلنے یا کروٹ لینے، یا اُٹھ بیٹھنے یا پشت پر پانی کا چھینٹا دے لینے سے رک جاتی ہے غرض کسی طرح شہوت کے وقت اترتی ہوئی منی کو روک لیا یا خود رک گئی اور پھر جب شہوت جاتی رہی نکلی تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک غسل واجب ہو جائے گا کہ اترتے وقت شہوت تھی اگر چہ نکلتے وقت نہ تھی اور امام ابو یوسف کے نزدیک نہ ہوگا کہ ان کے نزدیک نکلتے وقت بھی شہوت شرط ہے۔

(فتاوی رضویہ مخرجہ،ج:۱،ص:۶۸۹،ملتقطا)۔

هل يجوز العمل والافتاء بالضعيف

وقد ذكر صاحب البحر فى الحيض فى بحث الاوان الدماء اقو الاضعيفة ثم قال: وفى معراج الدراية معزيا الى فخر الائمة: "لو افتى مفت بشئ من هذه الاقوال فى مواضع الضرورة طلبا للتيسير كان حسنا......" انتهى.

وبه علم ان المضطر له العمل بذلك لنفسه كما قلنا: وان المفتى له الافتاء به للمضطر (فمامر من) انه ليس له العمل بالضعيف ولا الافتاء به محمول على غير موضع الضرورة كما علمته من مجموع ماقررناه، والله تعالى اعلم.

وينبغى ان يلحق بالضرورة ايضا ماقدمناه من انه لايفتى بكفر مسلم فى كفره اختلاف، ولو رواية ضعيفة، فقد عدلوا عن الافتاء بالصحيح ،لان الكفر شئ عظيم.

وفى شرح الاشباه للبيرى :"هل يجوز للانسان العمل بالضعيف من الرواية فى

حق نفسه؟ نعم اذا كان له رأى ،واما اذا كان عاميا، فلم اره لكن مقتضى تقييده بذى الرأى انه لايجوز للعامى ذلك، قال فى خزانة الروايات :العالم الذى يعرف معنى النصوص والاخبار وهو من اهل الدراية يجوز له ان يعمل عليها وان كان مخالفا لمذهبه "انتهى. وتقييده بذى الرأى اى المجتهد فى المذهب مخرج للعامى كما قال، فانه يلزمه اتباع ما صححوا لكن فى غير موضع الضرورة كما علمته آنفا.

کیابوقت ضرورت ضعیف قول پر عمل کرنا یا فتوی دینا جائز ہے؟

صاحب بحر الرائق نے باب الحیض میں خون کی رنگوں کی بحث میں اقوال ضعیفہ کو ذکر کیا پھر فرمایا: معراج الدرایۃ میں فخر الائمہ کے حوالے سے منقول ہے ''اگر مفتی مقام ضرورت میں آسانی کے لئے ان (ضعیف اقوال) میں سے کسی قول پر فتوی دے تو بہتر ہے'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔ معلوم ہوا کہ قول ضعیف پر مجبور شخص کا عمل کرنا (جیسا کہ ہم نے کیا) اور یونہی ضعیف قول کے مطابق مجبور شخص کے لیے مفتی کا فتوی دینا جائز ہے۔ اور پہلے جو بات گزری کہ مفتی کے لئے قول ضعیف پر عمل کرنا یا اس کے مطابق فتوی دینا جائز نہیں ہے، یہ عدم ضرورت کی صورت پر محمول ہے جیسا کہ ہماری اس تقریر کے مجموعہ سے آپ نے جان لیا۔ واللہ تعالی اعلم۔

ضرورت کے ساتھ اس صورت کو بھی ملانا چاہیے جسے ہم نے پہلے بیان کیا کہ مختلف فیہ کلمہ کفر کی بناء پر کسی مسلمان کی تکفیر نہیں کی جائے گی اگر چہ مدمقابل ضعیف روایت ہی کیوں نہ ہو، روایت ضعیفہ کے مقابل صحیح روایت ہونے کے باوجود علماء نے کفر کا فتوی دینے سے عدول کیا ہے کیونکہ کفر بہت بڑی شے ہے۔

علامہ بیری کی شرح الاشباہ میں ہے، کیا انسان کے لئے خود روایت ضعیفہ پر عمل کرنا جائز ہے؟ ہاں! جائز ہے جب کہ وہ شخص صاحب الرائے ہو، بہر حال عام شخص کے لئے اس کا جواز مجھے نظر نہیں آیا بلکہ صاحب الرائے کی قید سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ عام شخص کے لئے جائز نہیں ہے۔ خزانۃ الروایات میں فرمایا: جو عالم نصوص اور اخبار کے معانی جانتا ہو اور وہ اہل درایت سے ہو تو اس کے لئے ضعیف روایت پر عمل کرنا بھی جائز ہوتا ہے اگر چہ وہ اس کے مذہب کے

مخالف ہو۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

صاحب رائے سے مراد مجتهد فی المذهب ہے اس قید سے عامی نکل گیا جیسا کہ علامہ (بیری) نے فرمایا کیونکہ عامی شخص پر یہی لازم ہے کہ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے جس قول کی تصحیح بیان کی ہے اس کی پیروی کرے لیکن ضرورت کے مقام مستثنی ہیں جیسا کہ ابھی آپ جان چکے۔

(فان قلتَ) هذا مخالف لما قدمته سابقا من ان المفتی المجتهد لیس له العدول عما اتفق علیه ابو حنیفة و اصحابه فلیس له الافتاء به و ان کان مجتهدا متقنا لانهم عرفوا الادلة ومیزوا بین ماصح وثبت وبین غیره و لا یبلغ اجتهاده اجتهادهم کما قدمناه عن الخانیة و غیرها.

اگر آپ کہیں کہ یہ آپ کی سابقہ بات کے مخالف ہے کہ مفتی مجتہد کے لئے بھی اس قول سے عدول کرنا جائز نہیں ہے جس پر امام **اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اور ان کے اصحاب متفق ہو چکے ہوں مفتی کے لئے ایسے قول کے خلاف فتوی دینا جائز نہیں ہے، اگر چہ وہ مفتی مجتہد و ماہر ہو، کیوں کہ حضرات ائمہ کرام علیہم الرحمۃ تمام ہی دلائل جانتے تھے اور انہوں نے صحیح اور غیر صحیح کے درمیان فرق کرلیا تھا اور اس مفتی کا اجتہاد ان ائمہ کرام کے اجتہاد کے برابر نہیں ہوسکتا جیسا کہ ہم نے خانیہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

(قلتُ) ذلک فی حق من یفتی غیره، ولعل وجهه انه لما علم ان اجتهادهم اقوی لیس له ان یبنی مسائل العامة علی اجتهاده الاضعف او لان السائل انما جاء یستفتیه عن مذهب الامام الذی قلده ذلک المفتی فعلیه ان یفتی بالمذهب الذی جاء المستفتی یستفتیه عنه .ولذا ذکر العلامة قاسم فی فتاواه:" انه سئل عن واقف شرط لنفسه التغییر و التبدیل فصیر الوقف لزوجته ،فاجاب انی لم اقف علی اعتبار هذا فی شئ من کتب علمائنا ولیس للمفتی الانقل ماصح عند اهل مذهبه الذین یفتی بقولهم ولان المستفتی انما یسئل عما ذهب الیه ائمة ذلک المذهب لا عما ینجلی للمفتی" انتهی. و کذا نقلوا عن القفال من ائمة الشافعیة:" انه کان اذا جاء احد یستفتیه عن بیع الصبرة

یقول لہ تسئلنی عن مذھبی او عن مذھب الشافعی ،وکذا نقلوا عنه انه کان احیانا یقول لو اجتھدت فادی اجتھادی الی مذھب ابی حنیفة، فاقول مذھب الشافعی کذا ولکنی اقول بمذھب ابی حنیفة لانه جاء لیعلم ویستفتی عن مذھب الشافعی فلا بد ان اعرفه بأنی افتی بغیرہ "انتھی.

واما فی حق العمل به لنفسه فالظاھر جوازہ له ویدل علیه قول خزانہ الروایات :"یجوزلہ ان یعمل علیھا، وان کان مخالفا لمذھبه". ای لان المجتھد یلزمه اتباع ماادی الیه اجتھادہ ولذا تری المحقق ابن الھمام اختار مسائل خارجة عن المذھب، ومرة رجح فی مسئلة قول الامام مالک، وقال ھذاالذی ادین به، وقدمنا عن التحریر ان المجتھد فی بعض المسائل علی القول بتجزی الاجتھاد ،وھو الحق یلزمه التقلید فیما لا یقدر علیه ای فیما لا یقدر علی الاجتھاد فیه لا فی غیرہ.

میں (علامہ شامی) اس کا جواب یہ دوں گا کہ یہ بات اس شخص کے حق میں ہے جو دوسروں کو فتوی دے رہا ہو شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جب یہ مفتی اس بات کو جانتا ہے کہ متقدمین کا اجتہاد اس کے اجتہاد سے قوی ہے تو عوام کے مسائل کے حوالے سے اسے اپنے ضعیف اجتہاد کو مبنیٰ قرار دینا جائز نہیں ہے یا یہ وجہ ہو کہ سائل اس کے پاس اس امام کے مذہب سے متعلق استفتاء کے لئے آیا ہے جس کی تقلید یہ مفتی کرتا ہے، پس اس پر تو یہی لازم ہے کہ اسی مذہب کے مطابق فتوی دے جس کے متعلق مستفتی جواب چاہتا ہے۔ اور اسی وجہ سے علامہ قاسم علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاوی میں ذکر کیا کہ ''ان سے ایک واقف کے بارے میں سوال ہوا جس نے وقف میں یہ شرط لگا رکھی تھی کہ مجھے وقف میں تغییر و تبدیل کا حق ہوگا، پھر اس نے یہ وقف اپنی بیوی کی طرف منتقل کر دیا تو علامہ قاسم علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب یہ دیا: ہمارے علماء کی کتب میں اس طرح کی شرائط کو معتبر قرار دینے کے حوالے سے میں کسی ایسی روایت سے واقف نہیں ہوں اور مفتی کا کام یہی ہے کہ مشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کے صحیح مفتی بہ قول کو نقل کر دے کیونکہ سائل اس مفتی سے اپنے ائمہ مذہب کا موقف دریافت کر رہا ہے خود اس مفتی پر جو امور واضح ہوتے ہیں انہیں دریافت نہیں کر رہا ہے۔

اسی طرح فقہاء کرام نے ائمہ شافعیہ علیہ رحمۃ اللہ الکافی میں سے امام قفال علیہ رحمۃ اللہ ذی الجلال سے نقل کیا کہ جب ان کے پاس کوئی شخص اناج کی ڈھیری کی بیع سے متعلق فتوی طلب کرتا تو آپ

علیہ الرحمۃ اس سے دریافت کرتے کہ تم مجھ سے میرے مؤقف کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ یا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے مؤقف کے بارے میں؟ یونہی فقہاء نے آپ علیہ الرحمۃ سے نقل کیا کہ علامہ قفال علیہ رحمۃ اللہ ذی الجلال کہا کرتے تھے اگر میں کسی مسئلہ میں اجتہاد کروں اور مجھے میرا وہ اجتہاد امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے مذہب تک لیجائے تو مسئلہ دریافت کرنے والے کو میں یوں جواب دوں گا کہ مذہب شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی یہ ہے اور میرا قول امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے مذہب کے مطابق ہے، کیونکہ سائل مذہب شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی سے متعلق معلومات کرنے کے لئے فتوی لینے آیا ہے، تو ضروری ہے کہ میں اسے بتادوں کہ میں امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے مذہب کے غیر پر فتوی دے رہا ہوں۔ اور رہا مفتی کا خود اس مسئلہ پر عمل کرنا تو اس کا جائز ہونا ظاہر ہے اور اس کے جواز پر خزانۃ الروایات کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ مفتی کے لئے ضعیف روایت پر خود عمل کرنا جائز ہے اگر چہ وہ اس کے مذہب کے خلاف ہو، کیونکہ مجتہد پر اس شے کی پیروی لازم ہوتی ہے جس تک اسے اس کا اجتہاد لے جاتا ہے اس سبب سے آپ نے محقق ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام کو دیکھا ہے کہ وہ کئی مسائل ایسے اختیار کرتے ہیں جو مذہب حنفی سے خارج ہوتے ہیں۔ ایک بار کسی مسئلہ میں آپ علیہ الرحمۃ نے امام مالک علیہ رحمۃ اللہ الخالق کے قول کو راجح قرار دیا اور فرمایا کہ ''میں اسی قول کو اپنا مذہب بناتا ہوں''۔ التحریر کے حوالے سے یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے کہ اجتہاد میں تجزی کے درست قول کے مطابق جو عالم بعض مسائل میں مجتہد ہو اس پر ان مسائل میں دوسرے کی تقلید لازم ہے، جس میں وہ اجتہاد کی قدرت نہ رکھتا ہو ہاں جن مسائل میں اسے اجتہاد کی قدرت ہو ان میں اس پر تقلید لازم نہیں ہے۔

ضمنی فائدہ

لے...... البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، باب الحیض، ج ۱، ص ۳۹۷۔

لا یجوز القضاء بالضعیف ولا بمذہب الغیر

وقولی لکنما القاضی بہ لایقضی...... الخ ای لا یقضی بالضعیف من مذہبہ وکذا بمذہب الغیر، قال العلامۃ القاسم: "وقال ابو العباس احمد بن ادریس: ھل یجب علی الحاکم ان لایحکم الا بالراجح عندہ کما یجب علی المفتی ان

لایفتی الا بالراجح عنده، اوله ان یحکم باحد القولین وان لم یکن راجحا عنده جوابه ان الحاکم ان کان مجتهدا فلا یجوز له ان یحکم ویفتی الا بالراجح عنده وان کان مقلدا جاز له ان یفتی بالمشهور فی مذهبه وان یحکم به وان لم یکن راجحا عنده مقلدا فی رجحان المحکوم به امامه الذی یقلده ،کما یقلده فی الفتوی واما اتباع الهوی فی الحکم والفتیا فحرام اجماعا واما الحکم والفتیا بما هو مرجوح فخلاف الاجماع" انتهی .

وذکر فی البحر: "لوقضی فی المجتهد فیه مخالفا لرأیه ناسیا لمذهبه نفذ عند ابی حنیفة، وفی العامد روایتان ، وعند هما لا ینفذ فی الوجهین واختلف الترجیح ،ففی الخانیه :اظهر الروایتین عن ابی حنیفة نفاذ قضائه وعلیه الفتوی وهکذا فی الفتاوی الصغری وفی المعراج معزیا الی المحیط :الفتوی علی قولهما وهکذا فی الهدایة ،وفی فتح القدیر: فقد اختلف فی الفتوی والوجه فی هذا الزمان ان یفتی بقولهما لان التارک لمذهبه عمدا لایفعله الالهوی باطل لالقصد جمیل واما الناسی فلان المقلد ماقلده الا لیحکم بمذهبه لا بمذهب غیرهن،هذا کله فی القاضی المجتهد ،فاما المقلد فانما ولاه لیحکم بمذهب ابی حنیفة فلا یملک المخالفة فیکون معزولا بالنسبةالی هذا الحکم انتهی مافی الفتح......[1]" انتهی کلام البحر .

ثم ذکر انه اختلفت عبارات المشائخ فی القاضی المقلد والذی حط علیه کلامه انه اذا قضی بمذهب غیره او بروایة ضعیفة او بقول ضعیف نفذ ،واقوی ماتمسک به مافی البزازیة عن شرح الطحاوی: "اذا لم یکن القاضی مجتهدا وقضی بالفتوی ثم تبین انه علی خلاف مذهبه نفذ ولیس لغیره نقضه وله ان ینقضه کذا عن محمد وقال الثانی لیس له ان ینقضه ایضا......[2]" انتهی .

لکن الذی فی القنیة عن المحیط وغیره:" ان اختلاف الروایات فی قاض مجتهد اذا قضی علی خلاف رأیه والقاضی المقلد اذا قضی علی خلاف مذهبه لاینفذ" انتهی .

وبه جزم المحقق فی فتح القدیر و تلمیذہ العلامة قاسم فی تصحیحه.

ضعیف قول اور مذہب غیر پر فیصلہ دینا جائز نہیں!

اور میرا قول لکنما القاضی به لا یقضی وان قضی فحکمه لا یمضی، کا مطلب یہ ہے کہ قاضی نہ تو اپنے مذہب کے ضعیف قول کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور امام کے مذہب کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے(۱)۔ اور اگر ایسا کرے گا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

علامہ قاسم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ''ابو العباس احمد بن ادریس علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حاکم پر واجب ہے کہ جو قول اس کے نزدیک راجح ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے، جیسا کہ مفتی پر واجب ہے کہ جو قول اس کے نزدیک راجح ہو اس پر فتوی دے یا قاضی کے لئے جائز ہے کہ وہ دونوں میں سے کسی بھی قول کے مطابق فتوی دے اگر چہ وہ اس کے نزدیک مرجوح ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ حاکم اگر مجتہد ہو تو اس پر لازم ہے کہ اسی قول کے مطابق فیصلہ کرے اور فتوی دے جو اس کے نزدیک راجح ہے اور اگر مقلد ہے تو اس کے لیے مذہب کے مشہور قول کے مطابق فتوی دینا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے اگر چہ وہ قول اس کے نزدیک راجح نہ ہو، یہ محکوم بہ (حکم) کے راجح ہونے کے بارے میں بھی اپنے اسی امام کی تقلید کرے گا جس کی فتوی میں تقلید کرتا ہے۔ بہر حال فیصلہ شرعی کرنے اور فتوی دینے میں خواہش نفسانی کی پیروی کرنا بالاجماع حرام ہے اور مرجوح قول کے مطابق فیصلہ کرنا اور فتوی دینا اجماع کے خلاف ہے'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

بحر الرائق میں علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ''اگر قاضی نے مختلف فیہ مسئلہ میں اپنے مذہب کو بھول کر اپنی رائے سے مذہب کے برخلاف فیصلہ سنا دیا تو امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے نزدیک وہ نافذ ہو جائے گا اور اکثر کتب میں ہے کہ اس بارے میں دو روایتیں ہیں، اور صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں قاضی کا یہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا، اس مسئلہ کی ترجیح میں بھی اختلاف ہے۔ خانیہ میں ہے: امام اعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم سے منقول دونوں روایات میں ظاہر ترین یہ ہے کہ قاضی کا یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا اور اسی پر فتوی ہے اور اسی طرح فتاوی صغری میں ہے۔ معراج الدرایة میں محیط کے حوالے سے ہے کہ فتوی اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر ہے اور اسی طرح ھدایة میں ہے اور فتح القدیر میں ہے اس مسئلہ میں فتوی کس کے قول پر ہے؟ اس میں اختلاف ہے اس زمانے کے اعتبار سے مناسب یہ ہے کہ صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے

کیونکہ اپنے مذہب کو ترک کرنے والا شخص (عموماً) یہ کام نفسانی باطل خواہش کی بناء پر کرتا ہے، کوئی اچھا مقصد اس کے پیچھے کارفرما نہیں ہوتا اور رہا وہ قاضی جو بیانِ مسئلہ میں اپنا مذہب بھول گیا ہو تو چونکہ وہ مقلد ہے اور مقلد قاضی کا کام اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنا ہوتا ہے نہ کہ دوسرے امام مذہب کے مطابق فیصلہ کرنا، یہ تمام ہی بحث مجتہد قاضی کے بارے میں تھی، اور رہا مقلد قاضی تو اسے تو حاکم نے مقرر ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ **امام اعظم** علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے مذہب کے مطابق فتوی دے، اس کو تو اختلاف کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے۔ پس خلافِ مذہب حکم کرنے کے اعتبار سے وہ قاضی اس حکم میں معزول ہوگا۔ (فتح القدیر اور البحر الرائق کا کلام مکمل ہوا)"۔

پھر **علامہ ابن نجیم** علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا کہ مقلد قاضی کے بارے میں مشائخ کی عبارات مختلف ہیں، آپ نے اس بات پر اپنی گفتگو کو ختم کیا کہ جب مقلد قاضی غیر کے مذہب کے مطابق یا کسی ضعیف روایت یا ضعیف قول کے مطابق فیصلہ کرے تو وہ نافذ ہو جائے گا اور اس کی قوی ترین دلیل بزازیہ میں مذکور عبارت ہے جو طحاوی شریف کی شرح کے حوالے سے مذکور ہے کہ جب قاضی مجتہد نہ ہو اور کسی فتوی کے مطابق فیصلہ کر دے پھر ظاہر ہو کہ یہ اس کے مذہب کے برخلاف ہے تب بھی وہ نافذ ہو جائے گا کہ کسی دوسرے کے لئے اس فیصلہ کو توڑنا جائز نہیں ہوگا، ہاں خود اس کے لیے اس فیصلہ کو توڑنا جائز ہوگا، اسی طرح **امام محمد** علیہ رحمۃ اللہ الصمد سے منقول ہے۔ **امام ابو یوسف** نے فرمایا کہ خود اس قاضی کے لئے بھی اس فیصلہ کو توڑنا جائز نہیں ہے"۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

لیکن قنیۃ میں محیط وغیرہ کے حوالے سے مذکور یہ بات کہ روایتوں کا اختلاف مجتہد قاضی کے بارے میں ہے کہ جب مجتہد قاضی اپنی رائے کے برخلاف فیصلہ کرے اور رہا مقلد قاضی تو اگر وہ اپنے مذہب کے برخلاف فیصلہ کرے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا۔ (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

اور اسی بات پر فتح القدیر میں **محقق ابن ہمام** علیہ رحمۃ اللہ السلام اور ان کے شاگرد **علامہ قاسم** علیہ الرحمۃ نے تصحیح قدوری میں جزم کیا ہے۔

(قال) فی النھر: " وما فی الفتح یجب ان یعول علیه فی المذهب وما فی البزازیة محمول علی روایة عنهما اذاقصاری الامر ان هذا نزل منزلة الناسی لمذهبه وقدمر عنهما فی المجتهد انه لاینفذ، فالمقلد اولی" انتهی.

وقال فی الدر المختار: قلتُ: ولاسیما فی زماننا فان السلطان ینص فی

منشوره على نهيه عن القضاء بالاقوال الضعيفة، فكيف بخلاف مذهبه فيكون معزولا بالنسبة لغير المعتمد من مذهبه فلا ينفذ قضاؤه فيه وينقض كما بسط فى قضاء الفتح والبحر والنهر وغيرها......۳" انتهى .

النہر الفائق میں فرمایا: فتح القدیر میں مذکور بات کی بناء پر واجب ہے کہ مذہب کے حوالے سے اسی پر اعتماد کیا جائے اور بزازیہ میں مذکور بات اس توجیہ پر محمول ہے کہ صاحبین سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے۔ پس معاملہ یہ ہے کہ (مقلد) قاضی اپنے مذہب کو بھول جانے والے قاضی کے مرتبہ میں ہے اور مجتہد قاضی کے بارے میں صاحبین کا یہ قول پہلے گزر چکا کہ اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا تو مقلد قاضی کا فیصلہ اس صورت میں بدرجہ اولی نافذ نہیں ہوگا"۔

درمختار میں علامہ حصکفی نے فرمایا: میں کہتا ہوں بالخصوص ہمارے اس زمانے میں کیونکہ سلطان اپنے منشور میں اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ قاضی کے لئے ضعیف اقوال کے مطابق فیصلہ کرنے کی ممانعت ہے۔ تو جب اس قاضی کے لیے اپنے ہی مذہب کے ضعیف قول پر عمل کرنا جائز نہیں ہے تو دوسرے کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنا اس کے لیے کیسے جائز ہوگا؟ اگر وہ ضعیف قول پر عمل کرلے تب بھی مذہب کے غیر معتبر قول کو اختیار کرنے کے اعتبار سے وہ معزول ہوگا اور اس بارے میں اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا بلکہ ٹوٹ جائے گا جیسا کہ اس کی تفصیل فتح القدیر، بحر الرائق، نہر الفائق وغیرہ کی کتاب القضاء میں ہے" (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

(قلتُ) وقد علمت ايضا ان القول المرجوح بمنزلة العدم مع الراجح فليس له الحكم به وان لم ينص له السلطان على الحكم بالراجح وفى فتاوى العلامة قاسم: " وليس للقاضى المقلد ان يحكم بالضعيف لانه ليس من اهل الترجيح فلا يعدل عن الصحيح الا لقصد غير جميل ولو حكم لاينفذ لان قضائه قضاء بغير الحق لان الحق هو الصحيح ، وما نقل من ان القول الضعيف يتقوى بالقضاء المراد به قضاء المجتهد كمابين فى موضعه مما لايحتمله هذا الجواب" انتهى .

وما ذكره من هذا المراد صرح به شيخه المحقق فى فتح القدير. وهذا آخر ماردنا ايراده من التقرير والتوضيح والتحرير بعون الله تعالى العليم الخبير

اسألہ سبحانہ ان یجعل ذلک خالصا لوجھہ الکریم، موجبا للفوز لدیہ یوم الموقف العظیم .وان یعفو عما جنیتہ واقترفتہ من خطاو اوزار فانہ العزیز الغفار ،والحمد للہ تعالی اولا وآخرا وظاھرا وباطنا والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات ،وصلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم والحمد للہ رب العالمین .نجز ذلک بقلم جامعہ الفقیر محمد عابدین غفر اللہ تعالی لہ ولوالدیہ ومشایخہ وذریتہ والمسلمین آمین .

میں (علامہ شامی) کہتاہوں کہ آپ یہ بات بھی جان چکے کہ راجح کے مقابلے میں مرجوح قول کالعدم ہوتا ہے، پس قاضی کے لئے مرجوح قول کے مطابق فیصلہ کرنا جائز نہ ہوگا اگرچہ سلطان نے اپنے منشور میں اس بات کی تصریح نہ کی ہو کہ قاضی کو راجح قول کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا ۔علامہ قاسم علیہ الرحمۃ کے فتاوی میں ہے:''مقلد قاضی کے لئے ضعیف قول کے مطابق فیصلہ کردینا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اہل ترجیح کے گروہ سے نہیں ہے، پس قاضی صحیح قول کو کسی مذموم مقصد ہی کے لئے ترک کرے گا اور قاضی ضعیف قول کے مطابق فیصلہ کردے تو بھی وہ نافذ نہیں ہوگا کیوں کہ اس کا یہ فیصلہ غیر حق کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے، کہ حق قول صحیح کے مطابق فیصلہ کرنا ہی ہے ۔اور یہ بات جو منقول ہے کہ قضاء سے قول ضعیف قوی ہو جاتا ہے تو یہاں قضاء سے مراد مجتہد کا فیصلہ کرنا ہے جیسا کہ یہ بات اپنے مقام پر اس طرح بیان کی جاچکی جس سے اعتراض ہی پیدا نہیں ہوتا'' (ان کا کلام مکمل ہوا)۔

اس قول کے معنی کی تصریح علامہ قاسم علیہ الرحمۃ کے استاد محقق ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام نے فتح القدیر میں کی ہے۔ یہ وہ آخری تصنیف ہے، جس کی توضیح، تقریر اور تحریر بیان کرنے کا ہم نے اللہ عزوجل علیم خبیر کی مدد سے ارادہ کیا تھا۔ میں اللہ عزوجل سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اسے خالص اپنی رضا کا سبب بنادے، میدان حشر میں اپنی بارگاہ میں کامیابی وکامرانی کا موجب بنادے اور میری خطاؤں اور گناہوں کو معاف فرمادے، پس بلاشبہ وہ زبردست غلبہ والا بخشنے والا ہے اولا ظاہرا ،باطنا تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لئے ہیں جس کی نعمت فرمانے سے اچھائیاں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہیں۔ اور اللہ عزوجل رحمت نازل فرمائے ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں یہ شرح اس کتاب کے جامع فقیر محمد عابدین کے قلم

سے مکمل ہوئی اللہ ﷻ اس کی، اس کے والدین ومشائخ کرام علیہ رحمۃ اللہ السلام کی اور اولاد اور مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔ (آمین)

ضمنی فوائد

۱......بحر الرائق، کتاب القضاء، باب القاضي الى القاضي، ج۷، ص۱۵، فتح القدير على الهداية، كتاب القضاء، باب القاضي الى القاضي، فصل آخر، ج۷، ص ۲۸۵۔

۲...... بحرالرائق، كتاب القضاء، باب القاضي الى القاضي، ج۷، ص ۱۵۔

۳......البحر الرائق، كتاب القضاء، باب القاضي الى القاضي، ج۷، ص۱۶۔

(۱)فیض القدیر شرح الجامع الصغیر میں ہے: اصول وعقائد میں اختلاف ناجائز ہے اور فروعی اعمال میں اختلاف ہونا رحمت ہے کہ اس اختلاف کے سبب سے ایک امام کے مقلد کے لیے عند الضرورت دوسرے امام کے قول پر عمل ممکن ہوگا۔ فیض القدیر میں علامہ سبکی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے ہے کہ مقلد کے دوسرے امام کے مذہب کی طرف منتقل ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔

☆ایک امام کا مقلد دوسرے امام کے مذہب کو راجح گمان کر کے اس کے مذہب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ☆دوسرے امام کے بیان کردہ فروعی مسئلہ کو باعتبارِ دلیل راجح سمجھ کر اسے اختیار کر لیتا ہے۔ دوسرے امام کے قول میں ایسی رخصت ہو جو اس کے امام کے مذہب میں نہ ہو تو مقلد ضرورت متحقق ہونے کی صورت میں اس امام کے قول پر عمل کرنے پر مجبور ہو، یہ صورت بھی جائز ہے۔ ☆دوسرے امام کے قول پر عمل سے مقصود آسانی حاصل کرنا ہو ایسی صورت میں دوسرے امام کے قول کو اختیار کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسا شخص اپنی خواہش کا پیروکار ہوگا دین کی اتباع کرنے والا نہیں۔ ☆دوسرے ائمہ اکرام کے اقوال بر بنائے آسانی وسہولت بکثرت عمل کرنا یہ صورت بھی ناجائز ہے۔ ☆دو ائمہ کے اقوال سے ایسی حقیقت مرکب ہو جو اجماعاً جائز نہ ہو۔ ☆درپیش آنے والے ایک ہی مسئلہ کبھی ایک امام کے قول کو اختیار کرے اور کبھی دوسرے امام کے قول پر عمل کرے، مثلاً پڑوسی پر شفعہ کرنے کے لیے احناف کے قول پر عمل کرے اور جب پڑوسی کی وجہ سے اس کے خلاف شفعہ کیا جائے تو اپنے آپ کو شافعی گردانے۔ (فیص القدیر، ج۱، ص۱۱)

وذلک فی شھر ربیع الثانی سنة ثلاث واربعین وماتین والف.

یہ شرح ۱۲۴۳ھ میں ربیع الثانی کے مہینے میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔

ماخذ ومراجع

(۱)شرح المهذب للنووی......دار الفکر.

(۲)الفتاوی الهندیه......دار الکتب العلمیة.

(۳)المفردات للراغب اصفهانی ...... مکتبه خیر کثیر آرام باغ.

(۴)التعریفات...... دار الکتب العلمیة.

(۵)المصباح فی رسم المفتی ومناهج الافتاء...... دار الاحیاء التراث العربی.

(۶)المفتی والمستفتی...... قدیمی.

(۷)منیة المفتی...... مخطوطه.

(۸)البحر الرائق ...... دار احیاء التراث العربی.

(۹)فتح القدیر مع عنایه...... دار الکتب العلمیة.

(۱۰)الفیض القدیر ...... دار المعرفة.

(۱۱)البدائع الصنائع...... مرکز اهل سنت برکات رضا.

(۱۲)فواتح الرحموت ...... قدیمی.

(۱۳)نور الانوار ...... مکتبه رحمانیه.

(۱۴)آداب فتوی...... مکتبه اهل سنت.

(۱۵)الاشباه والنظائر ...... قدیمی.

(۱۶)بهار شریعت ...... مکتبة المدینه ،مکتبه رضویه.

(۱۷)الجوهره النیرة...... مکتبه حقانیه.

(۱۸)البنایه ......دارالکتب العلمیة.

(۱۹)هدایه مع بدایة المبتدی ...... مکتبة البشری.

(۲۰)اصول الفقه الاسلامی...... مکتبه رشیدیه.

(۲۱)صحیح بخاری...... دارالنشر والتوزیع الریاض.

(۲۲)صحیح مسلم...... دار الفکر للطباعة ،بیروت لبنان.

(۲۳)فتاوی رضویه مخرجه...... رضافاؤنڈیشن.

(۲۴)مصنف عبدالرزاق ...... دارالکتب العلمیة.

(۲۵)فتح الباری...... قدیمی کتب خانه،دارالکتب العلمیة.

(۲۶)حسامی مع النامی...... مکتبه امدادیه.

(۲۷)فتاوی خیریه علی هامش الفتاوی تنقیح الحامدیه ...... المطبعة المیمنیة بمصر.

(۲۸)فتاوی بزازیه علی هامش الفتاوی هندیه...... دار احیاء التراث العربی.

(۲۹)النتف فی الفتاوی...... دارالکتب العلمیه بیروت.

(۳۰)الفتاوی الکبری الفقهیة لابن حجر المکی...... شامله.

(۳۱)الفتاوی الکبری الفقهیة للهیثمی ...... شامله.

(۳۲)المُغرب فی ترتیب المعرف...... شامله.

(۳۳)الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیه ...... دارالاحیاء التراث العربی.

(۳۴)التحریر مع شرحه التقریر والتحریر ...... دارالکتب العلمیة بیروت،۹، سنه ۱۴۱۹ھ،۱۹۹۹ء.

(۳۵)نهر الفائق ...... دارالکتب العلمیةبیروت سنه ۱۴۲۲ھ،۲۰۰۲ء.

(۳۶)السیرالکبیر للامام محمدبن الحسن الشیبانی مع شرحه للامام

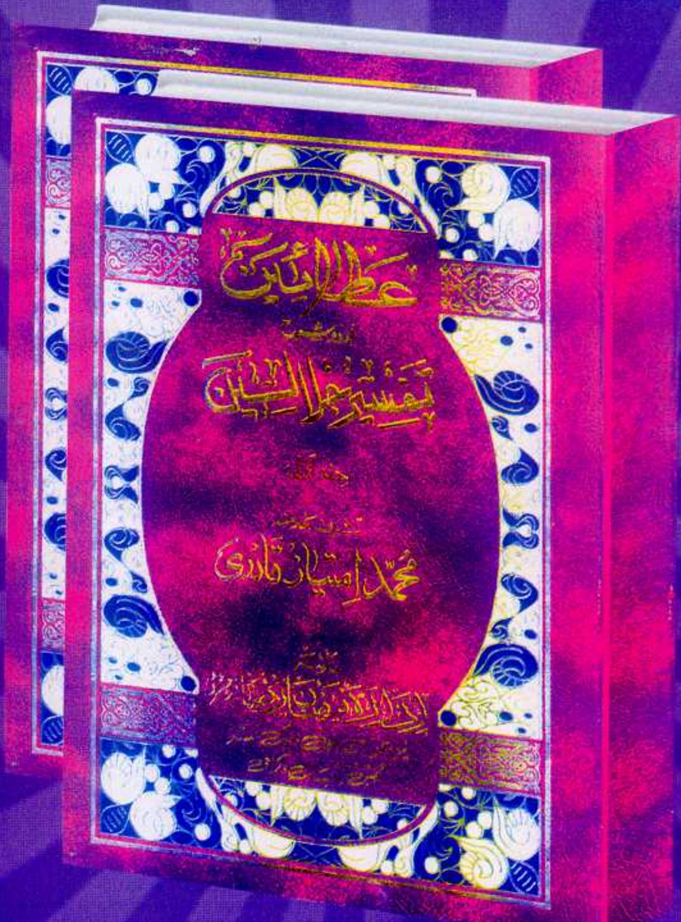
السرخسی ...... دار الکتب العلمیة ۔۷ ۱۴۱ھ، ۱۹۹۷ء۔
(۳۷)ادب المفتی والمستفتی...... میر محمد کتب خانہ۔
(۳۸)درمختار علی ردالمحتار ...... دار الکتب العلمیة۔
(۳۹)درر الحکام مع شرح غرر الاحکام...... مطبعة احمد کامل الکائنة فی دار السعادة بمصر ۱۳۲۹ھ۔
(۴۰)تتار خانیہ ...... دار احیاء التراث العربی۔
(۴۱)عقود رسم المفتی ...... مکتبة عثمانیہ۔

توجہ کیجئے!

رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے، دین کی سربلندی اور علمائے اہل حق تک قیمتی مواد درباب عقود رسم المفتی کو پہنچانے کے لیے نہایت توجہ کے ساتھ شرح لکھنے کا اہتمام کیا ہے ۔اللہ جل جلالہ اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور قارئین کے لیے نفع بخش بنائے۔ ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود ہمیں دعوی کمال نہیں ،لہذا جو خوبی نظر آئے وہ ہمارے بزرگوں کا فیضان سمجھ کر قبول فرمائیں اور اس میں جو خامی ہو وہاں ہماری غیر ارادی کوتاہی کو دخل ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ اہل علم اسے پڑھ کر تحریری طور پر اپنی رائے ضرور دیں اور اس شرح میں موجود کسی کمی ،کوتاہی یا اضافہ کی جانب توجہ دلانا چاہیں تو ہمارے درج پتہ پر بذریعہ خط روانہ فرمادیں تاکہ ہم اپنی اصلاح کرنے میں کامیاب ہوں اور اس نشاندہی پر آپ کے لیے دعائے خیر کریں۔ رب کریم سب کی کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے۔

محمد امتیاز قادری ،منتظم ادارہ ہذا

پتہ: ادارہ فیضان رضا،۴۲/اے، نیو دھوراجی کالونی گلشن اقبال بلاک ۴۔



ادارۂ فیضانِ رضا (رجسٹرڈ)